مزید نہایت مفید مضامین پر مشتمل

جماعت اسلامی کا جائزہ

مصنف

مولانا عامر عثمانیؒ (فاضل دیوبند)

مرتب

سید علی مطہر نقوی امروہوی

ناشر

مکتبہ الحجاز پاکستان

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
انتساب	۵	مودودی شہ پارے	۱۲۲
حرف اول	۶	خاص حالات میں جھوٹ	۱۲۸
احوال واقعی	۱۲	اگرچہ پیر ہے آدم	۱۳۲
آغاز سخن	۱۵	کیا امامت و خطابت کے لیے	
جماعت اسلامی کی دعوت	۲۱	داڑھی ضروری ہے؟	۱۴۳
مولانا مودودی اور دنیائے عرب	۳۰	اسلامی امیر	۱۵۱
بے لاگ سچائیاں	۳۳	اپنی اپنی وسعتِ فکر و یقیں۔۔۔	۱۵۴
ہزار سوالوں کا ایک سوال	۴۰	مولانا مودودی اور ان کے ساتھیوں	
دین میں سیاست کا مقام	۴۸	کی گرفتاری	۱۵۹
جماعت اسلامی کے نقائص	۵۸	فاعتبروا یا اولی الابصار	۱۶۴
جماعت اسلامی اور جماعت سازی	۶۵	تحریک اسلامی کے مراحل اور	
جماعت اسلامی اور علماء کرام	۷۷	آزمائشیں	۱۶۹
دجال اور اس کی پیشگی اولادیں	۹۸	یہ اصلاح کے مدعی	۱۸۸
بے چارے مولانا مودودی	۱۱۰	جماعت اسلامی۔ ایک احسن سعی	۱۹۱

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
تصوف اور جماعت اسلامی	۱۹۲
ایک اور کتاب	۲۰۴
اے عشق مرحبا۔۔۔	۲۱۱
جماعت اسلامی	۲۲۳
آواز دو انصاف کو۔۔۔۔(۱)	۲۳۵
آواز دو انصاف کو۔۔۔۔(۲)	۲۵۳
ایک ثقہ عالم	۲۵۹
جماعت اسلامی اور عامر عثمانی	۲۶۳
بے چاری جماعت اسلامی	۲۷۱
اقتداء امام	۲۷۷
عناد و تعصب	۲۸۴
مولانا مودودی اور جماعت اسلامی وغیرہ	۲۹۵
کارِ زمانہ	۲۹۹
جماعت اسلامی کی شرکت	۳۰۱
خلافت اور جماعت اسلامی	۳۱۰
داعیان حق اور اللہ کی سنت	۳۲۱
جماعت اسلامی اور جماعت تبلیغی	۳۲۱
جماعت اسلامی اور سیاست	۳۲۳
علماء اور جماعت اسلامی	۳۲۵
جماعت اسلامی کا نام	۳۲۷
جماعت اسلامی کا نصب العین	۳۲۹
جماعت اسلامی کس سلوک کی مستحق ہے؟	۳۳۲
جماعت اسلامی اور دیوبندی مسلک	۳۳۷
حرف آخر	۳۴۳
قابلِ رشک حکمران	۳۴۵
امروہہ کی ایک گمنام باکمال شخصیت	۳۴۹

انتساب

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

میں اس ناچیز کاوش کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی طرف منسوب کرتا ہوں جنھوں نے مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہر باطل نظام کا ہر سطح پر مقابلہ کیا۔
تعلیمی مراکز کو مغرب اور کمیونزم کے غلبہ سے نجات دلائی اور مسلم نوجوانوں کو شعوری طور پر اسلام کا شیدائی بنا کر خلافت راشدہ اور فاروقی دور کی واپسی کی دوبارہ راہ ہموار کردی جس سے ملت اسلامیہ کا ہر طبقہ قطعاً مایوس ہو چکا تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ......
مولانا سید ابوالحسن ندوی کی نظر میں

واقعہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ نسل پر ذہنی و علمی طور پر مولانا مودودی نے گہرا اور نہایت وسیع اثر ڈالا ہے۔ انہوں نے اس نسل کی صدہابے چین روحوں' ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلام سے قریب کرنے بلکہ اس کا گرویدہ بنانے اور اس کے دل و دماغ میں اسلام کا اعتماد و وقار بحال کرنے کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ جہاں تک اس تعلیم یافتہ اور ذہین (INTELLECTUAL) طبقہ کا تعلق ہے' اس اثر انگیزی میں (اس ربع یا نصف صدی میں) مشکل سے کوئی مسلمان مصنف و مفکران کا مقابل و ہمسر ملے گا۔

مولانا مودودی کے بعض خیالات و تحقیقات سے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو (اور خود یہ ناچیز بھی ان لوگوں میں شامل ہے' جنہوں نے اس علمی محاسبہ اور تنقید کا فرض انجام دیا ہے) اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی تحریریں اور مضامین مغرب کی تہذیب اور اس کے فلسفہ حیات کے گہرے مطالعہ اور ذاتی واقفیت پر مبنی ہیں' انہوں نے ایسے مبصرانہ اور جرأت مندانہ انداز میں اس کی تنقید اور اس کے علمی تحلیل و تجزیہ کا فرض انجام دیا ہے جو خود اعتمادی سے بھرپور اور مرعوبیت و سطحیت سے دور ہے' اور جس میں نامور نو مسلم مغربی فاضل علامہ محمد اسد کے سوا' ان کا کوئی نظیر و ہمسر اور ان کا کوئی پیش رو (اس قریبی زمانہ میں) نظر نہیں آتا' انہوں نے اسلام کے نظام حیات' اس کی تہذیب کی بنیادیں' حیات انسانی کی تنظیم کے اصول' اسلامی حکومت کے محاسن و خصائص اور اس کے قیام کے طریق و شرائط کو' نئے اسلوب اور علمی زبان میں اس خوبی سے پیش کیا' کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ (جو مغربی طرز استدلال اور جدید علمی اسلوب کا خوگر تھا) اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا' انہوں نے اسلام کے حقائق' اس کے قوانین معاشرت' اور اس کے اقتصادی سیاسی نظام کو' اس انداز میں پیش کیا' جس میں معذرت و تاویل کا وہ رنگ نہیں تھا' جو عرصہ سے ان مسائل پر لکھنے والے دانشوروں اور اہل قلم کے یہاں پایا جاتا تھا' بلکہ انہوں نے بارہا مغربی تہذیب اور اس کے فلسفہ حیات کے بارے میں اقدامی پوزیشن اختیار کی اور خود اس کی بنیادوں اور جڑوں پر تیشہ زنی کی' جس کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے بہت سے افراد کا وہ احساس کمتری اور شکست خوردگی دور ہوگیا جو خالص مغربی تعلیم نے ان میں پیدا کر دیا تھا' اور بہت سے نوجوانوں کے دل میں اسلام کی سربلندی اور اسلامی حکومت کے قیام

کا جذبہ اور اس کی ضرورت کا احساس بیدار ہو گیا' جو اس کو ناقابل عمل بلکہ ناقابل تصور سمجھنے لگے تھے' اور یہ ان کی وہ خدمت ہے' جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ نے اپنے ایک خط کے جواب میں مولانا مودودی صاحب کا اپنے نام ایک خط بھی نقل فرمایا ہے۔

اس کے بعد میرے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"کچھ مدت ہوئی آپ کا ایک عنایت نامہ آیا تھا' جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ میں " وہ کتابیں جن کا ممنون ہوں' یا "میری محسن کتابیں" کے عنوان پر کچھ لکھوں' میں اس کا جواب دینا بھول گیا' ابھی آپ کو خط لکھتے ہوئے اس کا خیال آیا۔

جاہلیت کے زمانہ میں میں نے بہت کچھ پڑھا ہے۔ قدیم و جدید فلسفہ سائنس' تاریخ' معاشیات' سیاسیات وغیرہ پر اچھی خاصی ایک لائبریری دماغ میں اتار چکا ہوں' مگر جب آنکھیں کھول کر قرآن کو پڑھا تو بخدا یوں محسوس ہوا کہ جو کچھ پڑھا تھا سب ہیچ تھا' علم کی جڑ اب ہاتھ آئی' کانٹ' ہیگل' نطشے' مارکس' اور دنیا کے دوسرے تمام بڑے بڑے مفکرین' اب مجھے بچے نظر آتے ہیں' اور جن مسائل پر ان حضرات نے بڑی بڑی کتابیں تصنیف کر ڈالیں' پھر بھی حل نہ کر سکے' ان کو اس کتاب نے ایک دو فقروں میں حل کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر یہ غریب اس کتاب سے ناواقف

نہ ہوتے تو کیوں اپنی عمریں اس طرح ضائع کرتے؟ میری محسن بس یہی ایک کتاب ہے اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے۔ حیوان سے انسان بنادیا ہے' تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئی۔ ایسا چراغ میرے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ زندگی کے جس معاملہ کی طرف نظر ڈالتا ہوں' حقیقت اس طرح برملا مجھے دکھائی دیتی ہے' گویا اس پر کوئی پردہ ہی نہیں ہے۔ انگریزی میں اس کنجی کو شاہ کلید (MASTER KEY) کہتے ہیں۔ جس سے ہر قفل کھل جائے۔ سو میرے لئے قرآن شاہ کلید ہے' مسائل حیات کے جس قفل پر اسے لگاتا ہوں وہ کھل جاتا ہے' جس خدا نے یہ کتاب بخشی ہے' اس کا شکریہ ادا کرنے سے میری زبان عاجز ہے۔"

(خاکسار) ابوالاعلیٰ

(پرانے چراغ۔ مولف' سید ابوالحسن علی ندوی)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی رائے

"ان عبارتوں میں یعنی "جماعت اسلامی" کے دستور کے واضعین کی عبارتوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیار' مینار روشنی' چراغ راہ' جامع و مکمل نمونہ' مدار نجات اور ان کے اسوے کو واجب الاتباع تسلیم کیا گیا ہے۔"

(رسالہ دارالعلوم مئی ۵۷ء)

"جہاں تک احقر کی رائے کا تعلق ہے یہ صحیح نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا لٹریچر دیکھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے ' ممدوح نے اسلامی اجتماعیات کے بارے میں نہایت مفید اور قابل قدر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے' اس دور خلط و اختلاط اور تلبیس و التباس میں جس بے جگری سے انہوں نے اسلامی اجتماعیات کا تجزیہ اور تنقیح کر کے' جماعتی مسائل کو صاف کیا ہے ' وہ انہیں کا حصہ ہے۔ میں انہیں اسلامی اجتماعیات کا ایک بہترین سیاسی مفکر سمجھتا ہوں۔ البتہ فقیہ اور مفتی نہیں مانتا..... یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس جماعت میں داخل ہونے سے ایمان چلا جاتا ہے"۔

"اس جماعت کے اصول اجتماعی میں کوئی بات خلاف شریعت نظر نہیں آتی" (رسالہ دارالعلوم جون ۵۱ء)

مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے معترض علماء کی طرف سے برائے حصول فتوئی بھیجی ہوئی کتب کے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ

"لوگ جو باتیں کرتے ہیں مجھے تو ان کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا' زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو وہ عدم احتیاط ہے۔"

امام موصوف نے یہی بات معترضین کو اسی طرح لکھ دی تو وہاں سے جواب آیا کہ جو کچھ بھی ہم نے آپ کو بھیجا تھا اس کو کچھ لکھے بغیر واپس فرما دیجئے۔

مولانا مودودی صاحب کے شاگرد رشید' شرعی عدالت کے جج "خلافت وملوکیت کا جائزہ" نامی گرانقدر کتاب کے مصنف مولانا ملک غلام علی صاحب نے مولانا مودودی صاحب کے' مولانا عبدالشکور صاحب کی نسبت' راقم سے یہ الفاظ دہرائے کہ:

"میں مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے علم و فضل اور تدین کا معترف ہوں۔"

الحمد للہ دونوں اکابر امت ایک دوسرے سے مطمئن تھے۔

پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام و شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

نے سابق وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"اسلام کی تلوار کو جیل میں ڈال کر مجھ سے کہا جارہا ہے کہ میں دستوری سفارشات دوں"

پاکستان کے دوسرے شیخ الاسلام اور مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

"اللہ تعالیٰ نے اس دور فتن میں ہمیں ایسا دماغ فراہم کر دیا ہے جس نے ہمیں اسلام پر مغرب کے حملوں کے جواب سے مستغنی کر دیا ہے۔"

(مرتب)

احوال واقعی

پچھلے چند شماروں سے ایسا اتفاق ہو رہا ہے کہ کئی مضامین "جماعت اسلامی" اور "علمائے کرام" کے نام نہاد شاخسانے سے متعلق شامل "تجلی" ہو جاتے ہیں، اس سے بعض ناظرین کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ تجلی جماعت اسلامی کا آرگن ہے، جو لوگ راقم الحروف سے ذاتی طور پر واقف ہیں، انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ عامر کے علاوہ کوئی اور پرچے کی ترتیب میں درپردہ شامل ہے، کیونکہ جہاں تک خاکسار کی ذات کا تعلق ہے ہر دوست جانتا ہے کہ اسے نہ کبھی جماعت اسلامی سے کوئی قابل ذکر وابستگی رہی ہے نہ آج ہے، پھر یہ مسلسل مضامین اور جماعت اسلامی کی وکالت یقیناً کسی اور کا کام ہے۔

میں ناظرین کو اطمینان دلاتا ہوں کہ دونوں اندیشے غلط ہیں نہ "تجلی" کسی جماعت کا آرگن ہے، نہ عامر اور زبیر افضل صاحب کے سوا کسی کا ادارے سے تعلق ہے، مضامین کی مسلسل اشاعت کا حقیقی سبب یہ ہے کہ یہ سیاہ کار ہوش سنبھالنے سے آج تک مسلمانوں کے انحطاط اور بے عملی و بے راہروی کے مناظر دیکھتے دیکھتے اس درجہ زخمی، ذکی الحس اور نازک مزاج ہو گیا ہے کہ کسی بھی نئی ٹھیس پر بے اختیار تڑپ اٹھنے پر مجبور ہو جاتا ہے، پاگلوں کی طرح سر دھنتا ہے اور وہ سب کچھ کرتا ہے جو ایک انتہا پسند جذباتی آدمی چوٹ کھا کر کر سکتا ہے۔

تقسیم کے بعد آنے والی ہولناک مصیبتوں کے احساس سے پیدا ہونے والے زخم ابھی رس ہی رہے تھے کہ سسکتے ہوئے مسلمانوں میں افتراق و اختلاف کا وہ روح فرسا منظر نظر آیا جسے "جماعت اسلامی اور علماء کرام" کے اختلاف سے یاد کیا جاتا ہے۔۔۔ باوجود سعی ضبط کے دل تڑپ اٹھا، اور چند قطرات خون الفاظ بن کر "تجلی" کے صفحات پر بکھر گئے، سچ جانئے یہی اصل حقیقت ہے ورنہ یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ مجھ جیسے ناکارہ ہیچمدان کی تحریروں سے علماء کرام کی شخصیات بلند اور

اعلیٰ خیالات پر کوئی اثر پڑ سکے گا۔۔۔ میں نے تو اضطراب کے عالم میں چند کراہیں لیں، چند بوندیں خونِ دل کی ٹپکائیں اور میری ہی طرح کچھ اور لوگ بھی تھے جن کے سینوں میں مسلمان اور اسلام کا درد تھا، انھوں نے میری فریاد سن کر عملاً میری ہمنوائی کے لیے قدم بڑھایا اور مضامین پر مضامین دفتر "تجلّی" میں پہنچنے لگے، میں نے ان مضامین کو شائع کیا کہ ممکن ہے مبارزین کرام میں سے کوئی اللہ کا بندہ تھوڑا بہت اثر لے، اور آپس کا مجادلہ و مباحثہ صلح و صفائی کی طرف مڑ جائے، میں نہیں جانتا کہ میری تمنا کہاں تک پوری ہوئی، مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تجلّی کے بارے میں کس نے کیا سمجھا، مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ میں نے اپنی ناقص عقل اور بے مایہ علم کی حد تک جس چیز کو حق سمجھا اس کی اشاعت کر دی، اب اگر میرے طرز عمل سے کسی کو بدگمانیاں پیدا ہوئی ہیں یا مجھ سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں تو میں بہ تمام عجز و انکسار اپنے پروردگار کے حضور میں طلب استغفار کرتا ہوں۔

جماعت اسلامی سے میری وابستگی کا "حسن ظن" کوئی ایسا خوفناک الزام نہیں کہ میں اسے اپنے دامن پر داغ سمجھ کر صفائی ضروری سمجھوں، نہ یہ کوئی گناہ ہے کہ تجلّی میں اس سلسلہ کے مضامین مسلسل چھپے۔۔۔ لیکن اظہار حقیقت کے لیے یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی سے میرا دور کا بھی کوئی ضابطہ کا تعلق نہیں، نہ میں کبھی اس کی مجالس میں شریک ہوا ہوں، نہ میرے سامنے اب تک کوئی ایسی اجتماعی تحریک آئی ہے، جس میں ایک مسلمان کی حیثیت سے میں جماعت اسلامی کا من حیث الجماعت ساتھ دوں، میں نے جماعت اسلامی کا صرف لٹریچر پڑھا ہے، مولانا مودودی کے رشحات مطالعہ کیے ہیں، اور اسی کے نتیجہ میں، میں آج بھی کہتا ہوں اور برابر کہتا رہوں گا کہ جماعت اسلامی سے علماء کا "مجادلہ و مقاتلہ بالکل غیر منصفانہ، بے وقت، فساد آمیز اور مبنی پر عصبیت ہے، جیسا اور برائی خدا کے سوا کسی شئی میں نہیں، ہزارہا ہزار صفحات پر مشتمل لٹریچر میں اگر مولانا مودودی یا جماعت اسلامی کے

کسی اور اہل قلم نے رائے، اجتہاد یا تفقہ کی غلطی کی ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ قرآن اور احادیث صحیحہ کے سوا دنیا کا کون سا لٹریچر ہے جس کی ''صحت کامل'' کا دعویٰ کیا جا سکتا ہو، اور تو چھوڑیئے، ائمہ اور مفسرین و محدثین کے ضخیم قلمی شاہکاروں میں بھی علماء دیوبند کب ہر ہر سطر پر آمنا و صدقنا کہنے کو تیار ہوتے ہیں، حال یہ ہے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی ''بخاری'' کے باب میں بھی اختلافی آراء درس و تدریس میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔۔۔ جماعت اسلامی کا لٹریچر ہی ایسا مردود و مبغوض کیوں ہے کہ اس کے انہدام کی فکر میں مولوی محمد میاں صاحب جیسے مرنجان مرنج عالم مصروف قلمکاری ہیں اور مفتی دارالعلوم جیسے ذمہ دار بزرگ انتہائی انداز کی گرما گرم تکفیر و تکذیب میں منہمک ہیں۔ (تجلی، دیوبند، جنوری ۱۹۵۲ء)

والذی جآء بالصدق وصدق بہ اولئك ھم المتقون

اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں

آغازِ سخن

مدیر "برہان" اور جماعت اسلامی

ذیل میں ایک انقلاب آفریں مضمون ملاحظہ فرمایئے، ایک ایسا مضمون جو جماعت اسلامی اور علمائے دیوبند کے اختلافی افسانہ میں ایک نیا باب کھولتا ہے، یہ مضمون "ہندوستان" کے مشہور علمی و دینی ادارہ "ندوۃ المصنفین دہلی" کے وقیع آرگن رسالہ "برہان دہلی" بابت مئی ۱۹۵۷ء کا مکمل اداریہ ہے جس کو رسالہ کے مدیر گرامی اور ملک کے مشہور اہل قلم مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے فاضل دیوبند نے "نظرات" کے زیر عنوان جماعت اسلامی اور اس کے مخالف علماء کے سلسلہ میں پہلی بار ایک حیرت ناک انداز سے سپرد قلم فرمایا ہے اور جدید استدلال کی پر خلوص قوت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ جماعت اسلامی اپنے فکر و کردار اور عظیم الشان انقلابی خدمات کے لحاظ سے بنیادی طور پر ایک طرف قرآن و سنت کی صحیح ترین ترجمانی کرتی ہے تو دوسری طرف نئے زمانہ کے الحادی فکر کے طوفانی تھپیڑوں سے لڑتی ہوئی نئی ذہنیت اور نئی انسانیت کی بہترین نبض شناسی کا حق ادا کر رہی ہے، مولانا موصوف نے علماء کے مخالف گروہ پر خالص فکری اسلوب سے کڑی تنقید کرتے ہوئے ان کی مخالفت برائے مخالفت کے طرز پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، اور ان کو نئے تقاضوں اور ان نئے مسائل سے بے خبر قرار دیتے ہوئے جو اسلام کی مرگ و زیست کا مسئلہ ہیں دردمندانہ اپیل کی ہے کہ یہ حضرات تعمیری طرز اختیار کرنے میں دیر نہ کریں، مولانا نے فرمایا کہ اسلامی جماعت کی اساسیات کو قطعی

برحق مانتے ہوئے مسائل کی تشریحات سے اختلاف ہو تو اسلوبِ خالص تعمیری و فکری لحاظ سے مسائلِ حیات کا جدید حل پیش کرتے ہوئے سامنے لانے میں ہی ملت اور پوری انسانیت کا مفاد ہے۔

آپ جانتے ہیں یہ کس کی آواز ہے؟ علمائے دیوبند کے کسی متعصب یا بد عقیدہ دشمن کی نہیں، کسی سیاسی حریف کی نہیں، یا کسی خاندانی، انفرادی اغراض سے ملوث ضمیر کی نہیں، بلکہ اس "ندوۃ المصنفین" کے آرگن کی للکار ہے جس کے بنیادی ستون حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم "جمعیۃ علماء ہند" ورکن مجلس شوریٰ "دارالعلوم دیوبند"، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور خود مولانا موصوف جیسی غیر معمولی شخصیات ہیں، جنھوں نے دارالعلوم میں فکری اور ذہنی، تعلیمی و تربیتی نشوونما پائی اور پھر شعور کی پختگی کے بعد "ندوۃ المصنفین" قائم کر کے بے شمار معیاری، علمی، دینی اور ادبی کتابیں پیش کر کے ملک کے طول و عرض میں "دیوبند" کے ارتقائی رجحانات کی ممتاز نمائندگی کا مقام حاصل کیا، کل انھوں نے "دارالعلوم" سے استفادہ کیا اور آج "دارالعلوم" اپنے ان ہونہار فرزندوں کی بصیرت سے اپنے اہتمام میں فائدہ اٹھا رہا ہے، "علمائے دیوبند" کے لیے اس سے زیادہ چونکا دینے والا، عبرتناک انقلاب کیا ہوگا کہ ان کے فکری جمود کو توڑنے کے لیے خود ان کی آغوش میں پروردہ روشن دل و دماغ اچانک کسی بھی مفاد و عصبیت کے الزام سے بلند، جماعت اسلامی کی مظلوم صداقت کی اس درد بھری آواز سے آواز ملا کر چیخ اٹھے ہیں، جو نجانے کب سے "تجلی" کے صفحات میں بالکل تنہا ان کا انتظار کر رہی تھی، الحمد للہ کہ ایک بار پھر فکری تحریک کے محاذ پر "دیوبند" کے ان ممتاز فاضلین کے ادارہ نے اپنے بے لاگ ارتقاء فکر کا روشن ثبوت دے کر غیر اسلامی اسلاف پرستی اور کورانہ تقلید کے رجحانات پر ضرب کاری لگائی ہے۔

(ادارہ)

"اسلامی جماعت کو آپ اچھا کہیں یا برا لیکن اپنی جگہ پر یہ ایک حقیقت ہے

کہ اس جماعت کا نفوذ واثر بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتا جارہا ہے، مسلمانوں کے بعض ممتاز اداروں اور علمائے اعلام کی سینکڑوں مخالفانہ تحریروں اور فتووں کے باوجود پاکستان میں تو یہ عالم ہے کہ حکومت کے چھوٹے سے لے کر بڑے محکموں تک میں، دفتروں میں، کالجوں اور یونیورسٹی میں، کارخانوں اور تجارت گھروں میں، اس جماعت کے باقاعدہ ممبر یا رکن یا کم از کم اس کے ہمدرد موجود ہیں، اور بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا کام کررہے ہیں، ہمارے ملک میں نوجوانوں اور خاص کر انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں پر اس جماعت کا بڑا اثر ہے، ان لوگوں کے انگریزی اور اردو کے اخبارات ورسائل ہیں، لٹریچر کی اشاعت ہورہی ہے، ہفتہ وار یا ماہانہ ان کے جلسے ہوتے ہیں اور اس میں ارکان و ہمدردان جماعت بڑی دلچسپی اور ذوق و شوق سے شریک ہوتے ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ابھی دو سال پہلے تک اس جماعت کے ارکان بڑی اقلیت میں تھے اور اپنی اسلامی وضع قطع، ڈاڑھیوں اور مسجد میں نماز باجماعت کی پابندی کی وجہ سے سب سے ممتاز اور الگ تھے، لیکن ابھی پچھلے دنوں یونیورسٹی کے طلبا کی یونین کے جو انتخابات ہوئے ہیں ان میں یونین کے صدر اور سیکریٹری کے لیے ان امیدواروں کا انتخاب ہوا جو اسلامی جماعت کے ارکان ہیں، ان لوگوں کا ایک دو ماہہ انگریزی رسالہ بھی ہے جو "اسلامک تھاٹ" کے نام سے نکلتا ہے، اور جس کی اشاعت روز بروز بڑھ رہی ہے اور "ہندوپاک" کے علاوہ مشرق وسطی تک اس کے خریدار موجود ہیں، یہ جماعت کس چیز کی داعی ہے؟ اسی اسلام کی جس کا داعی قرآن ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو لے کر مبعوث ہوئے، ان کا قبلہ وہی قرآن کا قبلہ ہے، یہ بھی نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج اور اسلامی اخلاق واعمال کے اسی طرح قائل ہیں، جس طرح اور دوسرے مسلمان ہیں، بلکہ اسلامی احکام کی بجاآوری کے معاملہ میں جو تشدد اور سختی ان کے ہاں ہے دوسروں کے ہاں نہیں ہے، تو اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ سینکڑوں مخالفتوں کے باوجود اس جماعت کا حلقہ اثر روز بروز وسیع تر ہوتا جارہا ہے،

اور عام مسلمانوں کا عموماً اور تعلیم یافتہ فرزندان توحید کا خصوصاً رجحان و میلان اس جماعت کی طرف بڑھ رہا اور ترقی کر رہا ہے۔

اصل سوال یہ ہے کہ اسلام ہے کیا؟ کیا عیسائیت، یہودیت اور بودھ مت کی طرح وہ ایک ایسا مذہب ہے جو صرف چند رسوم اور عبادت کے چند مخصوص طریقوں کی طرف دعوت دیتا ہے، اور اس کے علاوہ زندگی کے دوسرے مسائل و معاملات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اور اس بناء پر وہ ہر نئے فکر کے ساتھ مصالحت کر سکتا ہے، ہر جدید نظریہ اجتماع کو، تمدن کو اپنا سکتا ہے، گویا خود اس میں اس بات کی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ دنیا کے اجتماعی اور تمدنی مسائل میں قیادت کا فرض انجام دے اور نظریات و افکار کی بین الاقوامی مجلس میں بیٹھ کر اپنا کوئی مستقل اور ٹھوس نظریۂ حیات پیش کرے، یا اس کے برخلاف اسلام درحقیقت ایک جامع اور ہمہ گیر نظام اجتماع و تمدن کا حامل ہے، وہ کسی وقت بھی منجمد اور ساکن نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ متحرک رہتا ہے، اور ہر عہد اور ہر دور کے باطل نظام ہائے حیات اور غلط افکار زندگی کے خلاف مسلسل دعوت انقلاب و احتجاج دیتا رہتا ہے، قرآن میں فرمایا گیا (۱) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (۲) لتکونوا شھداء علی الناس (۳) کونوا قوامین بالقسط، یہ اور اسی طرح کی دوسری آیتیں اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان صرف اپنے لیے زندگی بسر نہیں کرتا، بلکہ ساری دنیا اور سارے جہان کی خدمت کرنے اور انھیں امن و سلامتی کی راہ دکھانے کیلئے زندہ رہتا ہے، دنیا میں جہاں کہیں فتنہ و فساد ہوگا، باطل کا غلبہ ہوگا، شر کو فروغ ہوگا، جہاں انسانی معاشرہ تباہ و برباد ہوگا، انسانیت پر ظلم و ستم ہوگا، اور انسانی عظمت مجروح ہوتی ہوگی، اسلام اس کے خلاف احتجاج کرے گا، اور اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کریگا، جب کہ دنیا میں آگ لگ رہی ہو اور انسانیت کی متاع گرانمایہ اس میں جلی جارہی ہو، اسلام ایک خاموش تماشائی کی طرح اس کا نظارہ نہیں کر سکتا بلکہ وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ آگ بجھانے کی کوشش کریگا

اور اس کار خیر کو سر انجام دینے کے لیے صلاح ونکو کاری کی جتنی طاقتیں ہیں ان کو اپنے ساتھ لے کر میدان عمل میں آجائیگا، اگر اسلام نام در حقیقت اسی دوسری صورت کا ہے اور وہ ہر زمانہ اور ہر دور کی ایک متحرک انقلابی طاقت ہے تواب سوچنا چاہیئے کہ اسلام اتنی بڑی اور ایسی طاقت کب بن سکتا ہے ؟اس کے لیے دوچیزوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ اسلام موجودہ عہد کے تمام اجتماعی اور تمدنی، اقتصادی اور سیاسی مسائل جن کا براہ راست تعلق انسانی معاشرہ کے صلاح وفساد سے ہے ان کا بہترین اور کامیاب حل پیش کرے، اور یہ حل اسی وقت پیش کیا جاسکتا ہے جب کہ غیر اسلامی افکار و نظریات کی خالص علمی اور تحقیقی بنیادوں پر تحلیل و تنقید کی جائے، اور ان کے ہر ہر پہلو پر بحث کر کے انسانی سماج کے لیے ان کے مہلک ہونے کو ثابت کیا جائے، اس کے علاوہ دوسری چیز جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس اسلامی فکر کی حامل ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو فکر و عمل، اخلاق اور کردار کے اعتبار سے بحیثیت مسلمان ہونے کے اپنے اندر انفرادیت رکھتی ہو، اپنے مخصوص نظام فکر و عمل کے ساتھ وابستگی میں سخت کٹر اور متعصب ہو، یعنی کسی ایسے فکر یا عمل کے ساتھ مصالحت کرنے کے لیے ہر گز آمادہ نہ ہو جو خود اس کے نظام حیات (اسلام) کے ساتھ ٹکراتا ہو، جب تک کسی جماعت میں یہ کٹر پن اور تعصب پیدا نہیں ہوتا اس میں کسی تحریک کو لے چلنے کی صلاحیت ہر گز پیدا نہیں ہوتی۔

پس اسلامی جماعت کی مقبولیت اور اس کی روز افزوں ترقی کا اصل راز یہی ہے کہ اس جماعت کے زعمانے اسلام پر اسی نقطہ نظر سے غور کیا ہے، اور ان کی تمام جدوجہد اسی ایک نقطہ پر مرکوز ہے، اس کوشش میں ان حضرات نے اسلامی تعلیمات کی جو تشریحات و توضیحات کی ہیں آپکو کلاًیا جزءً ان سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اصل نقطہ ء نظر اور اصل مقصد بالکل درست اور قرآن کے عین مطابق ہے، آپکو اگر ان تشریحات سے اختلاف ہے تو اس کے مقابلہ میں اپنی تشریحات اور آج کل کے اجتماعی

اور تمدنی مسائل کا حل پیش کیجیے اور بتایئے کہ اس حل کو دنیا سے منوانے کی صورت کیا ہے لیکن خدا کیلیے میدان میں تو آیئے، ذرا دیکھیے تو دنیا کدھر جا رہی ہے؟ اس کا رخ کیا ہے؟ کیسی تند و تیز ہوائیں چل رہی ہیں اور اسلام کی شمع حقانیت اور ربانی ان آندھیوں میں کس طرح پھنس کر رہ گئی ہے، اور اس کو ان ہواؤں کی زد سے بچانے کے لیے آپ کا کیا فرض ہے؟ جب کبھی دنیا میں ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں تو "اسلاف کرام" نے کیا کیا ہے؟ اور ہم آج کے حالات میں کیا کر رہے ہیں؟ ان سب کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ (ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۵۵ء)

جماعت اسلامی کی دعوت

ہماری یہ جماعت جس غرض کیلئے اٹھی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں اور آغاز کار کے طور پر اس ملک (پاکستان) میں ایک ایسی سوسائٹی منظم کی جائے جو اسلام کے اصلی اصولوں پر شعور و اخلاص کے ساتھ خود عامل ہو۔ دنیا کے سامنے اپنے قول و عمل سے اس کی صحیح نمائندگی کرے اور بالاخر جہاں جہاں بھی اس کی طاقت جڑ پکڑ جائے وہاں کے افکار' اخلاق' تمدن' معاشرت و سیاسیات اور معیشت کے نظام کو موجودہ دہریت اور مادہ پرستی کی بنیادوں سے اکھاڑ کر سچی خدا پرستی 'یعنی توحید کی بنیاد پر قائم کردے 'اس جماعت کو یہ یقین ہے کہ موجودہ تہذیب اور اس کا پورا نظام زندگی جن اصولوں پر قائم ہے' وہ قطعاً" فاسد ہیں' اور اگر دنیا کا انتظام انہی اصولوں پر چلتا رہا تو وہ بڑے ہولناک نتائج سے دوچار ہوگی 'اس کے جو نتائج اب تک نکل چکے ہیں وہ بھی کچھ کم ہولناک نہیں ہیں 'مگر انہیں کوئی نسبت اس انجام کی ہولناکی سے نہیں ہے 'جس کی طرف یہ تہذیب دنیا کو لئے جارہی ہے 'اور یہ ظاہر ہے کہ ہم اس دنیا سے کہیں باہر نہیں جی رہے ہیں 'بلکہ اس کے اندر ہی سانس لے رہے ہیں' لہٰذا اگر ہم ان اصولوں کو فاسد اور بدانجام سمجھتے ہوئے بھی منفعلانہ طریقے سے اسی نظام کے تحت زندگی بسر کئے چلے جائیں' اور تہذیب حاضر کے مغربی اماموں اور مشرقی مقلدوں کی پیشوائی و سربراہ کاری کے آگے سر ڈالے رہیں' تو جس تباہی کے گڑھے میں یہ دنیا گرے گی' اسی میں اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی جاگریں گے' اور ہم اس انجام کے مستحق ہوں گے' ہم پوری بصیرت کیساتھ یہ جانتے ہیں اور اپنے علم پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا نے انسان کی رہنمائی

کیلئے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے جو ہدایت نازل کی ہے' اس کی پیروی میں ہماری اور سب انسانوں کی فلاح مضمر ہے' اور انسانی زندگی کا پورا نظام اسی وقت صحیح چل سکتا ہے جبکہ اسے ان اصولوں پر قائم کیا جائے جو انسانوں کے خالق کی دی ہوئی ہدایت میں ہم کو ملتے ہیں' ہمارے اس علم و یقین سے یہ فرض خود بخود ہم پر عائد ہو جاتا ہے اور یہی فرض خدا نے بھی اپنے مطیع فرمان بندوں پر عائد کیا ہے' کہ ہم اس نظام زندگی کے خلاف جنگ کریں جو فاسد اصولوں پر چل رہا ہے' اور وہ صالح نظام قائم کرنے کیلئے جدوجہد کریں جو خدائی ہدایت کے دیئے ہوئے اصولوں پر مبنی ہو۔

یہ کوشش ہمیں صرف اسی لئے نہیں کرنی چاہئے کہ دنیا کی خیر خواہی ہم سے اس کا مطالبہ کرتی ہے' نہیں ہم خود اپنے بھی سخت بدخواہ ہوں گے' اگر اس سعی و جہد میں اپنی جان نہ لڑائیں' کیونکہ جب اجتماعی زندگی کا سارا نظام فاسد اصولوں پر چل رہا ہو' جب باطل نظریات و افکار ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہوں' جب خیالات کو ڈھالنے اور اخلاق و سیرت کو بنانے کی عالمگیر طاقتوں پر فاسد نظام تعلیم' گمراہ کن ادبیات' فتنہ انگیز صحافت اور شیطنت سے لبریز ریڈیو اور سینما کا تسلط ہو' جب رزق کے تمام وسائل پر ایک ایسے معاشی نظام کا قبضہ ہو' جو حرام و حلال کی قیود سے نا آشنا ہے' جب تمدن کی صورت گری کرنے اور اس کو ایک خاص راہ پر لے چلنے کی ساری طاقت ایسے قوانین اور ایسی قانون ساز مشینری کے ہاتھ میں ہو' جو اخلاق و تمدن کے سرا سر مادہ پرستانہ تصورات پر مبنی ہیں' اور جب قوموں کی امامت اور انتظام دنیا کی پوری زمام کار ان لیڈروں اور حکمرانوں کے ہاتھ میں ہو' جو خدا کے خوف سے اور اس کی رضا سے بے نیاز ہیں' اور اپنے کسی معاملے میں بھی یہ

دریافت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ ان کے خالق کی ہدایت اس معاملے میں کیا ہے، تو ایسے نظام کی ہمہ گیر گرفت میں رہتے ہوئے ہم خود اپنے آپ کو ہی اس کے برے اثرات اور بدتر نتائج سے کب بچا سکتے ہیں، یہ نظام جس جہنم کی طرف جا رہا ہے اسی کی طرف وہ دنیا کے ساتھ ہمیں بھی تو گھسیٹے لئے جا رہا ہے، اگر ہم اس کی مزاحمت نہ کریں اور اس کو بدلنے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور نہ لگائیں تو یہ ہماری اور ہماری آئندہ نسلوں کی دنیا خراب اور عاقبت خراب تر کر کے چھوڑے گا۔

لہٰذا محض دنیا کی اصلاح ہی کیلئے نہیں بلکہ خود اپنے بچاؤ کیلئے بھی یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے، اور یہ سب فرضوں سے بڑا فرض ہے کہ ہم جس نظام زندگی کو پوری بصیرت کے ساتھ فاسد و مہلک جانتے ہیں، اسے بدلنے کی سعی کریں اور جس نظام کے برحق اور واحد ذریعہ فلاح و نجات ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اسے عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔

ہاتھوں کی نہیں بلکہ نظام کی تبدیلی

اس مختصر گذارش سے آپ یہ بات پا گئے ہوں گے کہ ہمارا اصل مدعا موجودہ نظام کے چلانے والے ہاتھوں کا بدلنا نہیں ہے، بلکہ خود نظام کا بدلنا ہے، ہماری کوششوں کا مقصود یہ نہیں ہے کہ نظام تو یہی رہے اور انہیں اصولوں پر چلتا رہے، مگر اس کو مغربی نہ چلائے مشرقی چلائے، یا انگریز نہ چلائے ہندوستانی چلائے یا ہندو نہ چلائے، "مسلمان" چلائے، ہمارے نزدیک محض ہاتھوں کے بدل جانے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، "سور تو بہرحال سور" ہے ہی اور اپنی ذات میں ناپاک ہے خواہ اسے کافر باورچی پکائے یا مسلمان باورچی،

بلکہ مسلمان باورچی کا سور پکانا اور بھی زیادہ افسوسناک ہے اور گمراہ کن بھی' بہت سے بزرگان خدا حتیٰ کہ اچھے خاصے پرہیز گار لوگ بھی اس ظالم کے ہاتھ کا پکا ہوا "سور" اس اطمینان کی بنا پر کھا جائیں گے' کہ یہ مسلمان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا ہے' اور اگر اس پخت و پز کے دوران میں وہ چمچے کی ہر گردش پر بآواز بلند بسم اللہ پڑھتا رہے' اور اس کے چنے ہوئے دسترخوان کی بہ نسبت تناول ماحضر کی زیادہ آسانیاں اور آزادیاں میسر ہوں' اور محفل طعام کے گردو پیش کچھ ایسے لوازم بھی فراہم کر دیئے جائیں' جو عام طور پر اسلامی لوازم سمجھے جاتے ہیں' تو یہ اور بھی زیادہ سخت دھوکا دینے والی چیز ہو گی' اس قسم کی نمائشی اسلامیت اگر موجود ہو تو وہ اس حرام خوراک کو قبول کر لینے کیلئے کوئی سفارش نہیں ہے' بلکہ ظاہر فریبیاں اس معاملے کو اور بھی زیادہ پرخطر بنا دیتی ہیں۔ لہٰذا ہم کسی ایسی ظاہری تبدیلی پر از خود مطمئن ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو مطمئن ہوتے دیکھ سکتے ہیں جس میں یہ فاسد نظام تو جوں کا توں قائم رہے' اور صرف اس کے چلانے والے ہاتھ بدل جائیں' ہماری نظر ہاتھوں پر نہیں' بلکہ ان اصولوں پر ہے جن پر زندگی کا نظام چلایا جاتا ہے' وہ اصول اگر فاسد ہوں تو ہم ان کے خلاف جنگ جاری رکھیں گے' اور انہیں صالح اصولوں سے بدلنے کی کوشش کریں گے۔

ہم جو کریں گے جمہوری و آئینی طریقوں سے کریں گے

اس سے پہلے میں ایک مختصر بیان میں اس الزام کی واضح تردید کر چکا ہوں' جو پنجاب یونیورسٹی اور بعض ملحقہ کالجوں کے ہنگاموں کے سلسلے میں مجھ پر اور "جماعت اسلامی" پر تھوپا جا رہا ہے' مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ اس معاملے

میں حکومت کو گمراہ کرنے کی کوشش کا سلسلہ برابر جاری ہے' اور عوام میں بھی بدگمانی پھیلانے کیلئے ایک مہم چل رہی ہے اس لئے میں تمام حقائق حکومت اور عوام کے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں' اس الزام کی پوری عمارت صرف دو بنیادوں پر کھڑی کی جارہی ہے' ایک یہ کہ اسلامی جمعیت طلباء کیساتھ میرے تعلقات ہیں' دوسرے یہ کہ "لاہور" کے بعض طلباء جس میں یونیورسٹی اسٹوڈنٹ یونین کے صدر نصراللہ شیخ صاحب اور امیدوار صدارت بارک اللہ صاحب بھی شامل ہیں۔ایک مدت سے میرے پاس آتے جاتے رہے ہیں۔ لیکن قطع نظر اس سے کہ حال کے ہنگاموں میں "اسلامی جمعیت طلباء" اور "لاہور" کے ان طالب علموں کی ذمہ داری کیا ہے؟ اور کیا نہیں ہے؟ اصل سوال یہ ہے کہ کیا کسی جماعت یا چند اشخاص کے ساتھ کسی شخص کے تعلقات کا ہونا اس بات کیلئے کافی ہے' کہ ایک خاص واقعہ کی ذمہ داری اس پر تھوپ دی جائے؟ اس کیلئے تو یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ اس واقعہ کا صدور اس شخص کے ایماء پر ہوا ہے' اس کا کوئی ثبوت اگر موجود نہ ہو تو کوئی ایماندار انسان خالی قیاسات اور بدگمانیوں پر فیصلہ صادر نہیں کرسکتا۔

جہاں تک جمعیت طلباء اور اس کے افراد کے ساتھ میرے روابط کا تعلق ہے' ان کی نوعیت صرف یہ ہے کہ یہ جمعیت "پاکستان" کے ان طلباء کی جماعت ہے جو کالجوں میں جدید علوم کی تعلیم پانے کے ساتھ دینی رجحانات بھی رکھتے ہیں' ان کی اپنی ایک مستقل جماعت ہے جس کا مجھ سے یا "جماعت اسلامی" سے کوئی باضابطہ یا بے ضابطہ تعلق نہیں ہے' البتہ ملک اور بیرون ملک کے ہزارہا دوسرے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی طرح لوگ بھی شخصی حیثیت سے مجھ پر یہ اعتماد رکھتے ہیں' کہ میں اسلام کی صحیح تشریح کرتا ہوں' اور اسلامی تعلیمات

کے مطابق موجودہ زمانے کے پیچیدہ مسائل کا حل انہیں بتاسکتا ہوں' اسی بنا پر دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح یہ لوگ بھی میری طرف رجوع کرتے ہیں' اپنے اجتماعات میں بھی درس یا تقریر کیلئے مجھے بلاتے رہے ہیں اور میری کتابیں بھی پڑھتے رہے ہیں' ان کا یہ تعلق "جماعت اسلامی" کے ساتھ نہیں بلکہ میری ذات کے ساتھ ہے' اور میری ذات کے ساتھ بھی اس تعلق کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ ایک جماعت کی حیثیت سے ان کی پالیسی میں بناتا ہوں' اور ان کے جماعتی کاموں کیلئے ہدایات میں جاری کرتا ہوں' یہ نتیجہ اگر کوئی نکالتا ہے تو حقیقت سے بے خبری کی بنا پر محض قیاسی گھوڑے دوڑا کر نکالتا ہے' جہاں تک حال کے افسوسناک واقعات کا تعلق ہے اس امر کا فیصلہ تو کسی غیر جانبدارانہ تحقیق ہی سے ہو سکے گا' کہ صداقت اور انصاف کی بنیاد پر ان کی ذمہ داری میں کس کس کا کیا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ لیکن اپنی اور اپنی جماعت کی حد تک میں برملا صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا نہ کروں گا کہ اس میں بربنائے واقعہ ہمارا قطعاً" کوئی حصہ نہیں ہے' بلکہ یہ بھی کہوں گا کہ بربنائے اصول ہمارا کوئی حصہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ "جماعت اسلامی" اپنے قواعد کی رو سے کسی طالب علم کو اپنا رکن یا متفق نہیں بناتی' کسی طالب علم کے متعلق اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ وہ "جماعت اسلامی" کا رکن یا متفق ہے تو وہ بالکل خلاف واقعہ اور قطعی بے ثبوت بات کہتا ہے۔

۲۔ "جماعت اسلامی" درسگاہوں میں یا طلباء میں جاکر کام کرنے سے ہمیشہ اجتناب کرتی رہی ہے' اور اس کی مستقل پالیسی یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے' میں نے خود بارہا طلباء کے جلسوں میں تقریر کرتے

ہوئے علانیہ یہ کہا ہے' کہ طلباء اپنے ملک کے معاملات سے واقفیت ضرور پیدا کریں' تاکہ کل موجودہ نسل کی جگہ لینے کیلئے تیار ہو سکیں۔ لیکن جب تک وہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں انہیں عملی سیاست سے الگ رہنا چاہئے۔ یہ بات "جماعت اسلامی" کے طے شدہ اصولوں میں سے ہے اور ہم نے اپنے کسی کارکن کو بھی اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دی ہے۔

۳۔ میں اصولاً قانون شکنی اور غیر آئینی طریق کار اور زیر زمین کام کا سخت مخالف ہوں' میری یہ رائے کسی سے خوف یا کسی وقتی مصلحت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ میں سالہا سال کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قانون کا احترام مہذب معاشرے کے وجود کیلئے ناگزیر ہے' اور کوئی تحریک اگر اس احترام کو ایک دفعہ ضائع کر دے' تو پھر خود اس کیلئے بھی لوگوں کو قانون کا پابند بنانا سخت دشوار بلکہ محال ہو جاتا ہے' اسی طرح زیر زمین کام اپنے اندر وہ قباحتیں رکھتا ہے جن کی وجہ سے اس طریقے پر کام کرنے والے آخر کار خود ان لوگوں سے بھی بڑھ کر معاشرے کیلئے مصیبت بن جاتے ہیں جن کو ہٹانے کیلئے وہ یہ طریقے اختیار کرتے ہیں' انہی وجوہ سے میرا عقیدہ یہ ہے کہ قانون شکنی اور خفیہ کام قطعی غلط ہے' میں نے ہمیشہ جو کچھ کیا ہے علانیہ کیا ہے اور آئین و قانون کے حدود کے اندر رہ کر کیا ہے' حتیٰ کہ جن قوانین کا میں شدید مخالف ہوں ان کو بھی میں نے آئینی و جمہوری طریقوں سے بدلوانے کی کوشش کی ہے مگر کبھی ان کی خلاف ورزی نہیں کی ہے'

۴۔ یہی عقیدہ "جماعت اسلامی" کا بھی ہے' اس کے دستور کی دفعہ ۵ میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ ہم ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہیں کریں گے جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں' یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو' ہم جو کچھ کریں گے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کریں گے' اور خفیہ طریقوں سے نہیں بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ کریں گے' "جماعت اسلامی" کا ہر فرد اس دستور کی پابندی کا حلف اٹھا کر اس کا کارکن بنتا ہے' اور یہ جماعت ان لوگوں پر مشتمل نہیں ہے جو ایک چیز کا حلف اٹھا کر اس کو توڑتے ہوں' جماعت کا کوئی آدمی اس حلف کی خلاف ورزی کرے تو دوسروں سے پہلے خود جماعت اس کی خبر لے گی۔

بعض حضرات نے ایک بیان پر بڑے اعتراضات کئے ہیں جو میری طرف منسوب کر کے ایک خبر رساں ایجنسی نے ۷ نومبر کو شائع کرایا تھا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں نے سرے سے اس ایجنسی کو کوئی بیان ہی نہیں دیا' بلکہ بیان دینے سے انکار کیا تھا' مگر اس نے اس انکار کو بیان قرار دیکر شائع کرا دیا۔ میرے بیان دینے سے انکار کی وجہ یہ تھی' کہ جب اس قضیئے میں مجھ کو ملوث کرنے کی علانیہ کوشش کی جا رہی ہو' تو میں جو کچھ بھی کہوں گا اسے خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر اپنے مطلب پر ڈھال لیا جائے گا۔

موجودہ شور و غل اور الزام و بہتان تراشی کی مہم کے ذریعہ' مختلف عناصر "جماعت اسلامی" اور امیر "جماعت اسلامی" سے بے بنیاد باتیں منسوب کرنے کی جو کوشش کر رہے ہیں' اس کی مثالیں سامنے آ رہی ہیں' ذیل میں اس سلسلے کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے (مسٹر محمود علی قصوری کی طرف

سے یہ وضاحت ۸ نومبر کے اخبارات میں اے پی پی کے حوالے سے شائع ہوئی ہے)

"نیشنل عوامی پارٹی" کے جنرل سیکریٹری مسٹر محمود علی قصوری نے بعض اخبارات میں شائع ہونے والی اس خبر کی تردید کی ہے' کہ ان کی قیام گاہ پر گزشتہ پیر کو جلسہ ہوا۔ جس میں مولانا مودودی' میاں ممتاز دولتانہ' مولانا عبدالستار نیازی اور چوہدری فضل الٰہی شریک ہوئے' اور اس جلسے میں غور و خوض کے بعد "لاہور" کے طلباء کو مکمل تعاون کا یقین دلایا گیا' مسٹر محمود علی قصوری نے اپنے اس تردیدی بیان میں کہا کہ خبر میں جن لیڈروں کے نام لئے گئے ہیں' ان میں سے کسی ایک نے بھی آج یا کل یا گزشتہ پیر کو میرے گھر قدم نہیں رکھا' نہ ہی اس اثنا میں یہ مذکورہ افراد اور جگہ ملے"

(تجلی دیوبند نومبر و دسمبر ۱۹۶۳ء)

مولانا مودودی اور دنیائے عرب

"صدق جدید لکھنؤ" میں مولانا حبیب ریحان ندوی بھوپالی کا ایک مکتوب شائع ہوا ہے، جس کے آغاز میں صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ "مصر" میں حفظ قرآن پر ہزاروں پونڈ صرف کئے جاتے ہیں، اور "مصر" کے سب سے عظیم قاری شیخ مصطفیٰ اسماعیل کو حکومت "مصر" نے تمغہ دے کر فن تجوید و قرات کی حوصلہ افزائی کی ہے۔۔۔اس تفصیل کے بعد لکھتے ہیں۔

"...ہم لوگ عید کے دن فضیلت الشیخ عبدالحمید الدبیانی شیخ الجامعہ (چانسلر) الاسلامیہ کو عید کی مبارک باد دینے گئے، چند رسمی جملوں کے بعد شیخ نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی خیریت پوچھی، میں نے کہا مجھے پتہ نہیں، انشاء اللہ ٹھیک ہی ہوں گے، وہ تو "پاکستان" میں رہتے ہیں، کہنے لگے وہ تو دراصل ہندوستانی ہی ہیں، یہ تقسیم تو بعد کو ہوئی ہے اور اسلامی رشتہ سب سے قوی ہے، الغرض ہم لوگ چالیس منٹ بیٹھے، جس میں سے تیس منٹ تک مولانا کی تفکیر، ان کی تالیفات، اور نقطہ نظر کی تعریف کرتے رہے، کہنے لگے ان سے بڑا مفکر اسلامی دنیا میں کوئی دوسرا نہیں، دین و دنیا کا جو جامع تصور انہوں نے پیش کیا ہے، وہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے! "نیز کمیونزم" "کیپٹل ازم" اور دوسرے اقتصادی نظاموں کے مقابلے میں انہوں نے اسلامی نظام اقتصاد کی جو شرحیں کی ہیں، وہ قانون اسلامی کے محققین کیلئے عالم عربی و اسلامی میں مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہیں، ان کی

تازہ کتاب "حرکہ تحدید النسل" برتھ کنٹرول کی تعریف کرتے رہے "پردہ" اور "سود" کی بھی تعریف کی' کہنے لگے مودودی صاحب کی تفکیر میں منطقی تسلسل ہے' اور پڑھنے والے کو وہ ایک طرف قائل بناتے ہیں' اور دوسری طرف اپنی شخصیت کا گرویدہ بھی! میں نے مودودی صاحب کو دیکھا نہیں ہے' میری سب سے بڑی تمنا ہے کہ ان (مولانا مودودی) کو ایک دفعہ دیکھ لوں' اسلامی یونیورسٹی دو دفعہ ان کو دعوت نامہ ارسال کر چکی ہے کہ وہ "لیبیا" کی زیارت کریں' لیکن کبھی وہ مصروف ہوتے ہیں اور کبھی جیل میں' اس سال بھی دعوت نامہ ارسال کیا ہے"

مولانائے محترم! شیخ کے ان جملوں سے اس قدر خوشی ہوئی کہ میں بتلا نہیں سکتا' یہ تو مجھے پہلے سے جب سے "مصر" اور عالم عربی میں آیا ہوں' یعنی سات سال سے معلوم ہے کہ مولانا مودودی کی شخصیت دنیائے اسلام میں سرزمین "عجم" کی سب سے مشہور شخصیت ہے۔ "مولانا کی پچاس اردو کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے" "مصر" کی وزارت اوقاف نے ان کی ایک کتاب ایک لاکھ کی تعداد میں چھاپی تھی' پچھلے سال "سعودی عرب" میں ان کی بعض تقریریں اور "لبنان" سے بعض پمفلٹ ہزاروں کی تعداد میں چھپے تھے۔ "لیبیا" کا ہر پڑھا لکھا آدمی مولانا کا عاشق ہے۔ اور ان کی پچاس کتابوں کا سیٹ اپنے پاس رکھتا ہے' جس دن مولانا "پاکستان" میں گرفتار ہوئے تھے تو "لیبیا" کے ریڈیو اور اخبارات نے حکومت پر سخت تنقیدیں کی تھیں' بعض طلباء نے غم کے اثر سے دو دن تک گویا خاموش اسٹرائک کی تھی' نیز "شام" ' "فلسطین" ' "اردن" "سوڈان" ہر جگہ مولانا مودودی سب سے عظیم

اسلامی کاتب کی حیثیت سے مشہور ہیں۔۔۔ لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ شیخ الجامعہ جیسے عظیم عالم کی بھی یہ رائے ہوگی، حالانکہ اس سے قبل شیخ الازہر شلتوت مرحوم کے نطق مبارک سے بھی تقریباً اسی کے مشابہ جملے سن چکا تھا۔۔۔ بہرحال مجھے انتہائی خوشی ہوئی اور میں نے خدائے پاک کے دربار میں سجدہ شکر ادا کیا، کہ اس نے مودودی صاحب کی شہرت کے ذریعہ پردیس میں ہم لوگوں کی عزت بھی رکھی۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مودودی صاحب کے افکار سے بھی میں مکمل طور پر متفق ہوں، یا یہ کہ مودودی صاحب معصوم عن الخطا ہیں، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ سرزمین "ہند" کو اس کا دس فیصدی بھی علم نہیں کہ پورے عالم اسلامی میں "ایران" سے لے کر "مراکش" تک اور "ترکی" سے لیکر "سوڈان" تک مولانا کا کیا مقام ہے؟

اور ہندوستانی و پاکستانی صحافت کو بھی میرا مشورہ ہے جس کا کام مولانا کی "تعبیری غلطیاں" پیش کرنا ہے کہ وہ کسی تعمیری کام میں اپنا وقت صرف کرے، اسلام اس کا نام نہیں کہ دوسرے کی غلطیاں نکالی جائیں، بلکہ دنیا کے سامنے مرض کی تشخیص کیجئے اور علاج پیش کیجئے، کیوں کہ مودودی صاحب نے جو مرض تشخیص اور جو علاج پیش کیا ہے "ہندوپاک" کے چند علماء کو چھوڑ کر پورے عالم اسلامی نے اس مرض کو مہلک جانا ہے اور اس علاج کو صحیح مانا ہے۔

ان بزرگوں کو کیا کہئے، جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تنقیص و تذلیل بلکہ آبروریزی کے درپے ہیں، اور مولانا موصوف کو "منشی" کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں دنیا بھی اسے صحیح تسلیم کر رہی ہے، حالانکہ ایسی اوچھی باتوں سے یہ حضرات خود اپنے وقار کو گرا رہے ہیں۔ (فاران۔ کراچی) "تجلی" دیوبند اپریل ۱۹۶۲ء

بے لاگ سچائیاں

تقلید کا مسئلہ

مخالفین نے سیاق و سباق کو علیحدہ کر کے مولانا مودودی صاحب کی عبارت حسب ذیل نقل کی ہے۔

"میرے نزدیک صاحب علم آدمی کیلئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے"

اور پھر فرمایا گیا ہے کہ گناہ سے شدید تر تو کفرو شرک ہی ہوسکتا ہے اور پھر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تک علماء کے نام شمار کراتے ہوئے معترضین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہ سب اکابر، کیا تقلید کی وجہ سے کافر اور مشرک تھے۔

اس فریب و مکاری کا پردہ چاک کرنے کیلئے، آپ ذرا رسائل و مسائل میں اسی مندرجہ بالا عبارت کے متصلاً" بعد مولانا مودودی کے یہ فقرے بھی ملاحظہ فرمائیں:

...."مگر یاد رہے کہ تحقیق کی بنا ایک خاص اسکول (مکتب فکر) کی پیروی اور چیز ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا، اور بجائے خود تقلید کی قسم کھاکر بیٹھ جانا اور چیز ہے، اور یہی موخر الذکر چیز ہے، جسے میں صحیح نہیں سمجھتا"

اب سوال یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تک کے اکابر علماء کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی علمی تحقیق کی بنا

پر نہیں کرتے رہے ہیں؟' اور کیا مفتیان کرام نے ان اکابر علماء کی ضخیم تصنیفات کو نہیں دیکھا ہے! نیز مولانا مودودی صاحب اسی کتاب "رسائل و مسائل" حصہ اول ۱۹۰ میں لکھتے ہیں کہ:

"ائمہ مجتہدین کی پیروی اس بنا پر کہ انہوں نے کتاب و سنت کے احکام کی وضاحت و تشریح کی ہے' بالکل درست ہے اور اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے' البتہ اگر ایک شخص ان کو بذات خود آمرو ناہی سمجھے اور ان کو مطلع حقیقی سمجھے تو یہ بلاشبہ شرک ہوگا" (نقل بالمعنی)

اب حضرات مفتیان کرام ہی بتائیں کہ کیا وہ دنیا میں کسی ایسے عالم کی نشاندہی کرسکتے ہیں جو ائمہ مجتہدین کو بذات خود آمرو ناہی سمجھتا ہو' اگر نہیں کرسکتے اور یقیناً نہیں کرسکتے' تو اکابر علماء کی ایک فہرست لکھ کر مرتب کرنا فریب نہیں تو کیا ہے؟ نیز فقہائے مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے متعلق مولانا مودودی کے خیالات معلوم کرنے ہوں تو رسالہ "دینیات" میں سے فقہ کی بحث اور "اسلامی قانون" اور "سود" کو پڑھ لیجئے۔

مولانا مودودی کا مسلک

مخالفین نے مولانا مودودی صاحب کی حسب ذیل عبارت بھی سیاق و سباق سے علیحدہ کرکے نقل کی ہے۔

"میں نہ مسلک اہلحدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت و شافعیت کا پابند ہوں!"

اور اس نقل کردہ عبارت پر اعتراض کرکے کہا گیا ہے کہ "مودودی

صاحب پس پردہ ایک مستقل فرقہ کھڑا کرنے کیلئے زمین ہموار کر رہے ہیں!"

اس الزام کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے آپ مولانا مودودی صاحب کے حسب ذیل اقتباسات کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"میں نے مذہب حنفی کے مفتی بہ اقوال کے خلاف جب کوئی رائے ظاہر کی ہے وہ فتویٰ کی حیثیت سے نہیں کی ہے' بلکہ ایک تجویز کی حیثیت سے کی ہے' تاکہ وقت کے جلیل القدر علماء اس پر غور کریں اور اگر ضرورت محسوس کریں تو فتوے میں تغیر کریں' اور ایسا کرنا میرے نزدیک حنفیت کے خلاف نہیں ہے' اس کے دلائل میں اپنی کتاب "حقوق الزوجین" میں بیان کر چکا ہوں...." (۱)

نیز مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں:

"جن مسائل میں مجھے تحقیق کا موقع نہیں ملتا' ان میں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی پیروی کرتا ہوں' کیونکہ اکثر مسائل میں میں نے ان کے مسلک کو اپنے اصلی امام نبی ﷺ کے قول و فعل کے زیادہ مطابق پایا ہے" (۲)

مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ:

میں خود حنفی طریقہ پر نماز پڑھتا ہوں۔

نیز مولانا مودودی صاحب نے ستمبر ۱۹۶۳ء کے آخر میں "بنوں" میں میرے روبرو ایک بڑے مجمع کے سامنے خود تشریح کی کہ

(۱) (رسائل مسائل حصہ دوم ۵۶۱) (۲) (رسائل مسائل حصہ دوم)

"میں نوے فیصدی بلکہ پچانوے فیصدی مسائل میں فقہ حنفی کی پیروی کرتا ہوں"

ان تمام بیانات کو دیکھنے کے بعد جو حقیقت واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب اکثر و بیشتر مسائل میں علمی تحقیق کی بنا پر فقہ حنفی کی پیروی کرتے ہیں اور جن مسائل میں ان کو تحقیق کا موقعہ نہیں ملتا ان میں بھی وہ امام ابو حنیفہ ؒ کی پیروی کرتے ہیں' البتہ بعض مسائل میں انہوں نے امام ابو حنیفہ ؒ کے مسلک کے بجائے' دیگر تین اماموں کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔

اب میں مفتیان کرام سے پوچھتا ہوں کہ وہ کون سا محقق عالم ہے جس نے تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ ؒ کی پیروی کی ہو' کیا شاہ ولی اللہ صاحب ؒ نے اپنی کتابوں میں فقہ حنفی کے متعدد مسائل سے اختلاف نہیں کیا ہے؟ کیا شیخ ابن الہمام نے "فتح القدیر شرح ہدایہ" میں نکاح موقت کو صحیح اور شرط توقیت کو باطل قرار نہیں دیا ہے' اور اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ ؒ کے قول کو چھوڑ کر انہوں نے "امام زفر" کے قول کو ترجیح نہیں دی ہے؟ اور کیا انہوں نے اسی کتاب میں "بیع فاسد" کی بحث میں حنفیہ کے اصول افعال حسیہ اور شرعیہ سے نہی کے متعلق تنقید نہیں کی ہے؟ اور کیا شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب ؒ نے "حدیث المبیعان بالخیار مالم تنفرقا" کی تشریح کرتے ہوئے امام شافعی ؒ کی رائے کو ترجیح نہیں دی ہے؟ ملاحظہ ہو "التقریر" الترمذی' اور کیا مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی نے "شرح الوقایہ" کے حاشیہ میں متعدد مسائل میں مسلک حنفی کو مرجوع نہیں ٹھہرایا ہے ۔۔۔ اور کیا مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے متعدد مسائل میں فقہ مالکی پر فتویٰ نہیں دیا ہے؟ ملاحظہ ہو الحیلۃ الناجزۃ فی الحیلۃ العاجزۃ' اور کیا مولانا

حسین احمد صاحب ﷫ نے اس رسالے کی تائید نہیں کی ہے؟

اب مفتیان کرام بتائیں کہ کیا ان سب علمائے کرام کے خلاف بھی وہ یہ فتویٰ دیں گے کہ وہ دین میں ایک نیا فرقہ پیدا کر رہے ہیں؟ اور اگر نہیں دے سکتے اور یقیناً نہیں دے سکتے' تو اسی کام کی بنا پر مولانا مودودی صاحب کے خلاف اس قسم کے الزامات کی کیا گنجائش ہے؟

ایک عجیب الزام

مولانا مودودی صاحب کی کتاب "رسائل و مسائل" حصہ اول سے حسب ذیل عبارت نقل کی گئی ہے۔

"مجرد حدیث پر کسی ایسی چیز کی بنا نہیں رکھی جا سکتی ہے جسے مدار کفر و ایمان قرار دیا جائے' احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ علم یقین!"

نیز "تفہیمات" حصہ اول سے حسب ذیل عبارت بھی نقل کی گئی ہے:

"ان تمام حیثیات سے رواۃ کے احوال کی جانچ پڑتال کر کے محدثین نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا' جو بلاشبہ نہایت بیش قیمت ہے مگر ان میں سے کون سی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو!"

ان عبارتوں کے نقل کرنے کے بعد مولانا مودودی صاحب کو منکر

پرویز کا ہمنوا قرار دے کر منکر حدیث ٹھہرایا گیا ہے لیکن مولانا مودودی صاحب کی پہلی عبارت خصوصاً خط کشیدہ فقروں پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہاں پر وہ احادیث جو زیر بحث ہیں وہ "اخبار احاد ہیں"' سوال یہ ہے کہ کیا' "اخبار احاد" کو مدار کفرو ایمان قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور کیا "خبر واحد" سے گمان صحت کی بجائے علم یقینی حاصل ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں مولانا مودودی صاحب کے ایک اور قول کو ملاحظہ کرنا چاہئے۔

> "جو احادیث محدثین کے مسلمہ شرائط تواتر کے معیار پر پوری اترتی ہیں وہ تو ناقابل انکار حجت ہیں' لیکن غیر متواتر احادیث احکام کا ماخذ تو بن سکتی ہیں۔ لیکن ایمانیات کا ماخذ نہیں بن سکتیں" (۱)

اب مفتیان کرام بتائیں کہ کیا فقہائے حنفیہ کے نزدیک "اخبار احاد" مفید غلبہ ظن نہیں ہیں؟ اور کیا "احکام اعتقادیہ" کا ثبوت "اخبار احاد" کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے؟ (۲)

تعجب ہے کہ حضرات مفتیان کرام نے "تفہیمات حصہ اول" کی پوری کتاب کو نظر انداز کر دیا ہے' جس کی نصف آخر پوری کی پوری منکرین حدیث کی تردید میں ہے' اور سیاق و سباق سے چند فقروں کو علیحدہ کر کے مولانا مودودی صاحب پر اتنا بڑا الزام عائد کیا گیا ہے' کیا انہوں نے "ترجمان القرآن" کا "منصب رسالت نمبر" بھی نہیں دیکھا؟ معلوم نہیں کہ اس قسم کے

---

(۱) (رسائل و مسائل حصہ اول ۲۱۷) (۲) واضح رہے کہ حدیث کی دینی حیثیت کے بارے میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی اور مولانا مودودی کے خیالات بالکل یکساں ہیں۔ علی مظہر نقوی

الزامات عائد کر کے یہ حضرات ملک و ملت کو کیا فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں' نیز ان حضرات سے میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ "اسماء الرجال" اور فن جرح و تعدیل کی کتابوں خصوصاً" امام بیہقی کی حنفیہ کے متمسک روایات پر جرح اور اس کے مقابلے میں علامہ ترکمانی کی کتاب "الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی" کا مطالعہ کر کے بتائیں کہ ان میں اگر غلطی و خطا کا احتمال نہیں ہے تو ائمہ جرح و تعدیل کے اختلافات کو وہ کہاں لے جائیں گے؟

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سربجیب ' ایک کلیم سربکف

"تجلی" دیو بند فروری' مارچ ۱۹۶۲ء

ہزار سوالوں کا ایک سوال

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جو بہ قول ایک دوست کے اپنے وقت کے گویا جمال الدین افغانی ہیں۔ ان کی ایک بڑی قابل قدر و فکر انگیز زیر طبع تصنیف ہے۔

"درخت اگر اپنے طبعی نظام سے نشوونما پائے' تو وہ اپنے برگ و بار ضرور پیدا کرے گا اور وقت پر پھل لائے گا۔ انسانوں کو اس کا اختیار ہے کہ درخت نہ لگائیں یا اس کو پانی نہ دیں یا جب تیار ہو تو اس کی ہستی کو ختم کر دیں۔ مگر اس کا اختیار نہیں کہ ایک توانا و تندرست اور سرسبز و شاداب درخت کو اپنے نوعی وجود و شخصیت کے اظہار اور وقت پر پھل پھول لانے سے روک سکیں۔

یہی معاملہ مغربی نظام تعلیم کا ہے کہ وہ اپنی ایک روح اور اپنا ایک منفرد ضمیر رکھتا ہے۔ جو اپنے مصنفین و مرتبین کے عقیدہ و ذہنیت کا عکس' ہزاروں سال کے طبعی ارتقا کا نتیجہ' اہل مغرب کے مسلمہ افکار و اقدار کا مجموعہ' اور ان کی تعبیر ہے۔ یہ نظام تعلیم جب کسی اسلامی ملک یا مسلمان سوسائٹی میں نافذ کیا جائے گا اس سے ابتداً ذہنی کشمکش پھر اعتقادی تزلزل پھر ذہنی اور بعد میں (الاماشاءاللہ) دینی ارتداد قدرتی ہے.... اس بنا پر آج عالم اسلام میں دو ذہنوں' دو فلسفوں' دو معیاروں' دو رخوں کے درمیان جو کشمکش برپا ہے اور جو عام طور پر فتح ہوتی ہے زیادہ طاقتور مسلح' صاحب اختیار و اقتدار گروہ کی کامیابی پر' بالکل قدرتی ہے وہ اگر ہے تو خواہ کتنے ہی تاسف کی بات ہو' پر تعجب کی بات نہیں' تعجب اس وقت ہوتا جب یہ کشمکش اور یہ محدود مغربیت کا

رجحان نہ پایا جاتا (الفرقان اکتوبر ۴۷-۳۴)

تشخیص کے صحیح اور سو فیصدی صحیح ہونے میں شک نہیں۔ یہ کوئی فلسفہ نہیں دقیق نظریہ نہیں' سامنے کا صاف و صریح واقعہ ہے۔ مشکل سوال اس صحیح تشخیص کے بعد صحیح علاج کا ہے یہاں پہنچ کر مولانا فرماتے ہیں۔

"اس کا علاج (خواہ وہ کتنا ہی مشکل اور کتنا ہی دیر طلب ہو' اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نظام تعلیم کو از سرنو ڈھالا جائے' اس کو مسلمان اقوام کے عقائد و مسلمات اور مقاصد و ضروریات کے مطابق بنایا جائے' اس کے تمام علوم و مضامین سے مادہ پرستی' خدا بیزاری' اخلاقی و روحانی اقدار سے بغاوت' اور جسم پرستی کی روح نکال کر اس میں خدا پرستی' خدا طلبی' آخرت کوشی' تقویٰ شعاری اور انسانیت کی روح پیدا کی جائے' زبان و ادب سے لے کر فلسفہ و نفسیات تک' اور علوم عمرانیہ سے لے کر معاشیات و سیاسیات تک سب کو ایک نئے سانچہ میں ڈھالا جائے' مغرب کے ذہنی تسلط کو دور کیا جائے' اس کی معصومیت و امامت کا انکار کیا جائے' اس کے علوم و نظریات کو آزادانہ تنقید اور جرأتمندانہ تشریح (پوسٹ مارٹم) کا موضوع قرار دیا جائے۔ مغرب کی سیادت و بالا سری سے عالم انسانی کو جو عظیم الشان نقصانات پہنچے' ان کی نشاندہی کی جائے' اہل مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے علوم و فنون کو پڑھا جائے' اس کے علوم و تجارب کو خام مواد فرض کر کے' اپنی

ضرورت اور اپنے قد و قامت اور اپنے عقیدہ و معاشرت
کے مطابق اس سے سامان تیار کیا جائے (۳۵)

لیکن۔ مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات!

یہی تو اصل سوال ہے کہ یہ سارا کام پیمبرانہ ہمت و استقامت والا آخر کرے کون ؟ یہ کس کے بس کی بات ہے؟ ہماری انجمنیں اور ہمارے ادارے، سب مل کر بھی اتنی سکت رکھتے یا رکھ سکتے ہیں؟ بھلا پورا کوہستان ہمالیہ، کیا ہمارے آپ کے دو چار مقالوں اور دس بیس تقریروں سے اپنی جگہ سے ٹل جائے گا؟ ۔۔۔ ساری جماعتوں میں لے دیکر ایک "جماعت اسلامی" ایسی ہو سکتی تھی، جو اتنا بڑا اقدام کرنے کا حوصلہ کر سکتی تھی، لیکن "پاکستان" میں اس کا رخ تمامتر حکومت سے ٹکر لینے کی طرف مڑ گیا ہے، "مصر" و "انڈونیشیا" وغیرہ میں جو اس کے مماثل جماعتیں تھیں، ان کی بھی کسی کار گزاری کی خبر عرصہ دراز سے سننے میں نہیں آئی، اور کسی غیر مسلم ملک (مثلا ہندوستان) میں تو اس عظیم الشان پیمانہ پر فکری جہاد کرنے کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ گاڑی یہیں پر آکر اٹک جاتی ہے۔ خدا کرے مولانا نے اس کا کوئی قابل عمل حل کتاب کے کسی حصہ میں پیش کیا ہو۔ یہ ایک مسئلہ تو راس المسائل ہے اور یہی ہے ایک، ہزاروں سوالوں کا ایک سوال۔ (صدق جدید ۸ نومبر ۶۳ء)

تجلی :

دونوں ہی شیوخ محترم کو اس پر کلی اتفاق ہے، کہ آج عالم اسلام میں ذہنی کشمکش سے لیکر فکری ارتداد تک جو کچھ ہو رہا ہے، وہ مغربی نظام تعلیم کا لازمی اور ناگزیر ثمرہ ہے، یہ نظام ہر حال میں اپنے برگ و بار پیدا کر کے رہے گا

اس کے زیر سایہ اعتقادات متزلزل ہوکر رہیں گے، دین بیزاری کی فصل بہار لہلہا کر رہے گی، الحاد وارتداد سر اٹھا کر رہے گا، اس نظام کو بدلے بغیر اور اسے از سرنو دوسری ہی قدروں اور اصولوں پر استوار کئے بدون، ممکن ہی نہیں ہے کہ مذہب سے انحراف اور دین واخلاق سے بغاوت کے جذبے دب جائیں، خدا پرستی اور آخرت کوشی کی فضا پیدا ہی نہیں ہو سکتی، جب تک مغربی نظام تعلیم کا پھیلتا امنڈتا سیلاب، ہماری بستیوں میں دندناتا پھر رہا ہے۔

یہ ہے وہ نقطہ جس پر دونوں شیوخ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا عبدالماجد دریا بادی متفق ہیں، نہ صرف متفق ہیں بلکہ بقول مولانا دریا بادی یہ "محوری مسئلہ رأس المسائل" ہے، اس سے بڑھ کر کسی بھی اور شئے کی اہمیت نہیں، اور ممدوح اس کا بھی پورا احساس رکھتے ہیں کہ اس نامسعود نظام تعلیم کو توڑ پھوڑ کر اس کی جگہ مطلوبہ نظام تعلیم لانا اتنا دشوار اور مہتم بالشان کام ہے، کہ ہماری ساری انجمنیں اور ادارے مل کر بھی اس کو انجام دینے کی سکت نہیں رکھتے۔۔۔ نہیں رکھ سکتے، ہاں تنہا "جماعت اسلامی" کو انہوں نے اس کا اہل سمجھا۔۔ مگر اسی آن وہ ایک ایسا موڑ بھی لے گئے، جس کی معنویت خود وہی بتائیں تو بتائیں ہماری چھوٹی سی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکی ہے۔

کسی بھی ملک میں کوئی بھی نظام تعلیم آسمان سے نہیں برستا، اسے وہاں کی حکمران ٹیم ہی تیار کرتی ہے، یا اگر وہ پہلے سے تیار شدہ ہے تو اس کے نفاذ یا رد اور اس میں ترمیم یا اضافے کا اختیار بھی اسی ٹیم کو ہوتا ہے، ملک کے باشندے تو بس اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ ان میں سے جن افراد کو اس نظام تعلیم سے اختلاف ہو، وہ اپنے بچوں کو ان پڑھ رہنے دیں، یا پھر اپنی الگ درسگاہیں بنائیں، الگ درسگاہیں بنانا ناممکن تو نہیں ہے لیکن حکومت کے نافذ کردہ ملک گیر

نظام تعلیم کے مقابلے میں اس کی حیثیت وہی ہوگی' جو توپ کے آگے چوبی ڈھال کی ہو سکتی ہے' خصوصاً" ایسے دور میں جبکہ سائنس کی ترقی نے حکمراں پارٹی کے نافذ کردہ فاسد و مہلک نظام کے زہریلی اثرات کو کوچہ کوچہ اور گھر گھر عام کردینے کیلئے نئے نئے آلات و وسائل مہیا کردیئے ہیں' کوئی بھی معتدبہ نتیجہ چند یتیم و یسیر درسگاہوں سے نہیں نکل سکتا' چاہے ان میں فرشتوں ہی کا بنایا ہوا نظام تعلیم کیوں نہ جاری کردیا جائے۔

پھر آخر نافذ و مسلط مغربی نظام تعلیم کو از سرنو مطلوبہ سانچے میں ڈھالنے اور سارے ملک میں نافذ کرنے کی واحد سبیل اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ اس مقصد عظمیٰ کو حاصل کرنے کیلئے عزم و حکمت کے ساتھ آگے بڑھا جائے اور اس حکمران ٹیم کو مسند اقتدار سے اتارنے کی جدوجہد کی جائے' جو مقصد کی راہ میں کوہ گراں کی طرح حائل ہے۔

احساس مولانا دریابادی کو بھی ہے کہ معاشرے کی روز افزوں بے دینی اور خدا فراموشی کا جو علاج مولانا علی میاں نے واحد علاج قرار دیا ہے' وہ ان عظیم وسائل و ذرائع کے بغیر مہیا نہیں ہو سکتا' جن پر آج کل حکومتوں ہی کا مکمل قبضہ ایک امر مسلم بن چکا ہے' اسی لئے وہ صاف صاف یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری ساری انجمنیں اور ادارے مل کر بھی اس علاج کو مہیا کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔۔۔ نہ صرف نہیں رکھتے بلکہ رکھ ہی نہیں سکتے' اور اسی کے ساتھ دفعتاً" ان کا ذہن "جماعت اسلامی" کیلئے اس "سکت" کا امکان تسلیم کرلیتا ہے۔ کیوں؟ کیا "جماعت اسلامی" بڑی دولت مند جماعت ہے' کہ روپے کے زور سے ملک بھر میں نئی درسگاہیں اور نیا نظام تعلیم پھیلادے گی' یا اس کے پاس کوئی جادو کا ڈنڈا ہے جس سے کام لے کر وہ مغربی نظام تعلیم کو مسلط رکھنے

والوں کی فولادی مزاحمتوں کو پھونکوں سے اڑاتے ہوئے' ایسے تمام ہفت خواں طے کرلے گی' جن کی لفظی تصویر مولانا علی میاں نے کھینچی ہے۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بات نہیں' بات ہے تو صرف یہ ہے کہ مولانا دریا بادی کا نارمل ذہن دوسری تمام جماعتوں اور اداروں کے بالمقابل تنہا "جماعت اسلامی" ہی کی فکر' انداز نظر اور سمت سفر کو منزل مطلوب تک پہنچنے کا وسیلہ تسلیم کرچکا ہے' مگر سیاست سے چڑھ اور وضع داری کے تقاضے انہیں "اگر مگر" کی راہ پر کھینچ لے جاتے ہیں' یہ بات نہ ہوتی تو آخر کیسے ایک ہی سانس میں وہ "جماعت اسلامی" کو دوسری ہر جماعت پر کھلی برتری بھی عطا کردیتے' اور ساتھ ہی "لیکن" کہہ کر اس بنیاد کو بھی ڈھادیتے' جس پر یہ برتری کی دیوار اٹھی تھی' ہم بڑے ادب اور عاجزی سے دونوں ہی بزرگوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ جو مقتدر گروہ مغربی افکار و اقدار کے ایک ایجنٹ یا ایک ذہنی تابع کی حیثیت سے مغربی نظام تعلیم کو اس کے مقتضیات و مطالبات سمیت کسی ملک میں نافذ و رائج کئے ہوئے ہے' اسے بدلنے کی کوشش کرنا اور اس کی جگہ ایسے گروہ کو لانے کی پرامن راہیں ڈھونڈنا' جو مطلوبہ نظام تعلیم کیلئے اپنا بھرپور تعاون دے سکے' اگر غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہے؟ ہمیں بتایئے نظام تعلیم میں جس بنیادی اور عظیم الشان انقلاب کے آپ اس درجہ طالب ہیں' کہ اسے ہی سب سے اہم مسئلہ بلکہ "راس المسائل" قرار دیتے ہیں' وہ آخر گئے گزرے درجے میں بھی کیسے ظہور میں آسکتا ہے' اگر طاقت' سرمایہ اور جملہ وسائل مغربی نظام تعلیم کے عشاق دبائے بیٹھے ہوں۔

خیال و خواب کی دنیا الگ ہے کہانی کے کردار طوفان میں بند باندھنے کے خواب دیکھتے رہے' اور قسمت ہنستی رہی۔ ہم بھی خوابوں سے کھیل رہے

ہیں 'اور تقدیر ہنس رہی ہے 'فکری جہاد جب تک "بدر واحد" کے میدانوں میں لوہے اور خون کی چولی نہ پہن لیتے بیت اللہ سے تین سو ساٹھ بت نہیں اٹھ سکتے تھے 'لطف یہ ہے کہ مولانا دریا بادی کوئی حل بھی پیش نہیں کرتے۔ معترف ہیں کہ میری قوت فیصلہ کی گاڑی اٹک گئی 'لیکن پاکستانی ' "جماعت اسلامی" کی یہ کوشش بہر حال ان کی نظر میں معیوب ہے کہ وہ پمپنگ اسٹیشن سے طوفان سازوں کو ہٹانا چاہتی ہے اور چاہتی ہے کہ مغربی افکار و اقدار کو سیلابی انداز میں درآمد کرنے والی مشینوں کے منہ پھیر دے۔

طنز کے نشتر کو تحلیل الفاظ کے غلاف میں لپیٹ کر جو سوال مولانا نے محترم علی میاں سے کیا ہے 'اس میں ہم بھی ان کے شریک ہیں 'مگر ہمیں ان جیسی سخن طرازی کا سلیقہ نہیں 'ہم تو دہقانوں کی طرح یہی پوچھ سکتے ہیں کہ مولانا!

بلی کے گلے میں گھنٹی کون ڈالے؟

واحد علاج کے طور پر مولانا علی میاں نے اپنی رواں دواں عبارت میں جو مہتم بالشان کام پیش کیا ہے 'اس کی دشواری کا احساس مولانا دریا بادی نے بڑی عمدگی سے کیا 'ان کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں کہ۔

"پورا کوہستان ہمالیہ کیا ہمارے آپ کے دو چار مقالوں
اور دس بیس تقریروں سے اپنی جگہ سے ٹل جائے گا"

لیکن جب پاکستان کی "جماعت اسلامی" اس "کوہستان" کو ہلانے اور اس کی جگہ مطلوبہ "کوہ طور" نصب کرنے کی خاطر تقریر و تحریر سے گزر کر تیشہ و تبر تک پہنچتی ہے تو وہی چلا اٹھتے ہیں کہ مودودی صاحب تو عالم سے لیڈر بن گئے اور تسبیح پڑھتے پڑھتے ووٹ مانگنے لگے 'پھر کیا پھونکوں سے یا جادو کے زور سے یہ "کوہستان" سر کے گا؟

کتنی مقدس تمنا ہے کہ

"خدا کرے مولانا نے اس کا کوئی قابل عمل حل کتاب کے کسی حصہ میں پیش کیا ہو"

لیکن تمناؤں سے تقدیریں نہیں پلٹا کرتیں' اگر دنیا کے سب سے بڑے انسان اور خدا کے سب سے بڑے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن بھی سیاست و حکومت کی راہوں سے گزرے بغیر تکمیل کو نہیں پہنچا' تو نوٹ کیجئے کہ ہزار شیوہ بیان ادیب ' دو ہزار خطیب و واعظ ' دس ہزار مفکر و مدبر بھی سیاست و حکومت کی وادیوں سے گزرے بغیر الحاد و زندقہ اور خدا بیزاری و اخلاق دشمنی کے اس سیل تند و تیز پر بند نہیں باندھ سکتے' جو آچکا ہے' جو بڑھ رہا ہے' جو اور بڑھے گا' پیغمبر کا دور تو پھر ایسا دور تھا کہ طاقت کے خزانے اور وسائل کے ڈھیر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹے ہوئے تھے ' ہر بستی ایک مستقل دنیا تھی' ایک سیر علم سے ہزار من بدی پیدا کرنے کی سائنس لوگوں کے ہاتھ نہیں آئی تھی' فقط چار انگل چوڑی تلوار سے جنگوں کے فیصلے ہو جایا کرتے تھے' لیکن آج پورے ملک کے تمام وسائل اور خزانے ایک ہی گروہ کے ہاتھ میں سمٹ آئے ہیں' آج ریڈیو ' سینما اور ٹیلیویژن جیسی ایجادوں کے ذریعے عوام کے دل و دماغ تک پر مقتدر گروہوں کا قبضہ ہے' آج دس ایمان افروز خطبوں اور وعظوں کے اثرات کو دل و دماغ سے اچک لے جانے کیلئے ایک فلم' ایک رسالہ' ایک کلچرل شو' ایک ریڈیو بہت کافی ہے۔

لیکن ہمارے بزرگوں کو پھر بھی یہی ضد ہے' کہ اللہ والوں کو سیاست سے واسطہ نہیں رکھنا چاہئے!

"تجلی" دیو بند نومبر۔ دسمبر ۱۹۶۳ء

دین میں سیاست کا مقام
(ایک طویل خط کی تلخیص)

سوال از: محمد عرفان "کراچی" عقیدے کی حیثیت میں یہ بات بہت مشہور ہے، کہ "اسلام" دین و سیاست کی تفریق کا روادار نہیں، لیکن اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب اور کوئی واضح مفہوم، میں شاید اپنے علم و فہم کی کوتاہی کے باعث نہیں سمجھ پایا ہوں، کئی طرح کی الجھنیں ذہن میں پیدا ہوتی ہیں، مثلاً یہ کہ جن اعمال پر اصطلاحاً" عبادت کا اطلاق ہوتا ہے وہ،--- اور جن سرگرمیوں کو سیاسی سرگرمیاں کہا جاتا ہے وہ، ایک دوسرے سے صریحاً جدا اور الگ الگ ہیں، تو کیا دین و سیاست کے ایک ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بھی عبادت کامل نہیں، جب تک عبادت کرنیوالا سیاست میں بھی حصہ نہ لے؟

یا مثلاً یہ کہ اکثر و بیشتر علماء زبان سے چاہے اس عقیدے کی صریح تردید نہ کریں، لیکن نیم صریح الفاظ میں وہ سیاست کو دین سے جدا ہی قرار دیتے ہیں، اور ان کا عمل زبان حال سے پکار پکار کر کہتا ہے، کہ تمام دین فقط عبادات یا زیادہ سے زیادہ چند معاشرتی اصلاحات تک محدود ہے؟ سیاست کو نہ صرف یہ کہ دین میں کوئی اہم مقام حاصل نہیں، بلکہ وہ دنیاداری کا شغل ہے اور ارباب تقویٰ کو اس کے سائے تک سے دور رہنا چاہیے۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جن زمانوں میں سیاست اور اقتدار کی باگ ڈور اسلام کے ہاتھوں میں نہیں رہی، بلکہ طاغوتی قوانین کا سکہ جاری رہا ان زمانوں میں بھی بڑے بڑے صلحاء و شیوخ منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے،

اور ان میں سے اکثر ایسے تھے جنہوں نے سیاست سے کوئی واسطہ نہیں رکھا' تو کیا ان کی ذاتی عظمت کو اس لئے ناقص اور داغدار قرار دیا جائے گا کہ وہ سیاست سے کنارہ کش رہے' یا ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب اسلام سیاسی رخ سے مردہ یا نیم مردہ تھا۔

براہ کرم آپ قدرے تفصیل سے واضح فرمائیں کہ سیاست کا مقام دین میں آخر ہے کیا؟ اور اس موضوع پر غور و فکر کا کونسا رخ اسلام کی روح سے مطابقت رکھتا ہے؟۔۔۔ ایک میں ہی نہیں بیشمار اور لوگ بھی۔۔۔ جو عقیدتاً دین اور سیاست کو ایک ہی خانے میں رکھتے ہیں' واضح طور پر یہ ادراک نہیں رکھتے' کہ دین اور سیاست کے باہمی روابط کس قسم کے ہیں؟۔

جواب :

ہمارا خیال یہ ہے کہ دین اور سیاست کے ربط کو تسبیح کی مثال سے سمجھنا چاہئے' تسبیح دو چیزوں سے بنتی ہے' دانے اور دھاگہ' دانے خواہ لکڑی کے ہوں یا شیشے یا کسی بھی شے کے' وہ بہرحال دھاگے سے جدا وجود رکھتے ہیں' ان کی ساخت' ان کے اجزائے ترکیبی' ان کی شکل و ہیئت' ان کا سب کچھ دھاگے سے بالکل الگ ہے' پھر بھی یہ دھاگہ ان کے نظم و انضباط اور شیرازہ بندی کیلئے اتنی ناگزیر اہمیت رکھتا ہے' کہ یہ نہ ہو تو دانے اپنے مقصد وجود سے عاری ہو جائیں' اور تسبیح نام کی کوئی چیز وجود ہی میں نہ آئے۔

اسی طرح اصطلاحی عبادات اپنا ایک مستقل وجود' ایک جداگانہ حیثیت' ایک انفرادی ہیولیٰ اور تشخص رکھتی ہیں' وہ اپنی ذاتی حیثیت میں کسی اور شے کی محتاج نہیں' لیکن ان کے مطلوبہ نظم و انضباط' شیرازہ بندی اور اثر

آفرینی کیلئے اسلامی سیاست کا رشتہ مستقیم قطعی طور پر ضروری ہے۔ ایک مربوط و منظم ملت کا وجود ہی متصور نہیں' اگر سیاست کی ڈور نے اس کے افراد کو ایک دوسرے سے مربوط و منسلک نہیں کیا ہے' "تسبیح" کا ڈورا اگر ٹوٹ جائے اور دانے بکھر جائیں' یا ڈورا سرے سے پرویا ہی نہ جائے' تو مادی سطح پر ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ دانوں کی ذاتی حیثیت میں کوئی نقص آگیا' دانے تو وہی دانے رہیں گے جو وہ ہیں' اور ان کی ساخت یا اجزاء ترکیبی یا صورت و ہیئت میں شمہ برابر فرق واقع نہ ہوگا' لیکن یہ ضرور کہا جائے گا کہ وہ اپنے مقصد وجود کو پورا کرنے سے عاری رہے' ان میں وہ انضباط پیدا نہ ہوسکا جو اپنی ہیئت کے تعلق سے "تسبیح" کہلاتا ہے' ان سراسر غیر منظم اور تتر بتر دانوں کو ہوا کا ایک جھونکا اور ہلکا سا ایک دھچکہ بھی جس رخ چاہے الٹ پلٹ دے گا۔

اسی طرح سیاسی اثر و قوت سے محروم ہونے کی صورت میں کسی بھی مصطلحہ عبادت' مثلاً نماز' روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے بارے میں یہ تو ہرگز نہیں کہا جاسکتا' کہ ان میں بالذات کوئی نقص پیدا ہوگیا۔ لیکن یہ ضرور کہا جائے گا' کہ ان کی مثال بے دھاگے کے دانوں جیسی ہے جو بنائے تو اس لئے گئے تھے کہ انہیں ایک رشتے میں پرو کر "تسبیح" کی شکل دی جائے' لیکن رشتے سے محروم ہونے کے باعث ان کا مصرف کچھ بھی نہ رہا' زیادہ سے زیادہ آپ یہ کرسکتے ہیں کہ چنے کے دانوں یا کھجور کی گٹھلیوں کی طرح انہیں وظیفہ خوانی میں استعمال کرلیں' لیکن اس سے ان کا مقصد وجود تو پورا نہ ہوا' اور صنعت گری تو ضائع ہو ہی گئی۔

اب غور اس پر کیجئے کہ خود "ملت مسلمہ" کا مقصد وجود آخر ہے کیا؟

ہم نے تو علم و فہم کی ساری صلاحیتیں صرف کر کے مقصد وجود یہ سمجھا ہے کہ وہ خدائے کائنات کے ایک منظم لشکر کی حیثیت سے طاغوتی قوتوں کے ساتھ مسلسل جنگ پر مامور ہے' وہ اعلائے کلمۃ الحق کی ایک مجسم تحریک ہے' اس کا بنیادی وظیفہ حیات یہ ہے کہ انسانی معاشرے کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی غیر منقطع جدوجہد جاری رکھے' وہ یہ سمجھ کر جئے کہ اسے دنیا میں ایک مزدور کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے' جسے اپنا تمام وقت اور قوت و صلاحیت امربالمعروف اور نہی عن المنکر میں صرف کردینی ہے' اس کے اوقات کار دن میں صرف آٹھ یا دس گھنٹے نہیں ہیں' بلکہ یہ پوری زندگی ہی اس کیلئے کام کا وقت ہے اور وہ کسی بھی سانس اپنی ڈیوٹی سے بری الذمہ نہیں۔

کہنے کو ایک پرامن وعظ' ایک لچھے دار خطبے اور ارشاد و تبلیغ کے ایک رسمی پروگرام سے بھی امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے سطحی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں' لیکن جو لوگ ایحسب الانسان ان یترک سدًی "کیا آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا جائیگا"۔ جیسی قرآنی تنبیہات اور ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جٰھدوا منکم ویعلم الصابرین۔

ترجمہ۔ "کیا تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ بس یونہی آسانی سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے' حالانکہ ابھی یہ امتحان تو تم نے دیا ہی نہیں کہ کون تم میں مجاہد ہے اور کس حد تک سختیوں اور مصیبتوں مین ثابت قدم رہ سکتا ہے"۔ کیا ہم ایسی آیات بلیغہ کو بھلا نہیں چکے ہیں' اور بھلا دینے کے بعد کیسے توقع کر سکتے ہیں' کہ ہم اپنی ڈیوٹی اور اپنے فرائض سے غفلت برت کر بھی آرام سے اخروی نعمتوں کے مستحق قرار پا جائیں گے' اور اسلام کو غالب و نافذ

کرنے کی جدوجہد سے جان چرا کر بھی ہمیں جنت ہاتھوں ہاتھ لے گی۔

سیاست آج کل کے مفہوم میں تو ایک بازی گری' ایک حرص و ہوا کا کھیل' ایک گھناؤنا شغل اور ایک آلہ ظلم و استبداد بن کر رہ گئی ہے' لیکن اسلامی سیاست حقیقت میں ایک زبردست مجاہدہ' ایک سخت ترین آزمائش اور ایک انتہائی صبر آزما فریضہ ہے' جو دعوۂ ایمان کو زہرہ گداز عمل جراحی سے گزارتا ہے' اس کی بھٹی میں مومن کا پورا وجود پگھلتا ہے' اور کھوٹ کے چھوٹے سے چھوٹے خورد بینی ذرات بھی ایمان کے کندن سے الگ نظر آتے ہیں' حب جاہ خدا کی پناہ! یہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط بڑی دشوار گزار ہے' لیکن ذرا تاریخ کے غرفے سے جھانک کر دیکھو' قلوب انسانی کا سب سے بڑا فاتح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بے مثال ساتھی ﷺ کس بے جگری اور کمال ایمان کے ساتھ اس پل صراط کو طے کر گئے ہیں اسلام ہم سے یہی تقاضا کرتا ہے کہ "امت مسلمہ" کو اگر تسبیح کی شکل دینی ہے' اس کے مقصد وجود کو پورا کرنا ہے تو فقط مسجد و خانقاہ کے نہاں خانوں میں سکڑے رہنے سے کام نہیں چلے گا' حقیقی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کٹھن راہ آویزش پیہم کی خار دار جھاڑیوں اور جراحتوں کی بے آب و گیاہ چٹانوں سے ہو کر گذرتی ہے۔ اس راہ کے شدائد سے گھبرا کر تو انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھی رضوان اللہ علیہم تک پکار اٹھتے ہیں' کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ

کیا تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ آرام سے داخل جنت
ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر وہ ابتلائیں نہیں گزریں جو تم
سے پہلوں پر گزر چکی ہیں کہ سختی اور تکلیف نے انہیں
دبوچا، اور وہ جھنجھوڑ ڈالے گئے، یہاں تک کہ اپنے وقت
کا رسول اور اس کے صاحب ایمان ساتھی پکار اٹھے کہ کب
آئیگی اللہ کی مدد۔

خدا کی راہ میں حرب و قتال کا جو بلند ترین مقام دین میں ہے وہ محتاج بیان نہیں، لیکن حرب و قتال کا مرحلہ سیاست کی گھاٹیوں سے گذرے بغیر نہیں آیا کرتا، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حربی و عسکری سرگرمیاں العظمۃ للہ! یہاں تک کہ اس خلاصہ کائنات سید الانس والجن نے خود بھی ہتھیار سجائے، اور زخم کھائے ہیں مگر یہ مراحل آغاز ہی میں نہیں آگئے۔ عرصے تک آپ سیاست کی زلفیں سنوارتے رہے ہیں، تب کہیں جاکر حرب و ضرب کی نوبت آئی ہے۔ حرب و ضرب خدا کی راہ میں اگر مقبول ترین عمل ہے تو سیاست اسلامیہ سے عملی تعلق اور شغف کیونکر مقبول نہ ہو گا، جب کہ حرب و ضرب کی منزل ہی سیاست کے راستے سے آتی ہے۔

اسلام سے شکست کھانے والی اقوام کی سب سے بڑی کوشش یہی رہی ہے، کہ مسلمانوں میں دین و سیاست کے جدا جدا ہونے کا تصور عام کردیں۔ انہیں یقین دلادیں کہ مسجد و خانقاہ کے مقدس ماحول سے نکل کر سیاست کی متعفن فضا میں آنا دنیاداری کی بات ہے، جو اہل اللہ کو زیب نہیں دیتی، آج اچھے اچھے ذی فہم، بیدار مغز اور فرشتہ سیرت علماء و صلحاء کو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اصولاً تو وہ دین و سیاست کی تفریق کا قول نہیں کہتے، لیکن سیاست سے انہیں

چڑ ہے' اس لفظ ہی کو انہوں نے دین کے حق میں گالی بنالیا ہے' وہ ایسی باتیں کرتے ہیں گویا کہ کذب و دغا دجل و فریب' فسق و نفسانیت اور ظلم و طغیان کے جو رزائل سیاست مروجہ میں گھس آئے ہیں' وہ سیاست سے الگ کوئی چیز نہیں' بلکہ سیاست نام ہی انہی اوصاف خبیثہ کا ہے' جب سوچنے کا ڈھنگ یہ ہو' تو سیاست آپ سے آپ ایک ناپاک ترین شے بن جائیگی' "حالانکہ سیاست بجائے خود ایک ورق سادہ ہے" جس پر آپ اچھی اور بری ہر طرح کی مہریں لگاسکتے ہیں۔ سیاست کے رذائل کی ذمہ داری خود سیاست پر نہیں ہے سیاست چلانے والوں پر ہے' سیاست چلانے والے اگر نفس امارہ کے غلام اور خواہشات کے بندے ہیں' تو ان کی سیاست اخلاقی ظلمتوں کا محیط ہونی ہی چاہئے' اس میں سیاست بیچاری کا کیا قصور' "سیاست تو وہ تھی جسے آقائے دو جہاں ﷺ اور ان کے خلفائے راشدین نے برتا تھا"۔ پھر کیا اس سے بھی بیزاری و نفرت کا اظہار کیا جائے گا۔

افسوس دماغوں کے سانچے بگڑ گئے' فکر کے زاویئے تبدیل ہوگئے' یہی وجہ ہے کہ ہم اسلام کی مغلوبیت پر نہ صرف غمگین نہیں' بلکہ اس مغلوبیت کا احساس ہی معدوم ہے' اور جو لوگ اس بے حسی کی نشاندہی کرکے جہد و عمل کی دعوت دیتے ہیں انہیں مرحبا کہنے کے عوض کچا چبا ڈالنے کا جذبہ ہر طرف عام ہے۔ فیا حسرتا۔

طاغوتی اقتدار والے زمانوں کے جن بزرگوں کا آپ نے ذکر کیا' ان کا مسئلہ بھی "تسبیح" کی مثال سے حل ہوگیا۔ سیاست سے کنارہ کش رہنے یا غلبہ باطل پر صبر و قناعت اختیار کئے رکھنے کے باعث' ان کی ذاتی عظمت اور ان کی عبادات میں تو بالذات کوئی نقص واقع نہیں ہوا' جیسا کہ "تسبیح" کے دانے

اگر لعل و یاقوت کے ہیں تو ڈورا ٹوٹ جانے کے بعد بھی ان کی قیمت بازار میں لعل و یاقوت ہی کی اٹھے گی' وہ صندل کے ہیں تو صندل ہی کے رہے جائیں گے' لیکن معنوی اعتبار سے ان بزرگوں کے اپنے اعمال صالحہ میں وہ وزن نہیں پایا جاسکتا' جو اقامت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کی راہ میں شدائد جھیلنے والوں کے اعمال میں پایا جاتا رہا ہے' یہ ہم نہیں کہتے قرآن و سنت کہتے ہیں' کیا قرآن و سنت ہی نے نہیں بتایا ہے کہ قرن اول کے جن مجاہدین نے اسلام کو سیاست و حکومت کے دائروں میں جاری و ساری کرنے کی خاطر اپنے مال و منال' اپنا عیش و آرام' اپنی جانیں اپنا سب کچھ داؤ پر لگادیا تھا' ان کا ایک سجدہ والہانہ ہماری زندگی بھر کی عبادتوں سے اور ان کا خدا کی راہ میں خرچ کیا ہوا جو "برابر" سونا ہمارے پہاڑ برابر سونے کے ڈھیر سے' معنوی قدر و قیمت میں بڑھ چڑھ کر تھا۔ خدا کے یہاں ان کے ایک ایک قطرہ لہو کی قیمت' رحمت و انعام کے بیش بہا خزانے طے پائے' اور ان کی سیاسی و حربی سرگرمیوں کو اعلیٰ ترین عبادت کا درجہ عطا کیا گیا۔

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ذٰلک لمن خشی ربہ

○○○

بات صرف صحابہ ﷺ تک محدود نہیں' بعد میں جن بندگان حق نے اقامت دین کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگائی ہے' ان کے بارے میں بھی اللہ اور رسول کے ارشادات یہی تصور دیتے ہیں کہ آخرت کی میزان میں ان کے اعمال کا بڑا وزن ہے' اقامت دین کی کوئی راہ سیاست سے یکسر دامن کش رہ کر نہیں گذر سکتی' وعظ' تبلیغی اسفار' رشد و ہدایت کے پاکیزہ مشاغل' یہ سب سیاست اسلامیہ ہی کے اجزائے مقومہ ہیں۔ البتہ جس نے انہی اجزاء کو مقصد

قرار دے لیا' اور اسلام کے غلبہ و نفاذ کے مقصود اعلیٰ سے اپنا ذہنی رشتہ منقطع رکھا' تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پرزے تو بناتا ہے مگر ان پرزوں کو جوڑ کر مشین بنانے کا قصد نہیں رکھتا' ظاہر ہے ایسا شخص کتنے ہی خوشنما اور عمدہ پرزے بنالے' لیکن وہ ثمرات ہرگز حاصل نہ ہو سکیں گے' جو ایک مکمل مشین سے حاصل ہوتے ہیں' "خدا کے یہاں اعمال کی قدر و قیمت قصد و نیت کے اعتبار سے ہے" خدا کے دین کو غالب و نافذ کرنے کی نیت ہی نہیں' نہ مغلوبیت اسلام سے دل و جگر میں کوئی کسک ہے' تو پھر رشد و ہدایت کے سارے ہنگامے' وعظ و تبلیغ کے سارے غلغلے' اور عبادت و ریاضت کے تمام مقدس مظاہر' اس دودھ جیسے ہیں جس میں سے مکھن نکال لیا گیا ہو' مکھن نکلے ہوئے "دودھ سپریٹا" سے ہم اور آپ تو دھوکا کھا سکتے ہیں لیکن وہ علیم و خبیر آقا دھوکا نہیں کھا سکتا جو ہر شے کو اس کی آخری تہہ تک جانتا ہے۔

○○○

"تسبیح" کی مثال اگرچہ تفہیم مراد میں کوتاہ نہیں رہی' لیکن ایک اور مثال سے اس حقیقت کو سمجھئے کہ سیاست کی باگ ڈور اسلام کے ہاتھ میں نہ رہے' تو ہماری عبادتوں میں معنوی اعتبار سے کس قسم کا ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں' آپ کا اپنا بدن ایک بہترین مثال ہے۔ فرض کیجئے آپ نارمل حالات میں اپنے ہاتھوں سے ایک انچ موٹی سلاخ دوہری کر دیتے ہیں' ایک گھنٹہ پھاوڑا چلا سکتے ہیں' بیس سیر گیہوں ایک نشست میں پیس ڈالنے کی سکت رکھتے ہیں۔ اب ایک دن آپ کا پیر کسی دھار دار چیز سے اس بری طرح کٹا کہ لہو کی تلو بندھ گئی' اور آپ نڈھال ہو کر بستر پر گر گئے' کیا اس حالت میں بھی آپ کے ہاتھوں کی قوت کارکردگی وہی رہے گی جو معمولاً تھی؟۔

ہے۔ بظاہر تو دونوں ہاتھ جوں کے توں ہیں ان کی ساخت، ان کی وضع، ان کے طول و عرض اور قطر و ضخامت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ وہ زخمی بھی نہیں ہوئے وہ ٹھیک ویسے ہی ہیں جیسے کل تھے مگر جواب آپ یہی دیں گے کہ بحالت موجودہ وہ بھرپور کارکردگی کی اہلیت سے عاری ہو گئے ہیں۔

بس اسی طرح عبادتوں کے معنوی ضعف و قوت کا معاملہ ہے معاشرت و سیاست پر غلبہ طاغوت ہی کا ہو، تب بھی ہماری عبادتیں اوصاف ظاہری اور ہیئت و ہیولیٰ کے اعتبار سے تو ٹھیک ویسی ہی رہتی ہیں جیسی وہ اسلامی غلبہ و اقتدار کے ماحول میں ہو سکتی ہیں مگر ان کی تاثیر اور قوت عاملہ میں ویسا ہی ضعف پیدا ہو جائے گا جیسا آپ کے ہاتھوں میں پیدا ہوا ہے۔ اسلامی سیاست روح تو نہیں ہے کہ اس کے بغیر ایمان زندہ ہی نہ رہ سکے۔ لیکن لہو ضرور ہے جو جسم سے خارج ہو جائے تو آدمی ڈھانچ اور پنجر کہلاتا ہے۔

"تجلی دیوبند" (ڈاک نمبر) نومبر۔ دسمبر ۱۹۶۳ء

جماعت اسلامی کے نقائص

خدا کا شکر ہے کہ "جماعت اسلامی" کے خلاف عرصہ دراز سے جو افترا و بہتان اور فتوے بازی کی مہم چل رہی تھی' وہ ٹھنڈی پڑ چکی' اس جماعت کے تعلق سے بہت سے حضرات جو طرح طرح کی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا تھے ان کے خیالات قدرے بدلے' لیکن ان دنوں بعض اہل درد اور مخلص حضرات کی طرف سے یہ خیالات ظاہر ہو رہے ہیں کہ اگرچہ "جماعت اسلامی" کے عقائد و نظریات خالص اسلامی ہیں' اور اس کی بنیادی دعوت اور نصب العین سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا' لیکن اس جماعت میں چند بڑے فتنے اور بگاڑ موجود ہیں وہ یہ کہ جماعت جس طریقہ سے دنیا کو اسلام کی دعوت دے رہی ہے وہ انبیائی طریقہ کار کے خلاف ہے' انبیاء کرام کفار اور فساق کو پہلے خدا کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب سے خبردار کرتے تھے' اور صرف اس کی رضا اور آخرت کی کامیابی سامنے رکھ کر ان کے باطل فکر و عمل کی اصلاح کرتے تھے' لیکن "جماعت اسلامی" مادی ترقی اور خوشحالی کو سامنے رکھ کر دنیا کو اسلام کی طرف چلاتی ہے کہ "اسلام کو اپناؤ" اس میں دنیا کے مسائل کا حل موجود ہے' حکومت الٰہیہ قائم کرو اس کے بغیر مادی ترقی ناممکن ہے' خدا پرستی اختیار کرو "ہندوستان" دنیا کا رہنما بن سکتا ہے" اس کے لٹریچر اور تقاریر میں یہی طرز دعوت نمایاں نظر آتا ہے' کہیں کہیں خدا کی رضا اور فلاح آخرت کا بھی ذکر آتا ہے' لیکن یہ بہت کم' جس طرح' سوشلزم' "کمیونزم" وغیرہ۔ متعدد مادی ازم اور نظریئے ہیں' اسی طرح "جماعت اسلامی" اسلام کو بھی دنیا کے سامنے بطور "ایک ازم" اور نظریئے

کے پیش کر رہی ہے "جماعت اسلامی" محض ایک تحریک چلا رہی ہے' اس کو فکر آخرت بہت کم اور دنیا اور دنیاوی مسائل سے دلچسپی اور لگاؤ زیادہ ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "جماعت اسلامی" کا ملک میں حکومت الٰہیہ کے قیام کا مطالبہ کرنا بھی خلاف عقل ہے جو کچھ بھی ہو گا' وہ اسباب و علل کے تحت ہو گا' جس ملک کا بر سر اقتدار طبقہ غیر مسلم ہو' اس ملک میں خدائی قانون کا نفاذ کیسے ممکن ہے؟ جماعت کو چاہئے کہ اپنے ذرائع و وسائل سے نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنائے اور غیر مسلم افراد کو اسلام کی دعوت پہنچانے میں صرف کرے' اس وقت حکومت الہیہ کے قیام کا مطالبہ کرنا فضول ہے' جب بڑی حد تک معاشرہ اسلامی ہو جائے گا تو حکومت الٰہیہ خود بخود قائم ہو سکتی ہے اگر نہ بھی ہو تو اس وقت اس کیلئے جدوجہد کرنا مناسب اور سودمند ہو سکتا ہے' ان سب باتوں سے آپ کہاں تک متفق ہیں؟ آپ بھی مذکورہ خرابیاں "جماعت اسلامی" میں محسوس کرتے ہیں تو براہ مہربانی ایک عمدہ تحریک اسلامی کو خراب ہونے سے بچایئے' اس پر تنقید کر کے مشوروں کے ذریعہ اس کی اصلاح کی کوشش کیجئے' لیکن اگر ایسا نہیں ہے جن جن خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر وہ جماعت میں موجود نہیں ہیں' بلکہ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے تو براہ مہربانی اسے بھی دور کرنے کی کوشش کیجئے۔

جواب :

اونچی اونچی باتیں کر لینا اور دوسروں کے کام میں "فی" نکالنا بہت آسان ہے' لیکن جو لوگ "جماعت اسلامی" کے طریق کار کو انبیائی طریق کار کے خلاف باور کراتے ہیں وہ خود بھی تو آگے بڑھ کر کوئی "تیر ماریں" اور

زبانی جمع خرچ کے بجائے عمل سے ثابت کریں کہ انبیائی طریق کار یہ ہے۔

ہر زمانے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں' انسانوں کے سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ' ردو قبول کے پیمانے' اور اخذو ترک کے معیار بدلتے رہتے ہیں' انبیاء علیہم السلام نے جن جن زمانوں میں حق پرستی کی دعوت دی' ان زمانوں کا اپنا ایک مزاج تھا' آخری پیغمبر ﷺ کے دور سعادت کو لے لیجئے کہ وہی ہمارے لئے حجت' معیار اور مستدل ہے۔۔۔ حضور ﷺ کا دور اپنے مزاج اپنے تقاضوں اور داعیوں کے اعتبار سے آج کے دور سے بالکل مختلف تھا۔ جن لوگوں میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے' وہ نہ زیادہ پڑھے لکھے تھے نہ فلسفہ و منطق کی انہیں ہوا لگی تھی' فکر محدود علم محدود' عرب سے باہر کی دنیا میں مادی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے دائرے میں' جو تھوڑی بہت پیش رفت ہو رہی تھی' اس سے بھی انہیں دور کا واسطہ نہ تھا' اپنی نیم وحشی زندگی میں مگن' توہمات اور ضعیف الاعتقادی کے اسیر' جس پتھر کو چاہا خدا بناڈالا جس در پہ چاہا سر ٹیک دیا' ان کا کفرو شرک تعقل کی راہ سے نہیں آیا تھا' بے عقلی و بے خبری کی راہ سے آیا تھا۔ انہیں سائنس و فلسفہ نے خدائے وحدہ لاشریک سے دور نہیں کیا تھا وہ تو جہالت و سفاہت کے ہاتھوں برباد ہو رہے تھے' روحانیت کے منکر نہ تھے..... بلکہ روحانیت کی بڑھی ہوئی حس ہی انہیں معبود سازی اور اصنام پرستی پر مبالغہ آمیز حد تک اکسائے ہوئے تھی' دین کے مابعد الطبیعی تصورات اور مافوق الفطرت حقائق کو قبول کرنے کیلئے جو اندرونی صلاحیت ضروری ہوتی ہے وہ ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی' اور کسی مادہ پرستانہ فلسفے کی مسلسل اثر اندازی نے ان کی اس صلاحیت کو چھوا تک بھی نہیں تھا۔

ایسے حالات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی رضا کے مطابق انہیں ان دیکھے خدا کے عذاب سے ڈرایا' جہنم جسکی ہولناکی ان پر آشکارا کی' جنت کی عیش سامانیاں واضح فرمائیں اور یوم قیامت کے ذکر و بیان سے ان کے دل و دماغ کو متاثر کیا' تو یہ سب کچھ نفسیات اور تقاضائے وقت کے عین مطابق تھا۔ جو مذہبی حس اب تک ادھر ادھر بھٹک رہی تھی' وہ رخ بدل کر دین حق کی طرف مڑ گئی' اور پگھلا ہوا موم نئے سانچے میں ڈھل گیا۔

گویا پیغمبر کو جس زمین میں دین کا گلشن سرسبز کرنا تھا وہ زمین دین کی روحانی قدروں کیلئے پوری استعداد "نمو" اپنے اندر رکھتی تھی۔۔۔ ادھر بیج ڈالا اور ادھر قوت "نمو" حرکت میں آئی۔

پھر خود پیغمبر کی زبردست موثر شخصیت نظر میں رکھئے۔ عظیم کردار خدا کی خصوصی مدد شامل حال' صورت دلکش' سیرت دلکش' بہترین اوصاف سے متصف' لاجواب صلاحیتوں سے مالا مال' جب فاعل میں اثر اندازی کی اور منفعل میں قبول اثر کی' کامل استعداد موجود ہو' جب بیج اعلیٰ' زمین زرخیز اور باغبان کامل طور پر ہنر مند ہو' تو باغ کیوں نہ قابل رشک ہو گا۔

اب ذرا اپنے دور کو دیکھئے زمین و آسمان کا فرق' ہر طرف مادہ پرستانہ فکر و نظر کا دور دورہ' ہر سمت تعقل کیش تہذیب و تمدن کا غلبہ و تسلط ہر گمراہی کی پشت پر علم و سائنس کی حوصلہ افزائی' ہر الحاد و ارتداد کے ہاتھوں میں کلام و منطق کی ڈھالیں' روحانی قدروں کو قبول کرنے کی صلاحیت مادہ پرستانہ فکر و نظر کے مقتل میں' نزع کی ہچکیاں لے رہی ہے' کفر و طغیان جہل و نادانی کی راہ سے نہیں' علم و فرزانگی کی راہ سے آ رہے ہیں۔

ان احوال میں جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ انبیاء کی طرح خوف خدا اور

عذاب آخرت کی تلقین ہی سے کام نکال لے جائے گا' وہ خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ اول تو یہی سرے سے غلط ہے کہ انبیاء فقط خوف خدا اور عذاب آخرت ہی کے ذکر و بیان تک محدود رہے۔ انہوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق اجتماعی و سیاسی دائرے میں تمام ہی وہ ممکن کوششیں کی ہیں۔ جن سے حق کی سربلندی اور غلبہ و تسلط کی توقع ہو سکتی تھی ' ہاں ایمان و اخلاق کے اصولوں کو ضرور مد نظر رکھا ہے۔

لیکن اس سے قطع نظر کرلیں تو بھی احوال و ظروف کا فرق بہرحال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ' آج کے دور میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے قطعی طور پر ناگزیر ہے کہ مسائل کے ان دائروں میں آگے بڑھا جائے جن میں دنیا کے غالب و مقبول "ازم" اسلام کو چیلنج کر رہے ہیں ' حریف اگر توپ اور بم چڑھا کر لاتا ہے تو ہمیں بھی اسی سطح کے آلات سے مقابلہ کرنا پڑے گا' اب کوئی شخص کہنے لگے کہ حضور ﷺ نے تو صرف تلوار اٹھائی تھی' وہی سنت ہے ' لہٰذا تم جو اور کوئی ہتھیار اٹھاتے ہو وہ انبیائی طریق کار کے خلاف ہے تو خود سوچ لیجئے ایسا شخص کس حد تک باہوش سمجھا جاسکتا ہے۔

اعتراض کرنے والوں سے کوئی پوچھے' کہ یہ جو سیکڑوں متکلمین اسلام گزرے ہیں انہوں نے یہ کیا ستم ڈھایا کہ رسول اللہ اور صحابہ ﷺ کے طریقے سے تجاوز کر کے' فلسفہ کلام کے میدان میں کود پڑے' اور بجائے خوف خدا اور عذاب آخرت کی بشارت دیتے رہنے کے' دینی مسائل اور مذہبی عقائد پر فلسفہ و منطق کے رخ سے طویل بحثیں شروع کر دیں۔

ہم سمجھتے ہیں "جماعت اسلامی" اگر وہ وقت کی زبان میں بات کر رہی ہے' اور اہل زمانہ کے اسلوب فکر کی رعایت رکھتے ہوئے یہ ثابت کرنے

کے درپے ہے کہ اسلام محض نجات اخروی ہی کا ضامن نہیں' بلکہ مسائل دنیاوی کا بھی مکمل حل اپنے اندر رکھتا ہے تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ تحسین کی مستحق ہے۔

خدا کے خوف اور عذاب آخرت کے اندیشے پر کان دھرنے والوں کا زمانہ گیا' خود مسلمانوں ہی کو دیکھ لیجئے' جو بہ فضل تعالیٰ خدا کے خوف اور عذاب آخرت سے ڈرانے کو جزو ایمان کہتے ہیں' کس حد تک ان کے اعمال و افعال پر اس ڈر کی گرفت ہے' محض رسمی و روایتی ڈر' جس کی جڑیں ذہن و قلب میں دو انچ بھی گہری نہیں پہنچیں (الاماشاءاللہ)

آج وہ بھی زمانہ نہیں ہے کہ چند کرامتیں دکھلاکر گروہ کے گروہ مسلمان کرلو' کراماتوں سے وہ لوگ مذہب بدلتے ہیں جن کے دماغ کو تعقل کا کیڑا نہیں لگا' مگر زمانے کی ہوا ایسی ہے کہ دیہات کے جہلاء تک اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے ہیں۔

حاصل یہ کہ اسلام کی خدمت و اشاعت کیلئے جو طرز "جماعت اسلامی" نے اختیار کر رکھا ہے وہ ہماری نگاہ میں تو ایسا نہیں کہ طریق انبیاء سے کوئی جوہری اختلاف رکھتا ہو' لیکن جن مخلص حضرات کو اس پر اصرار ہے انہیں باتیں بنانے کی بجائے عمل کر کے دکھانا چاہئے' کہ طریق انبیاء کیا ہے اور اس کو اختیار کر کے کس طرح اسلام کی خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔

جہاں تک حکومت الٰہیہ کا تعلق ہے وہ بیشک جماعت کا آئیڈیل ضرور ہے اور ہونا چاہئے' لیکن یہ کہنا مبالغہ آمیز ہے کہ وہ حکومت الٰہیہ کا مطالبہ کر رہی ہے۔اور یہ جو فرمایا گیا۔

"جماعت کو چاہئے کہ اپنے ذرائع و وسائل سے نام کے

مسلمانوں کو حقیقی مسلمان اور غیر مسلم افراد کو اسلام کی دعوت پہنچانے میں صرف کرے..."

تو بتایا جائے کہ اس کے علاوہ' اور وہ کر کیا رہی ہے؟ کیا وہ اپنی موجودہ سرگرمیاں چھوڑ کر پیری مریدی یا چلہ کشی یا دیہات گردی شروع کردے' جبھی مانا جائے گا کہ نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جارہا ہے' یا وہ "روس" وامریکہ کے صدروں اور جواہر لال نہرو وغیرہ کو خدا اور عذاب آخرت سے ڈرانے والے خطوط لکھنے کا مشغلہ اختیار کرے' تبھی تسلیم کیا جائے گا کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت پہنچائی جارہی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں اپنی دانست میں وہ وہی فرائض انجام دے رہی ہے جن کی خواہش ظاہر کی گئی' اگر معترضین کے نزدیک اس کا طریق کار قابل اصلاح ہے تو خلوص کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آگے بڑھ کر اصلاح کی جدوجہد کریں' خالی باتیں بنانے سے کچھ نہیں ہوتا' جماعت کے اکابر نہ بددماغ ہیں نہ چڑ چڑے' وہ ہر وقت ہر مشورہ دینے والے کا مشورہ اور ہر صلاح کار کی صلاح سننے کیلئے تیار ہیں' وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ان سے اگر غلطیاں ہورہی ہیں تو درد مند حضرات نہ صرف نشاندہی فرمائیں' بلکہ رہنمائی وامامت کا فریضہ انجام دیں' اب اس کا تو کوئی علاج نہیں کہ دور سے بیٹھے بیٹھے مجمل اعتراضات اٹھاتے رہئے' اور ہاتھ پیر چلانے کے نام سے جان چرائیے' میرا روئے سخن سائل کی طرف نہیں بلکہ ان اہل درد اور مخلص حضرات کی طرف ہے جن کا کہا سائل دہرا رہے ہیں۔

(تجلی دیوبند ' فروری' مارچ ۱۹۶۱ء)

جماعت اسلامی اور جماعت سازی

سوال از محمد اسعد اسرائیلی سنبھل مراد آباد

"جماعت اسلامی" کے حضرات کبھی کبھی کہتے ہیں، کہ اسلام بس کتابوں میں ہی رہ گیا ہے، عملی جدوجہد بالکل نہیں، حضرات علمائے کرام فقہ کی کتابوں اور اسلام کے عمرانی و سیاسی نظام کا برابر مطالعہ کرتے رہتے ہیں، لیکن کوئی عملی جدوجہد نہیں کرتے، سوال یہ ہے کہ "جماعت اسلامی" کا وہ کون سا عمل ہے جس پر "حکومت الٰہیہ کی کوشش" کے جملے کا اطلاق ہو سکتا ہے کتابیں چھاپنے کے علاوہ وہ کون سا نیا کام کر رہی ہے؟ کتابیں پڑھنے اور چھاپنے اور جلسے سننے کے علاوہ وہ کون سا کام ہے جو اسے اس کے مقصد کے قریب کر رہا ہے؟

اس کے علاوہ اس کے مقصد سے انکار کرنے والے بھی معدودے چند ہیں، پھر "جماعت" کی تشکیل سے کیا فائدہ؟ بالفاظ دیگر جماعتیں کیوں بنائی جاتی ہیں ان کا فائدہ کیا ہے؟ اسلام میں اجتماعیت کا مفہوم کیا ہے؟ حضرت عمرؓ کا ارشاد لا اسلام الا بجماعۃ اس کے متعلق چند سوال ہیں:

(۱) کیا اس جماعت سے مراد کوئی اصطلاحی جماعت (پارٹی) ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کا ثبوت؟

(۲) اگر اس جماعت سے مراد پارٹی نہیں بلکہ اسلامی اجتماعیت کی روح (رسائل و مسائل) مراد ہے تو مولانا مودودی نے اسے جماعت اسلامی کے حق میں کیوں استعمال کیا؟

(۳) اگر لا اسلام الا بجماعۃ سے حضرت عمرؓ کی یہ مراد ہے کہ جب

تک کوئی مسلمان کسی جماعت میں شامل نہ ہو' اس کا اسلام ناکمل رہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ پارٹی میں شرکت سے اسلام میں کیا زیادتی ہوتی ہے؟

جواب:

آپ کا سوال کئی ایسے سوالوں کا مجموعہ ہے جنہیں ذہنی انتشار نے ایک دوسرے میں خلط ملط کردیا ہے' میں کوشش کرتا ہوں کہ تنقیح کے ساتھ جواب پیش کروں۔

(ا) یہ بات کہ "اسلام" بس کتابوں ہی میں رہ گیا ہے عملی جدوجہد عنقا ہے فقط "جماعت اسلامی" ہی نہیں کہتی' بلکہ ساری دنیا کہتی ہے' اسی مفہوم کیلئے تو ایک کہاوت بھی خاصی عام ہوگئی ہے۔

مسلمانی در گور و اسلام در کتاب

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں' لہٰذا اسے فقط "جماعت اسلامی" کی طرف منسوب کرکے بطور اعتراض پیش کرنا مذاق بلکہ ستم ظریفی کا دلچسپ نمونہ ہے۔

پھر اس سلسلے میں اچانک حکومت الٰہیہ کا ذکر کر بیٹھنا اور بھی لطیفہ ہے' "جماعت اسلامی" یا کوئی بھی جماعت یا فرد اگر مسلمانوں کی عام بے عملی اور علماء کے تساہل و تعطل پر آنسو بہاتا ہے تو اس کا یہ مطلب آپ نے کیسے لے لیا' کہ وہ حکومت الٰہیہ کے فراق میں رو رہا ہے' حکومت الٰہیہ کی اصطلاح تو بہت دن ہوئے سرد خانے میں جاچکی' اور ہمارے نزدیک یہ اچھا ہی ہوا' کیونکہ یہ اصطلاح اپنے حقیقی مفہوم میں اگرچہ نہایت پاکیزہ اور محمود ہے' لیکن اس کے الفاظ چونکہ غلط فہمیوں کا موجب ہوتے رہے ہیں اور

اسے من مانے سیاسی معنی پہنانا بروپیگنڈہ کار کیلئے آسان ہے' اس لئے بہت اچھا کیا اگر "جماعت اسلامی" نے اسے گوشہ عزلت میں رکھ دیا' پھر یہ آپ حکومت الٰہیہ کا شوشا کیوں لے بیٹھے؟

خوب سمجھ لیجئے "جماعت اسلامی" کا نصب العین اصطلاحات کے چکر سے ہٹ کر واضح اور غیر مبہم الفاظ میں پہلے بھی یہ تھا اور آج بھی یہی ہے کہ معاشرے میں ان اقدار و تصورات کو غالب کرے جو اللہ کو محبوب ہیں اور ان نظریات و اعمال کو بیخ و بن سے اکھیڑے' جو اللہ کی نافرمانی کا مظہر ہیں' اس نصب العین کا تعارف اگر مختلف اوقات میں حکومت الٰہیہ اور اقامت دین جیسی اصطلاحوں سے کرایا گیا ہے' تو اس کی موجد بھی "جماعت اسلامی" نہیں ہے بلکہ بہت پہلے سے ایسا ہوتا آرہا ہے' آپ تعارفی الفاظ کے چکر میں مت پڑیئے بلکہ یہ دیکھئے کہ خود نصب العین میں کیا خرابی ہے' ہمارے نزدیک تو یہی وہ نصب العین ہے' جس کیلئے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے' اسی کو قرآن نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جامع الفاظ میں تمام امت کیلئے موکد فرمایا ہے اور یہی ہر مسلمان کا منتہائے نظر ہونا چاہیے۔

(۲) آپ پوچھتے ہیں کہ "جماعت اسلامی" اس نصب العین کیلئے سوائے قلمی اور زبانی جمع خرچ کے اور کر کیا رہی ہے؟۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ خود آپ بتایئے اسے یہ سب چھوڑ کر اور کرنا کیا چاہیے؟

ایک غریب آدمی خواب دیکھتا ہے کہ وہ اپنے نو عمر بیٹے کو ولایت پاس کرائے گا' اس خواب کو تعبیر سے ہم آغوش کرنے کیلئے' وہ ایک طرف بیٹے کو پرائمری میں داخل کر دیتا ہے دوسری طرف کسی تاجر کے یہاں دو گھنٹے

کیلئے "بہی کھاتے" کی ملازمت کرلیتا ہے تاکہ دن بھر کسی دوسری جگہ ملازمت کرنے کے بعد جو یافت (آمدنی) ہوتی ہے' اس کے علاوہ بھی کچھ کما سکے' اور اس ذیلی ملازمت سے حاصل شدہ پیسہ بیٹے کی خاطر جمع کرے' تیسری طرف وہ ایک بڑے آفیسر کے گھر کا "سودا سلف" بھی مفت لانے کی خدمت انجام دیتا ہے' کیونکہ اسے امید ہے کہ آگے چل کر یہ آفیسر اس کے بیٹے کو ولایت بھجوانے میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

اب غور کیجئے' جس وقت وہ "بہی کھاتے" میں سر کھپا رہا ہوتا ہے یا جس وقت وہ ترکاری والے سے آفیسر صاحب کیلئے ایک روپے کے ٹماٹر خرید رہا ہوتا ہے اس وقت کیا اس کے اس فعل میں اور اس خواب میں جسے اس نے زندگی کا نصب العین بنالیا ہے' کوئی محسوس و مرئی (بظاہر) ربط ہوتا ہے؟ کیا کوئی ظاہر بیں آدمی کہہ سکتا ہے کہ یہ بالکل غیر متعلق سے کام' اسے ایک دور افتادہ نصب العین کی طرف بڑھا رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں' لیکن آپ جانتے ہیں کہ اصلاً ان کاموں کا نصب العین سے گہرا تعلق ہے دونوں میں ایک مخفی لیکن منطقی ربط موجود ہے' ایسا قوی ربط جیسا کہ روٹی پکانے اور درخت سے لکڑی کاٹنے میں پایا جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح "جماعت اسلامی" کے بارے میں سوچئے' آپ جانتے ہیں کہ شخص مذکور کے بیٹے کو مدتوں تک اپنے وطنی اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنا ہوگا' باپ کو عرصہ دراز کی محنت سے پیسہ جمع کرنا ہوگا' پھر سفارش اور خوشامد کے چکر چلیں گے' تب کہیں جاکر یہ نظر آئے گا کہ بیٹا جہاز میں بیٹھ کر ولایت جا رہا ہے' اسی طرح "جماعت اسلامی" کو بھی اپنے نصب

العین کی خاطر مدتوں ایسے کام کرنے ہوں گے' جو بادی النظر میں تو اس کی منزل علیا (بلند) سے کوئی محسوس رشتہ رکھتے نظر نہ آئیں' لیکن معنوی حیثیت سے وہ بالیقین اس سے مربوط ہوں' فرق یہ ہے کہ ایک بچے کو ولایت پاس کرانے کا نصب العین تو ایک سادہ سا معمولی سا نصب العین ہے' جس کی راہ میں کوئی کوہ گراں حائل نہیں' اس کا زمانی فاصلہ بھی بیس تیس سال سے زیادہ نہیں' وہ نادر اور اچھوتا بھی نہیں ہے۔

لیکن ایک پورے معاشرے کو بدلنے اور نئے سانچے میں ڈھالنے کا نصب العین بے حد عظیم پیچیدہ اور کٹھن ہے' اس کا زمانی فاصلہ بھی لامحدود ہے' اس کی راہ میں کوہ گراں بھی ایک دو نہیں بیشمار حائل ہیں' یہ اس اعتبار سے نادر اور اچھوتا بھی ہے کہ مادہ پرست فکر و تہذیب کے زبردست تسلط نے' اقدار و افکار کے تمام خانے باطل و فاسد نظریات سے بھر دیئے ہیں' اور روحانی و آسمانی اقدار و اصول کیلئے تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں رہ گئی ہے۔

بتایئے کیا ایسے دشوار' بعید' کٹھن اور نادر نصب العین کیلئے بھی یکایک ایسی جست ممکن ہے جسے سر کی آنکھوں سے دیکھ کر' آپ یا کوئی بھی ظاہر بیں پکار اٹھے' کہ ہاں یہ لگائی ہے چھلانگ نصب العین کی طرف' چھلانگ تو در کنار ایسے دور افتادہ اور بلند تر نصب العین کیلئے تو ایک سست رفتار قدم بھی ایسا اٹھانا بحالات موجودہ دشوار ہی ہے جسے فقط سر کی آنکھیں استعمال کرنے والے نصب العین کی طرف سفر کا نام دے سکیں' یہ روٹی پکانے کا کام نہیں ہے کہ جب آپ آٹا گوندھتے دیکھیں تو پکار اٹھیں کہ ہاں اب روٹی پکے گی' یہ بڑا باریک اور جان جوکھوں کا کام ہے' اسے چشم بصیرت پر معنویت کی عینک لگا کر دیکھئے' جب تو اندازہ ہو سکے گا کہ منزل کی سمت سفر کا آغاز ہوا ہے یا نہیں'

ہم سمجھتے ہیں کہ "جماعت اسلامی" زبان اور قلم سے جو کچھ کر رہی ہے وہ اس کے نصب العین سے غیر مربوط نہیں' بلکہ دونوں کے مابین ایک معنوی اور منطقی ربط پایا جاتا ہے' اگر آپ یا کوئی بھی صاحب الرائے یہ گمان کرتا ہے' کہ "جماعت" کے موجودہ مشاغل' مساعی اور طریق' کا اصل مقصد سے جوڑ نہیں ہے' تو اسے صاف صاف بتانا چاہئے' کہ مقصد سے جوڑ رکھنے والے کام کونسے ہیں' اور حصول مقصد کیلئے کیا کچھ کرنا چاہئے' فقط اعتراض "تخریب" کے مرادف ہے۔ تخریب کے ساتھ نئی تعمیر کا نقشہ بھی بتایئے' ہم یہ نہیں کہتے کہ "جماعت" کے کام میں کوئی خامی نہیں "جماعت" اسی مخلوق کا ایک گروہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "**الانسان مرکب من الخطاء والنسیان**" اس کے افراد سے فکری' عملی ہر طرح کے قصور سرزد ہوئے ہوں گے' آگے بھی ضرور ہوں گے۔

بہت ممکن ہے وہ بعض موٹی موٹی غلطیاں بھی کر رہی ہو' لیکن مجمل بلکہ بعض حالتوں میں مہمل اعتراضات سے حاصل؟

(۳) رہا یہ سوال کہ جب اصل مقصد اور نصب العین سے انکار واختلاف کرنے والے معدودے چند ہیں تو "جماعت" کیوں بنائی گئی؟

تو یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ یوں پوچھیں کہ جب ملک کے تحفظ اور اسے حملہ آوروں کی دستبرد سے بچانے کے مقصد و نصب العین پر ملک کا بچہ بچہ متفق الرائے ہے تو آخر فوج کس لئے بنائی جاتی ہے' بیشمار دولت فوجی تنظیموں پر کیوں خرچ کی جاتی ہے' حتیٰ کہ کامل امن کے زمانے میں بھی محکمہ فوج جوں کا توں قائم رہتا ہے اور کبھی کسی حکمراں نے اپنی فوج سے یہ نہیں کہا کہ جاؤ اب سب کے سب گھروں پر پیر پسار کے سو رہو' کیونکہ سارا ملک

حفاظت وطن کے مقصد پر متفق ہو چکا ہے۔

محترم بھائی، دنیا کے سارے ہی کام نظم و انتظام اور کامل میل سے چلتے ہیں، یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ معدودے چند کے علاوہ مقصد سے کسی کو انکار نہیں، لیکن اس مقصد کیلئے جدوجہد اور تیاری، نظم و ضبط ہی کے ساتھ ممکن ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دنیا کا ہر کام ہر شعبہ زندگی میں نظم و انضباط ہی کے ساتھ چل رہا ہے، نظم و ارتباط ہی کا دوسرا نام "جماعت" ہے اور کائنات کا چپہ چپہ شاہد ہے کہ نظم سے بڑھ کر فطری شے کوئی نہیں، سورج، چاند، زمین، ان میں کتنا فاصلہ ہے لیکن فاطر کائنات نے ان سب کو ایک اجتماعی رشتے اور ایک ہمہ گیر نظم میں جوڑ دیا ہے، کیسا نادان، کتنا بچہ ہے وہ شخص جو یوں پوچھے کہ کسی بڑے کام کی انجام دہی کیلئے "جماعت" بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

اور کیا آپ نے یہ نہیں سوچا کہ کسی مقصد سے محض اتفاق رائے حصول مقصد میں کچھ بھی معاون نہیں ہوتا، جب تک کہ عملی جدوجہد نہ کی جائے، آپ دیکھتے ہیں کہ نماز روزے کی فرضیت پر تو سب ہی مومنوں کا اتفاق ہے لیکن عمل پیرا کتنے ہیں؟ "جماعت اسلامی" کے مقصد اور نصب العین سے اگر معدودے چند کے سوا کسی کو اختلاف نہیں تو اس سے حاصل کیا ہو گا، جب تک کہ اتفاق رکھنے والے افراد مل جل کر عملی جدوجہد نہ کریں، اور کسی عملی تعبیر پر متفق نہ ہوں "جماعت" اسی کا نام تو ہے کہ کسی مقصد کیلئے کچھ لوگ مجتمع ہوں، اور کچھ قواعد و ضوابط ایسے بنالیں جو متحدہ مساعی کیلئے مفید و معاون ثابت ہو سکیں۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول آپ نے قدرے نقص کے ساتھ نقل کیا۔

مجاعۃ نہیں بلکہ بالجماعۃ ہے اور یہ الف لام کا التزام معمولی نہیں' بلکہ اسی میں یہ تنبیہہ پوشیدہ ہے کہ جس "جماعت" کو حضرت عمرؓ اسلام کیلئے ناگزیر قرار دے رہے ہیں' وہ بھیڑ اور انبوہ سے عبارت نہیں ہے بلکہ ایک منظم' باقاعدہ اور بااصول گروہ سے عبارت ہے۔

مولانا مودودی نے درست کہا کہ اس "الجماعۃ" سے مراد کوئی معین پارٹی نہیں' بلکہ "روح اجتماعیت" مراد ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ روح کیلئے جسم چاہئے۔ جسم ہی نہ ہو گا تو روح کارفرمائی کہاں کرے گی' اس کا ظہور کہاں ہو گا؟' مولانا مودودی ہوں یا کوئی بھی قائد و مصلح' جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم ربانی کی تعلیم میں اپنے ماحول' حالات اور مقتضیات کی مناسبت سے جدوجہد کا آغاز کرتا ہے تو ضروری ہوتا ہے کہ کچھ ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ لے' جو متعلقہ کاموں میں اس کا ہاتھ بٹا سکیں' پھر جدوجہد کے نتیجے میں جتنے بھی افراد اس کی دعوت پر لبیک کہنے والے ملتے رہتے ہیں وہ انہیں ساتھ لے کر کام کو آگے بڑھاتا جاتا ہے' اسی مشترکہ اقدام و عمل کے حاملین کا نام "جماعت" ہے۔ کوشش اور خواہش تو داعی و قائد کی یہی ہوتی ہے اور یہی ہونی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی اس کے ساتھ آجائیں' اور اسلامی روح اجتماعیت کی کارکردگی کیلئے' نہایت وسیع اور شاندار جسم ظہور میں آئے' لیکن نتائج اپنے قبضے میں نہیں ہوا کرتے' دعوت پر لبیک کہنے والے جتنے بھی افراد مل سکیں وہی "جماعت" ہیں اور اس جماعت کا ایک نام رکھ دینا بھی ایسا ہی بے ضرر اور قدرتی فعل ہے' جیسے ہم ہر پیدا ہونے والے بچے کا ایک نام رکھ دیتے ہیں' نام سے مقصود تعارف ہوتا ہے' ایک بچے کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کا یہ منشاء نہیں ہوتا کہ نام رکھنے والے کے نزدیک بس یہی بچہ اللہ کا بندہ

ہے اور باقی ساری دنیا بتوں نی بندی ہے' اسی طرح ایک داعی و مصلح اپنی جماعت کا جو نام رکھتا ہے اس کا یہ منشاء نہیں ہوتا کہ اس نام کے مفہوم کا اطلاق صرف اسی کی جماعت پر ہوگا اور اس جماعت سے باہر کے لوگ اس مفہوم کے دائرے سے خارج ہوں گے۔

اجتماعی اور اہم کاموں کیلئے کچھ لوگوں کا چند اصول و قواعد پر اتفاق کر کے جماعتی شکل اختیار کرنا عقلاً' فطرتاً اور نقلاً" ہر لحاظ سے معقول بات ہے جس پر اعتراض کرنا قلت تدبر کی علامت ہے اور جماعت کیلئے کسی امیر کا انتخاب بھی ہر اعتبار سے ضروری ہی ہے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ جو دو آدمی بھی سفر کو نکلیں تو ان میں سے ایک امیر قرار دے لیا جائے' جب سادہ سے جسمانی سفر کا یہ حکم ہے تو دشوار و پیچیدہ معنوی سفر کیلئے تو یقیناً یہ حکم زیادہ شدومد سے جاری ہوگا۔

الحاصل اسلام کی روح اجتماعیت کو جاری و ساری کرنے کیلئے ایسی جماعت بنانا جو مقتضیات وقت کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے آسمانی حکم کی بہتر سے بہتر طور پر تعمیل کر سکے' عقل و نقل کا ایک کھلا تقاضا ہے اور مولانا مودودی نے بھی "جماعت اسلامی" کے نام سے ایک جماعت اسی لئے بنائی تھی' آج ان کی جماعت پاکستانی ہو چکی' لیکن اسی نام کی ایک جماعت اپنے ملک میں بھی موجود ہے' ان دونوں جماعتوں میں اگرچہ ضابطہ کا کوئی رشتہ نہیں' لیکن اعلائے کلمۃ الحق' اصلاح معاشرہ' اقامت دین کے مقاصد عظیم کے اعتبار سے ان میں ایک ایسا معنوی و فکری ربط یقیناً موجود ہے' جیسا کہ اب سے تیرہ سو برس قبل کے ایک مرحوم مسلمان' اور آج کے ایک زندہ مسلمان میں۔

( ) پارٹی میں شرکت سے اسلام میں کیا زیادتی ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی پارٹی میں شرکت علامت ہوتی ہے اس بات کی' کہ شریک ہونے والا ایک طرف اس کے نصب العین سے اتفاق رکھتا ہے' جس کیلئے یہ پارٹی بنی ہے' دوسری طرف وہ اس طریق کار سے بھی متفق ہے جو اس پارٹی نے اپنے نصب العین کیلئے تجویز کیا ہے' علاوہ ازیں یہ شرکت مظہر ہوتی ہے اس اندرونی احساس کی' کہ ہمیں مشترکہ مقاصد کیلئے مل جل کر کام کرنا چاہئے' اسی احساس کا نام ہے "احساس اجتماعیت" ' آدمی اگر صرف ان چیزوں تک اپنی دلچسپی کو محدود رکھے' جن کا تعلق اس کے ذاتی و انفرادی سود و زیاں اور ذاتی رنج و راحت سے ہے' اور ایسی چیزوں میں کوئی دلچسپی نہ لے جو اس جیسے اور بہت سے انسانوں سے متعلق ہیں' تو سمجھا جائے گا کہ اس کے اندر واجبی احساس اجتماعیت بھی موجود نہیں ہے' وہ خود غرض' خود پرور اور مفاد پرست ہے' یہی وہ کیفیت ہے جو اسلامی اسپرٹ کی نفی کرتی ہے اور اسی پر تنبیہ کرنے کیلئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ لا اسلام الا بالجماعۃ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں صرف ایک پارٹی تھی۔۔۔ "حزب اللہ" یہ نام قرآن کا دیا ہوا ہے' اس پارٹی میں جو شریک ہوا مسلمان کہلایا اور جو باہر رہا "حزب الشیطان" کا فرد شمار ہوا' آپ دیکھ لیجئے "حزب اللہ" کا ایک ایک فرد کس درجہ "روح اجتماعیت" سے سرشار تھا' میر کارواں کے حکم ہی پر نہیں فقط اشاروں پر ہر رکن جماعت سراپا نیاز' مجسم تعمیل اور تصویر انقیاد تھا' انہیں کوئی چیز مشترکہ مقاصد اور متفق علیہ نصب العین سے زیادہ عزیز نہیں تھی' ایک کے کانٹا چبھتا تھا تو دوسرے سب تڑپ اٹھتے تھے۔

آج مسلمانوں میں متعدد پارٹیاں ہیں' لہذا یہ صورت تو باقی نہیں رہی کہ فلاں پارٹی میں شامل نہ ہوئے تو حزب الشیطان کا فرد بن گئے' ہاں یہ ضرور ہے کہ احیائے دین' اصلاح معاشرہ اور انہدام باطل کی خاطر کام کرنے والی مختلف پارٹیوں میں سے کسی میں شریک ہو جانا' یہ ثابت کرتا ہے کہ اس شخص کے اندر احساس اجتماعیت مرا نہیں۔

مثلاً یوں سمجھئے کہ ایمان ایک غیر مرئی(۱) کیفیت کا نام ہے جو دل و دماغ کے نہاں خانوں میں چھپی رہتی ہے' اب ہم اور آپ جو نماز روزہ کرتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی چیز بجائے خود ایمان نہیں' بلکہ ایمان کا مظہر اور علامت ہے' انہی مظاہر و علائم کا نام اسلام رکھا گیا ہے' کوئی شخص اعمال شرعیہ سے واسطہ نہیں رکھے گا' تو آپ کیلئے یہ فیصلہ دینا مشکل ہو گا کہ اس کے دل و دماغ میں دولت ایمان ہے یا نہیں اور ہے تو کس مقدار اور کیفیت میں ہے؟ ٹھیک اسی طرح ان لوگوں کے بارے میں جو مشترکہ مقاصد کیلئے کسی جماعت میں شرکت نہیں کرتے' اور خود اپنے طور پر بھی کوئی اجتماعی نوعیت کا کام انجام نہیں دیتے' ایسی صورت میں یہ فیصلہ دینا مشکل ہے کہ ان کے اندر اجتماعیت کا احساس زندہ ہے یا نہیں اور ہے تو کس مقدار اور کیفیت میں؟

گویا جماعت میں شرکت کسی اندرونی کیفیت میں اضافے' یا کمی کا موجب نہیں ہوتی' بلکہ اس کیفیت کا مظہر' علامت اور ثبوت ہوتی ہے' البتہ جس طرح اعمال صالحہ ایمان کی کیفیت میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں' اسی طرح کسی جماعت میں شریک ہو کر مشترکہ جدوجہد کرنے کا عمل'

---

(۱) نظر نہ آنے والی۔

احساس اجتماعیت میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

۔ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ آپ کی الجھنیں رفع ہو جائیں' پھر بھی اگر ہمیں کامیابی نہیں ہوئی تو سلسلہ بحث دراز کرنے کی ضرورت نہیں' کافی ہو گا کہ ہم اور آپ ایک دوسرے کیلئے دعا کریں' آپ یہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ عامر عثمانی کو زیادہ بہتر اور موثر طریق پر بات کرنے کا سلیقہ عطا فرمائے' اور ہم یہ دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ذہنی ژولیدگی کو انضباط واصابت میں تبدیل فرماوے۔

(آمین ثم آمین)

("تجلی دیو بند" ستمبر ۱۹۶۳)

جماعت اسلامی اور علمائے کرام

سوال: از محمد اسعد اسرائیلی سنبھل (مراد آباد)

مولانائے محترم السلام علیکم ورحمتہ اللہ

مجھے آپ کی عدیم الفرصتی کا علم ہے۔ مدیر عام طور پر عدیم الفرصت ہی ہوتے ہیں تو "تجلی" جیسے کثیر الاشاعت جریدے کے مدیر محترم کی مصروفیات جان لینا کچھ مشکل نہیں' اس لئے میری یہ معروضات ضرور آپ کے قیمتی وقت میں خلل انداز ہوں گی' لیکن ہم جیسے کوتاہ نظر ذہنی خلجانوں' آپ سے رہنمائی نہ لیں تو کس سے لیں؟

ستمبر کا "تجلی" ملا "تجلی کی ڈاک" کے ذیل میں سب سے پہلے آپ نے ناچیز ہی کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ اسے پڑھ کر میرے ذہن میں فوراً آپ کو ایک معروضہ لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی تھی' لیکن نہ لکھ سکا لیکن اب دیکھا تو ۲۵ ستمبر کے "دعوت" میں بھی اس کو نقل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ کو کچھ معروضات لکھ رہا ہوں۔

اگر میرا سوال وہی فرض کر لیا جائے جس کا جواب آپ نے دیا ہے تو بیشک جواب نہایت صحیح اور آپ کی فکر کی سلامتی کا آئینہ دار ہے' لیکن افسوس ہے کہ میرا سوال وہ نہیں ہے جو آپ خیال فرما رہے ہیں' میں اپنی غلطی کا اعتراف کروں گا کہ میں نے اپنے سوال میں نہایت اختصار کر دیا ہے جس کی وجہ سے میرا مدعا زیادہ واضح نہیں ہے' لیکن یہ سب کچھ "تجلی" کی تنگ دامانی کے پیش نظر کیا تھا' ہر حال میں میرا اصل سوال پیش خدمت ہے۔

میرا سوال یہ نہیں تھا کہ "جماعت اسلامی" اس بات کا رونا کیوں

روتی ہے کہ مسلمان اور علماء بے عمل ہوتے جا رہے ہیں' اس سوال کی لغویت کو میں خود محسوس کرتا ہوں' میرا سوال یہ تھا کہ اگر "جماعت اسلامی" کے رہنماؤں اور کارکنوں سے یہ سوال کیا جائے کہ اسلام کے عمرانی اور سیاسی نظام سے تو تمام "علمائے کرام" واقف ہیں' بلکہ مدرسوں میں جو فقہ پڑھائی جاتی ہے' اس کا فائدہ ہی یہ ہے۔ کہ اس کی وجہ سے' وہ تمام اسلامی قوانین اور اس کے نظام معاشرت سے واقف ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد اپنے طور سے اس بات کی تقریر و تحریر دونوں طرح سے تبلیغ کرتے ہیں اور اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے' پھر ان میں اور "جماعت اسلامی" میں کیا فرق ہے؟ جواب ملتا ہے کہ یہ سب کچھ سہی' علمائے کرام اسلام کے سیاسی و عمرانی نظام کا مطالعہ تو کرتے ہیں لیکن کوئی عملی جدوجہد نہیں کرتے اور ہم اس کے قیام کیلئے کوشش کرتے ہیں۔

بس یہیں سے میری الجھن شروع ہوتی ہے' سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء بھی تو وہی "جماعت اسلامی" والا کام کر رہے ہیں' یعنی اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنما ثابت کرنا' رہنما سمجھنا' پھر آخر ان پر کیوں "عافیت کوش علماء" کا لفظ صادق آتا ہے' "جماعت اسلامی" والے اگر اقامت دین کی راہوں میں کتابوں کے ذریعے بڑھ رہے ہیں تو آخر علماء کیوں ان کے ہمراہی نہیں؟

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میرا سوال صرف ایک الزامی نوعیت کا تھا' آپ نے اسے دوسری نوعیت کا خیال فرمایا ہے' اسی لئے اس کو غیر مربوط محسوس کیا ہے اور اس کے کئی ٹکڑے کر دیئے ہیں' حالانکہ دراصل وہ ایک ہی سوال ہے۔

دراصل آپ نے مجھے جماعت کا کوئی مخالف فرض کر لیا ہے۔ حالانکہ

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ میں جماعت سے اس حد تک متفق ہوں جس سے آگے شاید کوئی حد نہیں ہوتی' وہ سوال صرف ایک وقتی ذہنی خلجان تھا' کوئی اعتراض نہیں تھا' میرے دل میں جماعت کی مساعی کا نہایت احترام ہے اور آپ کو بھی احترام ہی کی نظروں سے دیکھتا ہوں' بلکہ وقتاً فوقتاً آپ پر کئے جانے والے اعتراضات کا دفعیہ کرتا رہتا ہوں' اور جماعت کی حمایت کی وجہ سے تو میرا ہر وقت اپنے مخالف ماحول سے سابقہ ہے' خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ثابت قدم رکھے' شاید میں نے حکومت الٰہیہ کی کوشش کو جو کوامے میں لکھا ہے تو اس کی وجہ سے آپ اس سے کوئی طنز سمجھے ہیں اور اسی وجہ سے حکومت الٰہیہ کے لفظ کی طرف سے مجھے مطمئن کرنا چاہ رہے ہیں۔ حالانکہ مجھے نہ جماعت کے نام پر اعتراض ہے' نہ حکومت الٰہیہ کے لفظ پر' نہ جماعت کی کتابوں کے چھاپنے پر' آپ یقین رکھیں کہ میں اصطلاحات کے چکر میں بالکل الجھا ہوا نہیں' بلکہ اس کے کام کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بہترین طریقہ سمجھتا ہوں' میں کتابوں کو بھی اقامت دین کی راہوں میں مدو معاون سمجھتا ہوں' میرا اصل سوال وہی ہے جو عرض کیا' آپ ذرا غور کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ کتابیں تو دوسرے بھی چھاپ رہے ہیں' جلسے تو دوسرے بھی کر رہے ہیں پھر اقامت دین کی کوشش کا سہرا صرف "جماعت اسلامی" کے سر پر کیوں بندھتا ہے؟

میں نے یہ سوال نہیں کیا کہ "جماعت اسلامی" یہ کہتی ہے کہ علمائے کرام بے عمل ہیں' بلکہ یہ کہا ہے کہ وہ یہ کہتی ہے کہ علمائے کرام اقامت دین کیلئے کوئی کام نہیں کر رہے ہیں۔ "جماعت اسلامی" کر رہی ہے۔ میں یہ پوچھتا

ہوں کہ دونوں میں کون سافرق ہے؟ میں نے اچانک حکومت الہیہ کا ذکر نہیں کر دیا بلکہ پچھلی ہی سطروں سے اس کا ربط ہے اگرچہ اختصار کی وجہ سے تمہید نہیں آسکی! حکومت الہیہ کا لفظ میں نے اعتراضا نہیں بولا تھا' بلکہ صرف سوال کی وضاحت کیلئے' اب سوچئے اگر میرا سوال وہ ہو جو عرض کیا تو مجھے ان جملوں مین اس کا جواب کس طرح مل سکتا ہے؟

"جماعت اسلامی یا کوئی بھی فرد اگر مسلمانوں کی عام بے عملی اور ان کے تساہل و تعطل پر آنسو بہاتا ہے تو اس کا مطلب آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ حکومت الہیہ کے فراق میں رو رہا ہے"

اسی طرح آپ کا جو دوسرا نمبر ہے۔ اس سے مجھے کیا تشفی ہو سکتی ہے' تیسرا نمبر جو آپ نے ڈالا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ علماء بھی تو یہی کام کر رہے ہیں پھر جماعت کی تشکیل کا اس کے علاوہ دوسرا نفع کیا ہے؟

اس کے علاوہ چند باتیں اور بھی ہیں۔ میں نے اپنے سوال میں یہ عرض کیا تھا' جہاں تک نظم و انضباط کا تعلق ہے "ہندوستان" میں بہتیری جماعتیں ہیں پھر آج کل نئی جماعتیں کیوں بنائی جاتی ہیں' بہت زیادہ اختصار کی وجہ سے یہ بات زیادہ واضح نہیں ہو سکی' دوسری بات یہ کہی تھی کہ اس جماعت سے نظم کے علاوہ جو دوسرا فائدہ ہو رہا ہے وہ تو علماء بھی کر رہے ہیں پھر اسی کے سر سہرا کیوں بندھ رہا ہے؟

"اسلامی اجتماعیت کی روح" کے الفاظ شاید میرے تھے قوسین میں جو رسائل و مسائل کا حوالہ لکھ دیا ہے وہ سوال کے آخر میں تھا' آپ کو شاید اس وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہوگی' کہ حوالہ میں نے سطر کے اوپر لکھا ہوگا' آپ نے

اسے دوسری سطر سے ملحق سمجھ لیا ہوگا یا پھر مجھ ہی سے فروگزاشت ہوئی ہوگی۔

آپ نے نمبر۴ ڈال کر جو جواب دیا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ وہ سوال میں نے مولانا مودودی کے الفاظ اور آپ کے طرز عمل کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا تھا' سوچتا ہوں کہ آپ نے کسی جماعت کو اختیار کیوں نہیں کیا۔ کیا آپ مولانا مودودی کے الفاظ میں "جاہلی زندگی" میں مبتلا ہیں؟ اگر آپ کے بقول جماعت میں شامل ہونا احساس اجتماعیت کا مظہر ہے تو مولانا مودودی مدظلہ' انفرادی زندگی گزارنے والے کو جاہلی زندگی میں مبتلا کیوں کہہ رہے ہیں اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود جماعت میں شامل نہ ہونا ہی جاہلی زندگی میں رہنا ہے نہ کہ یہ کہ جماعت میں شامل ہونے سے احساس اجتماعیت کا ثبوت مل جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرنے میں واقعی نقص ہوا' دراصل میں نے اپنی یادداشت ہی سے لکھ دیا تھا۔ بہرحال آپ کی یاددہانی پر مشکور ہوں۔

اگر آپ میرے اس معروضہ کی تلخیص کرکے ایک بار "تجلی کی ڈاک" میں جواب دینے کی زحمت گوارا فرمالیں' تو ممنون و مشکور ہوں گا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

وحید الدین صاحب نے جو جماعت سے استعفا دینے کے بعد "الفرقان لکھنؤ" میں دو مضمون لکھے' اجلاس کے بعد اب ان کی ضخیم کتاب "تعبیر کی غلطی" منظر عام پر آگئی ہے آپ نے اس کا نوٹس کیوں نہیں لیا؟ مجھے آپ کی ذہانت اور تفقہ پر پورا اطمینان ہے' اگر کبھی آپ نے اس پر کچھ لکھا تو شکوک و شبہات کی تمام گرہیں کھول دینے والا ہوگا۔ اللہ' اللہ "برہان" کے اداریوں کا جو جواب آپ نے دیا تھا وہ یقیناً" ایک یادگار کارنامہ رہے گا۔

بہرحال میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر قلم اٹھائیں۔ دراصل جب تک "تجلی" میں کچھ نہیں آتا' ادھر ادھر کے مضامین سے نہ کماحقہ' تشفی ہوتی ہے نہ جی بھرتا ہے۔ فی الواقع "تجلی" تاریکیوں میں ایک چراغ ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ یہ کج فہمی اور دھاندلی دور ہو اور "تجلی" اندھیروں میں سینہ تانے جلتا رہے۔

جواب :

سوال کی جو شکل اب آپ نے پیش کی ہے وہ بھی ایسی تو نہ تھی کہ دماغ پر تھوڑا سا زور ڈال کر آپ خود ہی اس کا جواب نہ پا سکتے' میرا خیال ہے آپ نے درس نظامی کے کسی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی ہے' ورنہ یہ تصور ہی آپ کے دماغ میں پیدا نہیں ہو سکتا تھا' کہ اسلام کے سیاسی و عمرانی نظام کے مسئلہ میں "جماعت اسلامی" اور اس کے مخالف علماء ایک ہی پوزیشن میں ہیں' اللہ اللہ کیجئے' میں نے پورا درس نظامی پڑھا ہے اور اس شہرہ آفاق مدرسے میں پڑھا ہے جسے دنیا "دارالعلوم دیوبند" کے نام نامی سے یاد کرتی ہے' میرے اکثر اساتذہ بھی اپنے اپنے وقت کے خواص ہی تھے' ان کی دینداری' صلاحیت اور علمی استعداد پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی' لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ علوم اسلامیہ کے تمام شعبوں میں سیاست و عمرانیات کا شعبہ ہی وہ یتیم و یسیر شعبہ ہے جسے کوئی حقیقی اہمیت اس نصاب اور اس نصاب کے معلمین کی ذہنی بارگاہ میں حاصل نہیں ہے' یہاں ہر طرح کی فقہی اور فنی بحثیں زور شور سے ہوتی ہیں۔ فاتحہ خلف الامام' آمین بالجہر' رفع یدین' مسح علی الخفین' اور اسی نوع کے بیشمار مسائل پر فقاہت کے دریا بہا دیئے جاتے ہیں۔ وہ منطق اور فلسفہ بھی یہاں توجہ سے پڑھایا جاتا ہے جس کی عمر طبعی ختم

ہو چکی' علوم حدیث' علوم صرف و نحو' علوم تفسیر بھی یہاں خوب موجود ہیں' لیکن اسلام کو ایک سیاسی و عمرانی نظام' ایک زندہ تحریک' ایک ہمہ گیر انقلابی پیغام کی حیثیت سے پیش کرنے' اس کے خدوخال نکھارنے' اس کی کوئی واضح تصویر طلباء کے دماغوں میں اتارنے' اور اس کی خاطر عملی جدوجہد کا داعیہ پیدا کرنے کا ولولہ' تو کیا ارادہ اور تصور بھی یہاں دور دور نہیں پایا جاتا۔ عمرانی و سیاسی نظام کی جزئیات کا تذکرہ اگر کبھی اسباق میں آئے گا بھی تو محض ذیلی و ضمنی طور پر اور ایک ایسی کہانی کی حیثیت سے جو صرف سننے اور سر دھننے کیلئے ہے' عملی دنیا اور حال کے مسائل سے اس کا کوئی زندہ تعلق نہیں' زبان سے کچھ بھی کہا جائے' لیکن ذہن یہی بن گیا ہے کہ قرآن و حدیث میں وارد شدہ وہ تمام قوانین جو کسی اسلامی حکومت ہی میں کار آمد ہو سکتے ہیں' دراصل ایسے قوانین ہیں کہ اگر آسمان ہی سے اسلامی حکومت مسلمانوں کی جھولی میں آپڑے تو وہ ان سے کام لے لیں' ورنہ اسلامی اقتدار کیلئے عملی جدوجہد اور اسلامی معاشرہ برپا کرنے کی کوشش دینی فریضہ ہرگز نہیں ہے۔۔۔ فریضہ تو درکنار اکثر و بیشتر علماء کے نزدیک تو ایسی کوشش ایک مکروہ قسم کا کام متصور ہوتی ہے' جس سے کسی اللہ والے کو واسطہ نہیں رکھنا چاہیے' زبانیں گو کہ ابھی تک صاف صاف یہ کہنے میں جھجک محسوس کر رہی ہیں کہ دین و سیاست دو الگ چیزیں ہیں لیکن جما ہوا اکثر علماء و اساتذہ کے قلوب و اذہان میں یہی تصور ہے کہ سیاست تو فقط دنیاداری ہے اور دین تمام کا تمام تسبیح و مصلّیٰ اور یکسر غیر سیاسی معاملات ہی میں محدود ہے' دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ جذبے اور فکر و احساس کی تمام پہنائیوں پر گھنگور گھٹاؤں کی طرح دین کا ایسا تصور مستولی ہو چکا ہے جس کے مزاج و طبیعت کے تعارف کیلئے شاید "خانقاہیت" سے بہتر کوئی لفظ نہیں' خدا

کے فضل سے رسول ﷺ کی محبت' صحابہ کی عقیدت' نماز روزے کی لگن' اور فضائل اعمال کا شغف علماء کے دائرے میں خاصی مقدار میں موجود ہے' اپنی دنیا اور آخرت سنوارنے کی فکر' اپنے اہل و عیال کے آرام و راحت کا داعیہ' اپنے اردگرد کی عفونتوں سے اشکراہ' اپنی مساجد' اپنے اوقاف اپنی درگاہوں اپنی درسگاہوں اور اپنے قومی و ملکی حقوق کا خیال و احساس بھی مردہ نہیں ہوا ہے۔ لیکن وہ انمول جوہر خال خال بھی نہیں ملتا' جسے تاریخ کی چشم بصیرت پیغمبر ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں ایک تپیدہ و بے تاب روح کی طرح جاری و ساری دیکھتی ہے۔ یہ جوہر کیا تھا۔۔۔اسلام کا غم۔۔۔ صرف اسلام کا غم جان و مال' ماں باپ اور اہل و اعیال کی محبت کو ثانوی درجے میں ڈالدینے والا' وہ جنون جس کے سیل رواں میں ان بندگان اسلام کا ہر جذبہ' ہر احساس ہر خیال و تصور تنکے کی طرح بہہ گیا تھا۔ وہ دیوانے تھے تو اسلام کے۔ وہ جیتے اور مرتے تھے تو اسلام کیلئے۔ اسلام کے تن مقدس پر ہلکی سی خراش بھی پہنچے تو وہ اس طرح تڑپ اٹھتے تھے' جیسے ایک شفیق باپ اکلوتے بیٹے کو مجروح دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے' انہیں سودا تھا تو یہ کہ اسلام کا کلمہ بلند ہو' اسلام غالب و معزز رہے۔ انہیں لگن تھی تو یہ کہ عزت و اقتدار کی ہر مسند اسلام ہی کے قدموں میں لاڈالیں۔

بتاؤ آج بھی کیا کسی جنید وقت اور علامہ زماں کو تم اس درد سے تڑپتا دیکھتے ہو' کہ اسلام مغلوب و مقہور ہے' کیا کسی آنکھ میں آنسو فقط اس لئے بھی تمہیں نظر آیا کہ اسلام کی مظلومیت سے کلیجہ منہ کو آگیا تھا' دوزخ کے ڈر اور جنت کی طلب میں پیشانیوں کو **داغہا** ئے سجود اور راتوں کو ذکر و تسبیح سے منور کرلینا اور بات ہے' لیکن نفس اسلام کی محبت کو رگ و پے میں اس طرح سمولینا

جس طرح اپنی جان اور مال اور اولاد کی محبت نس نس میں سمائی ہوتی ہے بالکل دوسری بات۔

حاشاو کلا اس داستان سرائی کا مقصود کسی پر الزام تراشنا نہیں۔ طنز و تعریض سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں' یہ تو وہ حقائق ہیں جنہیں کوئی بھی ذہین اور ہوشمند طالب علم ہر عربی درسگاہ میں' اور ہر صاحب الرائے علماء و صلحاء کی اکثر و بیشتر مجالس میں واشگاف دیکھ سکتا ہے' بعض اساتذہ صلحاء تو ذہنی رہبانیت کے اس ارذل نقطے تک پہنچ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا' اور سیاسی و عمرانی سرگرمیوں کا منصب نبوت سے کوئی داخلی اور مقصدی رشتہ تھا ہی نہیں' وہ تو مدزائد ہیں' جنہیں فقط حالات کی مجبوری کا ثمرہ سمجھنا چاہئے' اور خلافت راشدہ بھی دین سے کوئی طبعی اور جوہری رابطہ نہیں رکھتی' بلکہ عیاذاً باللہ زوائد میں سے ہے' اس زہریلے اور متعفن تصور کیلئے قرآن و سنت میں بلا سے کوئی بنیاد نہ ہو' لیکن جب آدمی اپنی خواہشات اور خود رائی کو قاضی بنانے پر تل جاتا ہے تو پھر بنیادیں تو ہزار وہ خود گھڑ لیتا ہے۔

بتایئے انداز فکر اگر یہ' یا اس سے ملتا جلتا ہو' تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اور "جماعت اسلامی" کے انداز فکر میں صریح تخالف نہیں ہے۔

جہاں تک صرف علم کا سوال ہے ہم نہیں کہتے کہ اسلامی نظام سیاست کے بارے میں "جماعت اسلامی" کو دوسروں سے کچھ زیادہ علم حاصل ہے' علم تو شاید مخالف علماء ہی کے پاس زیادہ ہو' لیکن فقط علم سے کیا ہوتا ہے آپ کو ہزار علم ہو کہ ہوائی جہاز کن کن پرزوں سے ترتیب پاتا ہے لیکن جب تک آپ تمام پرزے مہیا کر کے انہیں صحیح طور پر جوڑیں نہیں' کیا خالی علم سے

ہوائی سفر طے ہو جائے گا' علماء کو خوب معلوم ہے کہ اسلامی حکومت کیا چیز ہے۔ اسلامی معاشرہ کسے کہتے ہیں۔ سیاست اسلامیہ کے اجزا کیا ہیں؟ لیکن وہ اس کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے کہ اینٹ اور پتھر کی دنیا میں بھی اس علم کی آزمائش کریں' ارادہ تو درکنار وہ یہ وثوق ہی کھو چکے ہیں کہ ٹھوس معنوں میں غلبہ اسلام کی کوشش کرنا کوئی دینی کام ہے۔ زبان سے جب وہ کہتے ہیں کہ "اسلام زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے" تو دراصل یہ ایک رٹا ہوا جملہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہوتا ہے جس کیلئے ان کے اعمال و اطوار میں کوئی شہادت نہیں' خالی زبانی جمع خرچ تو ایک سوئی میں دھاگہ بھی نہیں ڈال سکتی' ہم رٹتے جائیں کہ اسلام یوں ہے اور اسلام ووں ہے لیکن دنیا' حالات' قسمت اور مشیت سب کے سب ہماری اس شیوہ بیانی پر قہقہے لگائے جائیں گے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ "جماعت اسلامی" ہی نے اقامت دین اور غلبہ اسلام کو نصب العین قرار دے کر کون سا تیر مارا ہے' کیا پہاڑ ڈھائے ہیں کس برائی کو ختم کیا ہے اور قوم کے کس ضعف کو قوت میں بدلا ہے؟

ہم کہیں گے کہ اعتراض کرنے والے کو خدا سے ڈرنا چاہئے' انسان فقط اپنی طاقت کی حد تک مکلف ہے۔ حضرت اسماعیل شہید علیہ الرحمہ بظاہر اپنے مقصد میں ناکام رہ کر اللہ کو پیارے ہوئے۔ طاغوت کا غلبہ جوں کا توں رہا' لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی شہادت بیکار گئی اور ان کے جہاد کی کوئی قیمت نہیں۔

"جماعت اسلامی" کے نام پر چند مٹھی بھر آدمی عمل سے اس دعوے کی شہادت پیش کرنے اٹھتے ہیں' کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں نہ صرف رہنما ہے بلکہ تنہا وہی ہے جس کی رہنمائی فلاح و سربلندی کی طرف لے جا سکتی ہے'

اب یہ زندگی' یہ دنیا' دو بالشت کی تو نہیں تھی کہ یہ مٹھی بھر آدمی اسے توڑ مروڑ کر اپنے مطلوبہ سانچے میں ڈھال لیتے ضرورت تھی کہ تمام بندگان اسلام اس جدوجہد میں ان کا ساتھ دیتے' ان کی ہمنوائی کرتے اور فکر و عمل میں کوئی خامی پاتے تو اس کی بھی اصلاح کرتے جاتے' پھر آویزش ہوتی' حق اور باطل ٹکراتے' آزمائشیں طوق و سلاسل کی جھنکاریں لئے اٹھ کھڑی ہوتیں' شدائد کے جھکڑ چلتے' عزم و ثبات آزمائے جاتے' ابتلا کی بھٹی میں محبت کی متاع تپائی جاتی کہ دیکھیں کتنا اس میں تانبا ہے اور کتنا سونا (ولنبلونکم بشیٍٔ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس و الثمرات) تب کہیں جاکر نتائج بر آمد ہوتے۔ یہی ہمیشہ ہوتا آیا ہے یہی ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ خدا کا سب سے برگزیدہ رسول ﷺ بھی زہرہ گداز آزمائشوں کی گھاٹیوں سے گزرے بغیر منازل کامرانی تک نہیں پہنچ سکا' پھر بھلا کوئی اور ہنستے کھیلتے راہ حق میں کیسے آگے بڑھ سکے گا' کتنے ہی انبیاء ایسے گزرے ہیں کہ زندگی بھر وہ شدائد جھیلتے رہے' زخم پر زخم کھاتے رہے' لیکن معدودے چند افراد کے سوا کسی نے ان کی دعوت پر لبیک نہیں کہا۔ لبیک کہنا تو کجا انہیں اذیتیں دیں' ان کا مذاق اڑایا' ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ کچھ ایسی ہی روش ہماری قوم کے اکثر و بیشتر افراد نے اس دعوت اور تحریک کے بارے میں اختیار کی ہے جسے "جماعت اسلامی" لے کر اٹھی ہے۔ یہ دعوت نئی نہیں۔ ازل سے آج تک انبیاء و رسل اور صلحاء و مجددین اسی دعوت کو لے کر اٹھتے رہے ہیں اور اس کا استقبال ہمیشہ عناد و مخاصمت اور اتہام و افترا ہی سے کیا گیا ہے۔ پھر بھلا کیا کوئی دریدہ دہن یہ کہے گا کہ قصوروار وہ انبیاء اور مصلحین تھے جن کی جدوجہد کوئی انقلاب نہ لا سکی یا یہ کہنا موزوں ہو گا کہ قصوروار وہ ہیں جنہوں نے دعوت حق کا ساتھ

نہیں دیا جنہوں نے حق کو تعاون دینے کے عوض اس کا راستہ روکا' جن کے دل و دماغ اور زبان و قلم الزام تراشیوں' دروغ بافیوں اور تفرقہ اندوزیوں ہی میں منہمک رہے۔

اسلام کو غالب و مقتدر کرنا معمولی کام تو کبھی نہیں تھا' لیکن اب یہ مشکل سے مشکل تر بنتا جارہا ہے۔ باطل اتنا قوی' اتنا چالاک اور اس درجہ غالب و حاوی ہوچکا ہے کہ اقامت دین کے رخ پر ایک قدم چلنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ شاید اسی لئے بڑے بڑے علماء و صلحاء تک میں سوچنے کا خانقاہی ڈھنگ زیادہ سے زیادہ مقبول ہوتا جارہا ہے' اور یہ سرتاسر باطل خیال دل و دماغ میں خوب پنجے گاڑ چکا ہے کہ سیاست و اقتدار محض بکواس ہے۔ مسلمان کو زیادہ سے زیادہ اتنی ہی جدوجہد کرلینی چاہئے کہ حکومت وقت نظام عبادت میں خلل نہ ڈالے اور عزت سے دو روٹی ملتی رہیں۔

ہم سے پوچھئے تو "جماعت اسلامی" کے وجود کا یہی فائدہ کچھ کم نہیں ہے کہ اس نے ایک طرف مغربی افکار کی جارحیت کے آگے عقل و استدلال کے بند باندھے ہیں' طلسم مرعوبیت کی دیواریں ڈھائی ہیں' تہذیب نوی کی جگمگاتی ہوئی ظلمتوں کا چیلنج قبول کیا ہے' اور دوسری طرف رہبانیت نواز خانقاہیت اور یک رخے تصوف کے اس سیلاب کے آگے پشتے بنائے ہیں جسے شریعت قبوری کے حاملین' اور رہبانیت کے مبلغین' پوری امت پر پھیلادینا چاہتے ہیں۔ "مادی سطح پر "جماعت اسلامی" کچھ بھی نہ کرسکے' مگر اس کے دم سے اسلام کا ایک جامع اور کامل تصور زندہ ہی باقی رہ جائے تو یہی اتنا بڑا کام ہے کہ سوائے خدا کے کسی میں اس کی مزد (اجرت) ادا کرنیکی استطاعت نہیں"۔

اس طول بیانی کا لب لباب یہ نکلا کہ "جماعت اسلامی" اور مخالفین کے مابین فرق علم و معلومات کا نہیں' انداز نظر کا ہے' مقصد اور منتہائے نگاہ کا ہے' ذہنیت اور فکری رخ کا ہے۔ جماعت اسلامی مقصد قرار دیتی ہے دین کے ہمہ جہتی غلبہ و نفاذ کو' اور عبادت و اخلاق کا پورا نظام اس کے نزدیک اس مقصد عظمیٰ کے وسائل و مبانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف علمائے عہد حاضر کی تقریباً پوری قوم (الاماشاء اللہ) اس مقصد کو عظمیٰ تو کیا' سرے سے مقصد ہی نہیں مانتی' بلکہ حصول جنت کی انفرادی کوششوں اور حور و قصور کے حصول کی خاطر لگائی جانے والی روحانی جستوں ہی کو مقصد' نصب العین اور حاصل دین قرار دیتی ہے۔

کیا اب بھی آپ سوال کریں گے کہ علماء کو "عافیت کوش" کیوں کہا جاتا ہے اور "جماعت اسلامی" سے وہ کیوں جدا ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جب بنیادی اسلوب فکر بدل جائے تو علم و معلومات کا ایک ہی خزانہ اور دلائل کا ایک ہی سلسلہ قطعی مختلف نتائج تک پہنچاتا ہے' شرعی احکام کے ماخذ و مصادر دونوں گروہوں کے یہاں ایک ہی ہیں' وہ ائمہ وراہنما بھی ایک ہی ہیں جن کے تفقہ اور اجتہاد پر دونوں کو اعتماد ہے' لیکن گوناگوں داخلی اور خارجی عوامل کے باعث دونوں کے فکری زاویے مختلف ہوگئے ہیں اور اسی لئے وہ ایک دوسرے سے قریب نہیں آتے' قصور شاید کچھ "جماعت اسلامی" کا بھی ہو' لیکن جارح اور حملہ آور کی پوزیشن صریح طور پر فریق ثانی ہی نے اختیار کر رکھی ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ جلسے تو دوسرے بھی کر رہے ہیں' کتابیں تو دوسرے بھی چھاپ رہے ہیں پھر ان میں اور "جماعت" میں کیا فرق رہا؟ --- پھر کیوں

اقامت دین کی کوشش کا سہرا جماعت ہی کے سر باندھا جا رہا ہے؟

اس سوال کا جواب اگرچہ اوپر کی تقریر میں آچکا لیکن چند مثالوں سے بھی اسے سمجھنے کی زحمت فرمائیں' بیس پچیس آدمی بذریعہ ریل "دہلی" سے "بمبئی" جا رہے ہیں' چند کا مقصود سفر یہ ہے کہ ایک فلمی تقریب میں شرکت کریں گے' اور اس کے بعد فلاں کلب مین فلاں ولایتی رقاصہ کا عریاں ڈانس دیکھیں گے' چند کی نیت یہ ہے کہ وہاں کے بعض تاجروں سے کاروباری معاملات طے کر کے اپنی تجارت کو فروغ دیں گے' چند اس لئے چلے ہیں کہ وہاں کسی علاقے میں انہیں غریبوں کیلئے اسپتال قائم کروانا ہے' اور فلاں یتیم خانے کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالنا ہے' چند کے پیش نظر ان مصیبت زدوں کی امداد ہے جنہیں ابھی کچھ روز ہوئے زلزلے نے تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔

اب ظاہر ہے سفر کرنے کے فعل و عمل میں تو یہ سب برابر ہیں' فاصلہ بھی یکساں اور ذریعہ سفر بھی ایک ہی ہے' دوران سفر ان کے مشاغل بھی کوئی بنیادی فرق نہیں رکھتے' اسٹیشنوں سے ماکولات خرید کر کھانا چائے اور شربت پینا' باتیں کر کے اور کتابیں پڑھ کر وقت کاٹنا' ان مشاغل میں ان کے مابین کوئی مخالفت نہیں' لیکن کیا اس صوری ہمرنگی و یکسانی کے باوجود کوئی ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ ان سب کے سفر کی اخلاقی قدر و قیمت اور معنوی نوعیت یکساں ہے؟

دوسری مثال لیجئے ایک مشہور واعظ پانچ سو میل کا سفر کر کے کسی عظیم الشان جلسہ سیرت میں شریک ہوتا ہے اور اپنی مرصع خطابت سے دھوم مچا دیتا ہے۔ آیات و احادیث لطائف و معارف اور طلاقت لسانی سے بھرپور وعظ پر لوگ جھوم جھوم اٹھتے ہیں واہ واہ اور زندہ باد کی موسلا دھار بارش ہو جاتی ہے۔

دوسرا واعظ فقط سو میل سے آیا ہے۔ وہ زیادہ مشہور بھی نہیں اور اس کی خطابت میں اتنا زور' ایسی روانی' اس درجہ دل کشی اور اس آن بان کی جاذبیت بھی نہیں۔ مجمع سن ضرور لیتا ہے مگر پھڑک نہیں پاتا۔

اب فرمایئے کام تو دونوں واعظوں نے ایک ہی کیا ہے یعنی مجمع سے خطاب اور اپنے خیالات کا ابلاغ' مگر کیا آپ کہیں گے کہ حقدار بھی دونوں ایک ہی جیسے انعام کے ہیں؟— بدیہی بات ہے کہ ظاہر کے اعتبار سے تو آپ اول الذکر کو نمایاں فوقیت دیں گے اور حاضرین جلسہ بھی اول الذکر ہی کی شان میں بیش از بیش قصائد پڑھیں گے۔

لیکن ذرا اب ان دونوں کے اندرون میں بھی جھانک کر دیکھئے' پہلے بزرگ اس وقت عازم سفر ہوئے تھے جب جلسہ منعقد کرنیوالوں کی طرف سے خاطر خواہ زاد سفر مہیا کر دیا گیا تھا۔ پھر سیکنڈ کلاس کی نرم و گداز کوچ پر استراحت فرماتے ہوئے ان کا ذہن بس اس تگ و دو میں سرگرداں رہا تھا کہ کن کن آیات و احادیث اور کن کرامات الصالحین اور لطائف و نکات کو کس پرواز اور اسلوب سے پیش کرنا ہے تاکہ مجمع مسحور و مسخر ہو کر رہ جائے' اور دنیا یقین کر لے کہ مجھ سے بہتر خطیب و واعظ ملک بھر میں کوئی نہیں ہے' یہ خیال تو ان کے دل میں ایک بار بھی نہیں آیا کہ فی الاصل وہ امراض اور مفاسد کیا ہیں جنہوں نے قوم و ملت کو فسانہ عبرت بنا کر رکھ دیا ہے اور ان کا معالجہ کس نوع کی تعلیم و تبلیغ سے ممکن ہے' وہ تو فقط اس تخیل میں گم رہے کہ کس طرح گزشتہ سال سے بھی بڑھ چڑھ کر عقیدتوں کا رجوع اس سال حاصل ہو اور کیسی لچھے دار تقریر اس بار کی جائے کہ لوگ تمام دوسرے مقرروں کو بھول جائیں۔

دوسرے صاحب تھرڈ کلاس میں دھکے کھاتے آئے تھے اور اپنے

دیہات سے ریلوے اسٹیشن تک انہیں پیدل بھی چلنا پڑا تھا' پھر راستے بھر صرف ایک ہی فکر و خیال ان کے قلب و ذہن پر مسلط رہا کہ قوم و ملت کے روز افزوں امراض اور غفلت و انحطاط کا درماں کیا ہو؟ کیسے اسے سلامتی کی راہ پر لایا جائے اور کن تعلیمات پر زور دیا جائے کہ عامتہ المسلمین کی ناگفتہ اخلاقی حالت بدلے؟ اسی ذہنی تب و تاب اور جگر سوزی میں تمام راستہ کٹ گیا اور انہیں یہ تک احساس کرنے کی ذہنی مہلت نہ مل سکی' کہ کھردری اور سخت سیٹ نے ان کے بدن کو چسکا دیا ہے' پھر وہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو عظیم الشان پنڈال کی نظر افروز سجاوٹ اور سلیقے سے فٹ کئے ہوئے بیشمار برقی قمقموں کی جگمگاہٹ' ان کے اندر انبساط و کیف کی لہریں پیدا کرنے کے عوض' اس درد انگیز احساس کو بیدار کر گئی کہ ٹیپ ٹاپ اور آرائش پر یہ بیشمار اسراف وہ قوم کر رہی ہے جس کے بیشمار ضروری ترین کام سرمائے کی قلت کے باعث رکے پڑے ہیں' جس کے بچوں کیلئے پورے ملک میں اپنی مادری زبان کی ایک یونیورسٹی بھی نہیں' جس کی نئی پود یا تو جاہلوں کی تعداد میں اضافہ کر رہی ہے یا پھر اس کے دماغوں میں علم کے نام سے وہ متعفن تاریکیاں اتاری جا رہی ہیں' جو دین و اخلاق کی ایک ایک کرن کو اژدہے کی طرح نگل جائیں گی' تقریر کے دوران انہوں نے وجد انگیز لطائف اور نشہ آمیز کرامتیں بھی نہیں دہرائیں' بلکہ دردمندی کے سوز میں ڈوبی ہوئی چند سادہ باتیں سادہ انداز میں کہیں' اور فقط اس پر زور دیا کہ باتیں بنانے اور محفلیں سجانے کے عوض ان سیدھی سادی صداقتوں اور صاف و سادہ بھلائیوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرو' جن کا تمہیں علم ہے اور جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر یہ جلسے' یہ مرصع وعظ' یہ درود و نعت کے غلغلے' یہ حب رسول ؐ کے نعرے' یہ اولیاء و صالحین

کے تذکرے اور یہ ساری ہاؤ ہو' وقت اور قوت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

فرمایئے کیا کوئی بھی حقیقت شناس انسان کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں واعظین میں ظاہر کے اعتبار سے مقام و مرتبے کی جو ترتیب سمجھ میں آرہی تھی وہی عنداللہ بھی مقبول ہوگی؟ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ پہلے واعظ کی تمام طمطراقیاں اور شہرت و مقبولیت بارگاہ ایزدی میں ایک مٹھی بھر جَو کی قیمت بھی نہیں رکھتیں' جبکہ دوسرے واعظ کا ہر سانس میزان آخرت میں انشاءاللہ لعل و جواہر کے باٹوں سے تلنے والا ہے۔

یہی معاملہ تحریر و تصنیف کا ہے۔ دو کتابیں علمی و لٹریری اعتبار سے چاہے یکساں ہوں لیکن عنداللہ ان کی قدر و قیمت اس جذبہ و احساس کی بنیاد پر معین ہوگی جو قلم پکڑنے کا محرک بنا ہے۔ ایک تصنیف خواہ علم و فن کے میزان میں کتنی ہی بھاری بھرکم ہو' دنیا اسے چاہے کتنا ہی سراہے۔۔۔ یہاں تک کہ خواہ وہ سیرت نبوی ﷺ یا صحابہ و اتقیاء کے تذکار ہی پر مشتمل کیوں نہ ہو' لیکن وہ بارگاہ ایزدی میں کوئی معتدبہ قیمت نہیں رکھتی' اگر اس کو تصنیف کرتے ہوئے مصنف کے ذہن میں صرف شہرت' صرف مالی منفعت یا صرف داد و تحسین کی حرص' اور خود کو بہترین مصنف ثابت کرنے کا داعیہ کار فرما رہا ہو۔ اس کے برخلاف وہ تصنیف عنداللہ بڑے انعام کی مستحق ٹھیرے گی جو اس لئے وجود میں آئی ہو' کہ مصنف نے دین و ملت کیلئے اسے مفید خیال کیا تھا' اور اس کے ذریعہ کسی اہم اسلامی قدر کا تحفظ کیا گیا۔

فوجی تعلیم و تربیت اس لشکر کے سپاہی بھی حاصل کرتے ہیں جسے اس مقصد سے ترتیب دیا گیا ہو' کہ پڑوسی ملک پر قبضہ کرکے اس کی دولت پر ہاتھ صاف کیا جائے اور یہی فوجی تعلیم و تربیت اس فوج کے سپاہی بھی حاصل کرتے

ہیں جو اس لئے بنائی گئی ہو کہ ٹھیک "سنت نبوی" کی روشنی میں ملک و ملت کی پاسبانی کرے' اور بد طینت دشمنوں کو ایک قدم آگے نہ بڑھنے دے۔۔۔۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں طرح کے سپاہیوں کی حیثیت آخرت میں ایک ہی جیسی ہوگی؟

بات لمبی ضرور ہو گئی لیکن مجھے امید ہے کہ آپ کی اور دوسرے بہت سے حضرات کی الجھن رفع ہو گئی ہوگی' اب جماعت میں میری عدم شرکت کے بارے میں بھی سن لیجئے الحمدللہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو "جماعت اسلامی" کا رکن بننے سے اس لئے گھبراتے ہوں کہ حکومت اور ابنائے وطن کی نگاہ میں یہ جماعت مبغوض و مردود ہے' اور جب چاہے اس کے شرکاء کو مقدمہ چلائے بغیر بھی جیلوں میں ڈالا جاسکتا ہے' جسمانی اعتبار سے میں ایک نہایت کمزور انسان ہوں لیکن جس خدا پر مجھے بھروسہ ہے وہ اتنا قوی اور مقتدر ہے کہ اس کی نصرت و عنایت کے "وثوق کامل" نے مجھے مستقبل کے خطرات اور زندان و سلاسل کی صعوبتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

بس سچی اور لاگ لپیٹ سے معریٰ بات یہ ہے کہ جماعت کا رکن بننے کیلئے جن اوصاف کی ضرورت ہے مجھ کم نصیب کو وہ کما حقہ حاصل نہیں ہیں۔ ہر شخص اپنی حالت کو خود بہتر سمجھ سکتا ہے۔ میں اپنے کو ان اعلیٰ ذہنی و عملی صلاحیتوں میں کوتاہ پاتا ہوں' جن کے بغیر جماعت میں شامل ہونا اس کے اونچے معیار کو داغدار بنانا ہے۔

لیکن یہ آپ نے غلط سمجھا کہ شامل نہ ہونے کے باعث مجھ پر اس "جاہلی زندگی" کا اطلاق ہو جائے گا جس کی مضرتوں سے مولانا مودودی نے بارہا آگاہ کیا ہے آپ متعلقہ مقامات کو غور سے دیکھیں' مولانا کا منشایہ ہرگز نہیں

ہے کہ ہر اس شخص کی زندگی "جاہلی زندگی" ہے جو باقاعدہ کسی جماعت کا رکن نہیں بنا ہے۔ مولانا کا منشا یہ ہے کہ انفرادیت میں گم مت ہو جاؤ' بلکہ اس حیثیت کا احساس کرو جو ایک مقصدی جماعت اور ایک مامور امت کا فرد ہونے کے ناطے تمہیں حاصل ہے' یہ احساس لازماً" تقاضا کرتا ہے کہ ذاتی و انفرادی معاملات میں شریعت کی پوری پیروی کرنے کے علاوہ اسلام کے اجتماعی و عمرانی پہلوؤں پر بھی توجہ دو' اور طاغوت کی زیردستی پر صبرو قناعت کرنے کے عوض یہ سعی وجہد جاری رکھو' کہ اسلام کو بالادستی حاصل ہو۔ بالادستی سے مراد فقط سیاسی غلبہ نہیں' بلکہ مہد سے لحد تک انفرادی اور اجتماعی دائروں میں جو بھی مراحل آتے ہیں سب میں اسلام ہی کو حاکم' قاضی' مقتدا اور تخت نشین بنا دینا حقیقی بالادستی ہے۔ یہ سعی و جہد منظم ہونی چاہئے' کیونکہ تنظیم کے بغیر محنت کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے' اور تنظیم ہی کا دوسرا نام جماعت ہے' میں یا کوئی بھی شخص اگر جماعت کی باقاعدہ شرکت سے گریزاں رہتا ہے تو ہے یہ یقیناً" بری بات' لیکن اسے جاہلیت سے تعبیر نہ کر سکیں گے' اگر یہ شخص اپنے طور پر غلبہ اسلام کے کاز کو تقویت دے رہا ہو اور انفرادیت میں گم ہونے کی بجائے اسلام کے جامع تصور کی خدمت کر رہا ہو۔

یوں بھی سوچئے کہ ہر جوان تو فوج میں بھرتی کر لئے جانے کا اہل نہیں ہوتا' حالیہ فوجی بھرتی میں بمشکل چند فیصد جوان ایسے نکل رہے ہیں جنہیں میدان جنگ میں لے جایا جا سکتا ہے' باقی کا حال یہ ہے کہ اگر انہیں ہتھیار دے کر میدان وغا میں بھیج دیا جائے تو جسمانی نااہلیتوں کے باعث اپنا بھی بیڑا غرق کر کے رکھ دیں' پھر کیا انہیں آپ محبان وطن کی فہرست سے خارج کر دیں گے؟

ہرگز نہیں وطن کے فدائی یہ بھی ہیں لیکن لڑنے کا اہل ہونا نہ ہونا اور بات ہے۔ ٹھیک ایسی ہی مثال مجھ نا اہل کی بھی سمجھئے۔ جذبہ خواہش کے اعتبار سے میں بھی انہی لوگوں میں ہوں جو لا اسلام الا بالجماعۃ پر اذعان رکھتے ہوئے بلا ابہام یہ اعلان کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے کہ اسلام کو زندگی کے ہر شعبے میں سرافراز دیکھنا اور دنیا پر اسے ایک قوت نافذہ کی حیثیت سے پھیلا دینا' ہماری زندگی کا سب سے بڑا ارمان ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مطلوبہ صلاحیتوں کی کمی کے باعث' میں اس ارمان کی خاطر جدوجہد کرنے والے میدانی دستوں کا شریک نہ بن سکوں' لیکن جس طرح کھیت میں محنت کرنے والا کسان اور کارخانوں میں پسینہ بہانے والا مزدور بھی بالواسطہ فوجی پیش قدمیوں کو تقویت عطا کرتا ہے' اسی طرح میری زندگی بھی ان قلمی کوششوں کیلئے وقف ہے جو "جماعت اسلامی" کی۔۔۔ بلکہ یوں کہئے اسلام کی دعوت کو کسی نہ کسی نوع کی مدد پہنچاتی ہیں۔ وہ باورچی بھی تو آخر خادم قوم و وطن ہی ہے جو فوجیوں کیلئے کھانا پکا رہا ہے' میں اپنے کو اس کا مستحق تو نہیں پاتا کہ آخرت کی فہرست میں نام کو مجاہدین اسلام کے ساتھ لکھے جانے کی سعادت نصیب ہو سکے گی' لیکن یہ توقع ضرور رکھتا ہوں کہ میرا رحیم و کریم رب مجھے ان بھنگیوں اور خاکروبوں کی فہرست میں شامل فرمالے گا' جو معاوضے کی پروا کئے بغیر مجاہدین کا فضلہ اٹھانے اور ان کی راہوں کے جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنے کی خدمات انجام دیتے ہیں۔

جناب وحید الدین خان صاحب کی کتاب کا کچھ حصہ بعض رسائل میں چھپ چکا ہے۔ بیشمار حضرات اس کے منتظر ہیں کہ میں اس پر اظہار خیال کروں۔ اظہار خیال تو انشاءاللہ ضرور ہوگا' لیکن کتاب دیکھنے کے بعد۔ خود موصوف نے مجھے اپنے خط میں رقم فرمایا تھا کہ کتاب پریس سے آتے ہی برائے

تبصرہ ارسال کی جائے گی، تادم تحریر یہ مجھے نہیں ملی ہے۔ امید ہے کہ مل جائے گی۔ کسی وجہ سے فاضل مصنف نے ارادہ ترک ہی کردیا ہو تو پھر اپنے طور پر کہیں سے حاصل کرنی ہوگی۔ (۱)

میں ابھی تک کوئی موافق یا مخالف رائے قائم نہیں کرسکا ہوں۔ کتاب ضخیم ہے اگر مطالعہ کے بعد تفصیلی اظہار خیال ضروری معلوم ہوا تو تجلی کی ایک پوری اشاعت بھی اس پر وقف کردینے میں مجھے تأمل نہ ہوگا۔

وَمَا التَوفِیقِ اِلاَّ بِاللّٰہِ وَھُوا لمستعان

"تجلی" دیوبند نومبر۔ دسمبر ۱۹۶۳ء

(۱) اکتوبر کے آخری عشرے میں یہ کتاب مجھے مل گئی۔ عامر

دجال ۔ اور اس کی پیشگی اولادیں!

سوال از :۔ غلام محمد سردار شیخ۔ گھلہ (سورت)

"تجلی" ستمبر ۶۶ء "تجلی کی ڈاک میں اقبال (اعجاز بر منگھم (انگلینڈ) کے سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ عقائد اور نظریات کا جہاں تک تعلق ہے یہ قطعی طور پر جھوٹا الزام ہے کہ مولانا مودودی علمائے حق سے الگ کوئی عقیدہ رکھتے ہیں 'اساسی عقائد و نظریات مولانا مودودی کے ٹھیک وہی ہیں 'جو قرون اولی سے آج تک عین حق سمجھے جاتے رہے ہیں" یہ جواب پڑھنے کے بعد مولانا مودودی کی تحریر نظر سے گذری 'جسے میں یہاں نقل کرتا ہوں'

"یہ کانا دجال" وغیرہ (جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے) تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے 'ان چیزوں کو تلاش کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت بھی نہیں ' عوام میں اس قسم کی جو باتیں مشہور ہیں ان کی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے اور ان چیزوں میں سے اگر کوئی چیز غلط ثابت ہوجائے تو اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا" (۱)

"حضور ﷺ کو اپنے زمانے میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید "دجال" آپ کے عہد میں ظاہر ہوجائے 'یا آپ کے

(۱) "از ترجمان القرآن" بابت رمضان 'شوال ۱۳۶۴ھ جلد ۲۷ 'عدد ۳ ۔ ۴)

بعد کسی قریبی زمانے میں ظاہر ہو' لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ "حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہیں تھا' اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کئے جانا گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں' نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ اسے حدیث کا صحیح فہم کہا جاسکتا ہے' جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' اس قسم کے معاملات میں نبی ﷺ کے قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصب نبوت پر طعن کا موجب نہیں ہے"(۱)

کیا کوئی عالم حدیث اس قسم کی باتیں منہ سے نکال سکتا ہے؟ دجال کی احادیث علامات قرب قیامت میں سے ہیں' یہ وحی خفی اور وحی غیر متلو سے ثابت ہے۔ دجال کی حیثیت صحیح بخاری میں آٹھ مرتبہ آئی ہے اور صحیح مسلم شریف میں سترہ مرتبہ آئی ہے۔

مولانا مودودی کی یہ تحریر پڑھنے کے بعد ہم آپ کے دعوے کو کیا صحیح سمجھیں؟ جواب "تجلی" میں ضرور شائع کریں۔

جواب :

مولانا مودودی پر کئے جانے والے اعتراضات پر سالہا سال ہم شدو مد سے کلام کر چکے ہیں' "تجلی" کے پرانے قارئین جانتے ہیں کہ مظلوم کے دفاع اور ظلم کے استیصال میں ہم نے کسر نہیں چھوڑی' لیکن کافی مدت تک اس فریضے کو ادا کرتے رہنے کے بعد تجربہ یہ ہوا کہ شریر النفس' دنی فطرت اور

(۱) ("از ترجمان القرآن" ۔ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ جلد ۲۸ ۔ عدد ۳)

کج فہم لوگ جوابات پر توجہ کئے بغیر اپنے اعتراضات دہرائے جارہے ہیں' اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایسے ہی الزامات و اعتراضات کو شہرت دی جاتی ہے جن کی قلعی بارہا کھولی جاچکی ہے' ایسی صورت میں ہم نے مناسب سمجھا کہ مکتبہ "تجلی" سے ایک دو ایسی کتابیں چھپوا دیں' جن کا مطالعہ سلیم الطبع اور انصاف پسند قارئین کو یہ محسوس کرا سکے' کہ مولانا مودودی پر کئے جانے والے اکثر اعتراضات کتنے لغو ہیں' ان میں کس قسم کی عیاریوں سے کام لیا گیا ہے اور ان کو گھڑنے والے آخرت کی جوابدہی سے کس درجہ بے پروا ہوگئے ہیں' عبارتوں کو ان کے سیاق و سباق سے کاٹنا' حذف و اضافہ کرنا' من مانے مفاہیم نکالنا اور انہیں مولانا مودودی سے منسوب کردینا' رائی کا پہاڑ بنانا' گھانس کے تنکے کو اژدھا باور کرانا' یہی سب فنون لطیفہ ہیں' جنہیں مولانا مودودی کے اکثر معترضین مستقلاً استعمال کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں' آپ کو ثبوت درکار ہوں تو زیادہ نہیں صرف دو کتابیں ملاحظہ فرمالیں۔ (۱) کیا "جماعت اسلامی" حق پر ہے؟ اور (۲) الزامات کا جائزہ' ہم اپنے میں یہ سکت نہیں پاتے کہ سلامتی طبع سے محروم' بصیرت سے تہی دامن اور علم و عدل سے فارغ لوگ بار بار گھسے بندھے اعتراضات کی رٹ لگائے جائیں اور ہم برابر جواب میں سرکھپاتے رہیں۔

اس تمہید کے بعد ہم کوشش کرتے ہیں کہ آپ کے سوال کا جواب تو دے ہی دیں' آپ بھی ان سادہ لوحوں میں سے ایک ہیں' جنہوں نے مولانا مودودی کا لٹریچر نہیں پڑھا' قرآن و حدیث کا علم بھی حاصل نہیں کیا اور علمائے سلف کی تصانیف تک بھی آپ کی پہنچ نہیں ہوسکی' بس ادھر ادھر سے کچھ سنا اور پوری معصومیت کے ساتھ غلط فہمی کا شکار ہوگئے۔

ان تمام باتوں کا ثبوت آپ کے سوال ہی میں موجود ہے۔ بظاہر آپ براہ راست "ترجمان القرآن" کا حوالہ دے کر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ واقعتاً خود آپ ہی نے "ترجمان القرآن" سے یہ عبارتیں نقل کی ہیں مگر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلط ہے' آپ ہرگز براہ راست نقل نہیں کر رہے ہیں' بلکہ شیطان کے کسی شاگرد کی کتاب یا مضمون میں آپ نے یہ دیکھ لیا ہے اور وہیں سے اقتباس لے لیا ہے' ایسا دعوی ہم اس لئے کر رہے ہیں کہ آپ ہمیں ایک شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں' اور کسی شریف آدمی سے اس بے ایمانی کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ مولانا مودودی کی عبارت کے درمیان میں ایک ایسا فقرہ اپنی طرف سے بڑھادے' جو ان کے مفہوم کو کچھ سے کچھ بنانے والا ہو' یہ تو کسی ایسے ہی شخص کی کارگزاری ہوسکتی ہے جس نے مولانا مودودی کے بغض میں اپنی دیانت' شرافت اور حیا کو بالائے طاق رکھدیا ہے دماغ کو سوء ظن کے کیڑوں سے پاک کر کے سنئے' کہ پہلی عبارت جو آپ نے نقل کی اس میں وہ جملہ مولانا مودودی کا نہیں ہے جو بریکٹ میں دیا گیا ہے۔

"یہ کانا دجال وغیرہ (جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے) تو افسانے ہیں"

مولانا مودودی کا سیدھا سادا اور بے غبار منشا یہ تھا کہ "کانا دجال" کے متعلق جو کہانیاں عوام میں مشہور ہوگئی ہیں' مثلاً "وہ کسی جگہ قید ہے' اس کے دو لمبے لمبے سینگ ہیں وغیرذلک' یہ تو بس کہانیاں ہی ہیں جنہیں عوام کی ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی نے گھڑ لیا ہے۔ اسلامی معتقدات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

لیکن بدباطن اور دنی نظرت معترض نے قوسین میں یہ جملہ بڑھاکر کہ

"جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے"

سادہ لوح اور بے خبر پڑھنے والوں کو یہ باور کرا دیا کہ ' "مولانا مودودی احادیث میں آئے ہوئے مضمون کو افسانہ کہہ رہے ہیں" ' یہ صریح بے ایمانی اور افترا پردازی نہیں تو اور کیا ہے؟ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ جب "واوین" کے درمیان کوئی عبارت نقل ہوتی ہے تو وہ جوں کی توں منقول سمجھی جاتی ہے' مولانا مودودی کے یہ فقرے جس سیاق و سباق میں آئے ہیں اس میں ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ "یہ" سے ان کا اشارہ مضامین احادیث کی طرف نہیں تھا' بلکہ عوام میں شہرت یافتہ بے بنیاد افسانوں کی طرف تھا' اب اگر نقل کرنے والا اتنا ہی احمق اور زبان سے نابلد تھا کہ "یہ" کا مشار الیہ اس کی سمجھ میں نہ آ سکا؟ تو بریکٹ میں اپنی طرف سے کسی وضاحت کا اضافہ کرتے ہوئے اسے یہ تو واضح کر دینا چاہئے تھا' کہ یہ میری اپنی توضیح ہے' لیکن اس نے اس طرح اپنی توضیح بیچ میں بڑھا دی' کہ یہ بے خبر پڑھنے والے یہی سمجھا کریں کہ بریکٹ کی یہ توضیح بھی مولانا مودودی ہی کی ہے اسے سوائے فتنہ پردازی اور دجل و فریب کے اور کن الفاظ سے تعبیر کیا جائے' ہمارا تو خیال یہ ہے کہ "دجال" تو جب پیدا ہوگا ہوگا' چھوٹے "دجال" تو ایسے ہی لوگ ہیں جو دوسروں کو بدنام کرنے کیلئے دغا اور جعلسازی کا استعمال بلا تکلف کرتے ہیں۔

غور فرمایئے کہ اضافہ شدہ فقرہ عبارت سے خارج کر دیا جائے' تو مولانا مودودی کی عبارت میں آخر کون سی بات اعتراض کی رہ جاتی ہے' ظاہر ہے کہ "دجال" کا کسی مقام پر قیدی ہونا' یا اس کے دونوں کانوں پر سینگوں کا وجود' یا اس کے دانتوں کا گزوں لمبا طول' احادیث معتبرہ میں تو نہیں آیا' یہ فقط توہم پرستی کی اختراع کردہ ہفوات ہیں جنہیں مولانا مودودی ہی کیا' تمام

معتبر علمائے سلف و خلف افسانوں کے سوا کچھ نہیں کہتے۔

دوسری عبارت جو آپ نے نقل کی ہے اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس پر تحقیق علم اور معتدبہ عقل و بصیرت رکھنے والوں کو کوئی اعتراض ہو' آپ نے اگر قرآن و حدیث کی قابل لحاظ تعلیم حاصل کی ہوتی' یا علماء اور محققین کے فرمودات میں آپ کی نظر ہوتی تو اس عبارت کو نقل کر کے یہ بچگانہ بات آپ ہرگز نہ کہتے کہ

"کیا کوئی عالم حدیث اس قسم کی باتیں منہ سے نکال سکتا ہے"

عالم حدیث تو وہی باتیں منہ سے نکالے گا جو حدیث میں وارد اور حدیث سے مستنبط ہیں' یہ قطعی طور پر طے ہے کہ "دجال" کے ظاہر ہونے کا ٹھیک ٹھیک زمانہ اور مقام خود حضور ﷺ کو بھی اللہ نے نہیں بتایا تھا' بس اتنا ضرور بتایا تھا کہ "دجال" ظاہر ہو کر رہے گا' بعض روایات میں حضور ﷺ کا خیال آپ یہ دیکھیں گے کہ "دجال" "اصفہان" سے اٹھے گا۔ بعض میں "شام" اور بعض میں "خراسان" کا نام پائیں گے' اس کے علاوہ یہ بھی دیکھیں گے کہ آپ نے یہودی بچے "ابن صیاد" پر بھی "دجال" ہونے کا شبہ ظاہر فرمایا تھا جو "مدینے" ہی میں پیدا ہوا تھا۔ پھر ایک مرتبہ کسی عیسائی راہب نے اسلام قبول کرتے ہوئے حضور ﷺ کو اپنا یہ واقعہ سنایا' کہ وہ سمندری سفر کے دوران کسی غیر آباد جزیرے میں پہنچے تھے' اور وہاں ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی تھی جو اپنے آپ کو "دجال" بتاتا تھا تو حضور ﷺ نے اس کی بھی قطعی تردید نہیں فرمائی' بلکہ صرف شک ظاہر کیا اور یہ فرمایا کہ میرے خیال میں تو "دجال" مشرق سے ظاہر ہو گا۔

ان روایات کو سامنے رکھ کر بتائیے' کہ کیا ان سے اس کے سوا بھی

کچھ معلوم ہوتا ہے کہ "دجال" کے ظہور کی پیشگی اطلاع تو اللہ نے حضور ﷺ کو یقیناً" دی تھی، لیکن مقام اور زمانے کی خبر نہیں دی تھی، اسی لئے مختلف مقامات کی طرف آپ کا خیال گیا اور ایک بار "مدینے" ہی کے یہودی بچے "ابن صیاد" پر آپ کو "دجال" ہونے کا شبہ اس حد تک گزرا، کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھاکر آپ کے سامنے ابن صیاد کو "دجال" کہا، تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم غلط سمجھ رہے ہو، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر یہ وہی موعودہ "دجال" ہے تو تم اس پر قابو نہیں پاسکو گے، اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اسے قتل کر ڈالنے میں تمہارے لئے کوئی بھلائی نہیں، (مسلم شریف)

اب کوئی بھی ہوشمند فیصلہ کرے کہ یہ تمام روایتیں کیا ظاہر کرتی ہیں، حضور ﷺ کے کسی ایسے خیال کو جس کا تعلق وحی سے نہ ہو، آپ چاہے خیال کے نام سے موسوم کریں، چاہے گمان کہہ لیں، چاہے اندیشے سے تعبیر کریں، بہرحال یہ آپ کے سامنے ہے کہ "ابن صیاد" کو حضور ﷺ نے "دجال" گمان فرمایا تھا مگر وہ "دجال" نہیں نکلا، اور آج تک اس "دجال" کا ظہور نہیں ہوا ہے جس کے ظہور کی پیشین گوئی حدیثوں میں وارد ہے، اسی صورت حال کو اگر مولانا مودودی ان الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں کہ

> "حضور ﷺ کو اپنے زمانے میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید "دجال" آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے، یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانے میں ظاہر ہو، لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہیں تھا"

تو آخر اس میں اعتراض کی کیا بات ہوئی؟ کون سا ایسا عقیدہ اس

سے مترشح ہوا جو نادرست ہو؟ --- قصور مولانا مودودی کا نہیں' بلکہ ان جاہلانہ اور مشرکانہ خیالات کا ہے' جو بدعتیوں اور توہم پرستوں کے طفیل عوام میں رواج پاگئے ہیں' عوام --- بلکہ بہتیرے خواص اس غلوے عقیدت میں گرفتار ہوچکے ہیں' کہ حضور ﷺ کے کسی ذاتی خیال' کسی ذاتی رائے اور اندیشہ کا غلط نکلنا ممکن ہی نہیں تھا' آپ کی کسی بات کو قیاس' وگمان سے تعبیر کرنا جائز ہی نہیں' آپ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا کفرو زندقہ ہے جس سے یہ پتا چلے کہ بعض باتیں آپ کو بھی معلوم نہیں تھیں۔

حالانکہ پانچ باتیں تو قرآن ہی کی آیات صریحہ میں درج ہیں' جن سے اللہ کے سوا کوئی بھی باخبر نہیں ہوسکتا' ملاحظہ ہو "سورہ لقمان" کی آخری آیات اور اسی قرآن میں متعدد واقعات کی تلمیح موجود ہے' جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعض ایسے فیصلے جو آپ نے ذاتی رائے سے کیے تھے' اللہ کے نزدیک غیر اولی ٹھیرے' پھر احادیث میں کتنے ہی واقعات و کوائف ملتے ہیں جن سے بلاریب معلوم ہوجاتا ہے کہ حضور ﷺ نہ عالم الغیب تھے' نہ حاضر و ناظر' نہ مافوق البشر' کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضور ﷺ نے بعض لوگوں سے کہا تھا کہ تم جو "نر" اور "مادہ" کھجوروں کا پیوند لگاتے ہو' اس سے کوئی فائدہ نہیں' بلکہ ایسا نہ کیا کرو تو شاید بہتر ہو' لوگوں نے آپ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے "پیوند" نہیں لگایا تو اس سال پھل اچھا نہیں آیا' یہ صورت حال دیکھ کر آپ نے لوگوں سے کہہ دیا کہ اگر پیوند لگانے ہی سے بہتر فصل آتی ہے تو آئندہ تم پیوند لگالیا کرو' میں نے تو بطور گمان ایک بات کہہ دی تھی' گمان کے بارے میں تم مجھ سے مواخذہ مت کرو ہاں جب میں اللہ کی طرف سے کوئی بات کہوں تو یقیناً تم اسے قبول کرلو' کیونکہ اللہ پر میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔

سوچئے ان حقائق سے کیا نتیجہ نکلا جو نتیجہ بالکل واضح اور قطعی ہے اسی کو مولانا مودودی نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے تو آپ متعجب ہو رہے ہیں۔ اگر آپ نے حدیث پڑھی ہوتی تو "مسلم شریف" میں مستقل ایک باب اس عنوان کا پاتے کہ

> "اس بات کے بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے ذیل میں جو کچھ فرمایا' اس کی فرمانبرداری واجب ہے' مگر دینوی امور میں ذاتی رائے سے جو کچھ فرمایا اس کا امتثال واجب نہیں"

رہا یہ کہ "دجال" کی احادیث علامات قرب قیامت میں سے ہیں تو سادہ لوح بھائی' مولانا مودودی نے کب کہا کہ ایسا نہیں ہے' وہ "دجال" کی آمد اور اس سے متعلق ہر اس تفصیل کو ایمان کے جزکی حیثیت سے مانتے ہیں' جو قابل اعتماد حدیثوں میں موجود ہے' یہ براہ راست مطالعہ نہ کرنے اور بدگہر معترضین کے دام میں آجانے ہی کا تو نتیجہ ہے' کہ آپ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مولانا مودودی کو احادیث کے ماننے سے انکار ہے' احادیث کا انکار تو دراصل ان احمقوں کو ہے جو مولانا مودودی کے اس کہنے پر واویلا مچاتے ہیں' کہ "دجال" کے ظہور کا مقام اور زمانہ حضور ﷺ کو نہیں بتایا گیا تھا' لہٰذا اس سلسلے میں آپ نے قیاساً بعض باتیں کہیں جن کا تعلق وحی سے نہیں' یہ مولانا مودودی نے اپنے دل سے نہیں گھڑا' بلکہ حدیثیں آپ کے سامنے ہیں' وہی واضح کر رہی ہیں کہ مولانا مودودی نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ اگر "ابن صیاد" کو "دجال" خیال کرنا "وحی" کے تحت ہوتا تو کیا "وحی" بھی غلط ہو سکتی ہے؟ -- یا کیا "ابن صیاد" واقعی دجال تھا؟؟؟

آنجناب نے "وحی متلو" اور "خفی" کا ذکر بھی کیا ہے معلوم ہوتا ہے یہ اصطلاحیں بھی آپ نے ادھر ادھر سے سن یا پڑھ لی ہیں' اور ان کے محل استعمال سے واقف نہیں ہیں' اگر واقف ہوتے تو ہرگز ایسے موقع پر ان کا ذکر نہ چھیڑتے' جہاں خود احادیث ہی واضح کر رہی ہیں کہ فلاں بات حضور ﷺ نے اندازہ و قیاس سے کہی تھی' جو تکوینی سطح پر درست ثابت نہیں ہوئی۔ مولانا مودودی جس شدومد سے "وحی غیر متلو" کے قائل ہیں' اس کا اندازہ تو ہر شخص ان کی کتابوں سے کر سکتا ہے' خصوصاً "ترجمان القرآن" کے "منصب رسالت نمبر" میں انہوں نے منکرین حدیث کے رد میں "وحی خفی" اور "غیر متلو" کا اثبات زور دار دلائل سے فرمایا ہے مگر جو افسانے لوگوں نے خود تراش لئے ہیں اور حدیث صحیح میں ان کا پتہ نہیں' کیا انہیں بھی آپ "وحی غیر متلو" منوانا چاہتے ہیں؟ "وحی غیر متلو" سے صرف یہ ثابت ہے کہ "دجال" ظاہر ہو گا' اس پر مولانا مودودی کا بھی ایمان ہے' اور بھی جتنی چیزیں "وحی غیر متلو" سے ثابت ہیں ان سب پر وہ اس طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح معتبر علمائے سلف رکھتے تھے' لیکن جن بدنہادوں کا مشغلہ ہی یہ بن گیا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے مولانا موصوف کو رسوا کیا جائے' انہیں حقائق سے کوئی بحث نہیں' وہ تو ہذیانات بکے جائیں گے' اور علم و تفقہ کی کوئی روشنی ان کی اندھی آنکھوں کو راہ مستقیم نہ دکھا سکے گی۔

خوب سمجھ لیجئے علمائے سلف و خلف میں سے کسی ایک بھی مستند عالم اور محقق کا عقیدہ یہ ہرگز نہیں رہا ہے کہ حضور ﷺ کی زبان سے زندگی بھر جو کچھ نکلا وہ یا تو "وحی جلی" سے مربوط تھا یا "وحی خفی" سے' اور وحی سے بے تعلق ہو کر کبھی کوئی بات آپ کی زبان سے نکلی ہی نہیں' ایسا اگر ہوتا تو یہ کیونکر ممکن

تھا کہ جو ابن صیاد "دجال" ثابت نہیں ہوا اس پر آپ "دجال" ہونے کا شبہ کرتے' اور یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کھجوروں کے پیوند لگانے کو بے فائدہ کہتے' حالانکہ اگلے ہی سال اس کا فائدہ ظاہر ہو گیا' اور آپ نے خود واضح فرما دیا کہ وہ میرا کہنا محض ظن کے طور پر تھا' وحی کی روشنی میں نہیں تھا' علاوہ ازیں یہ بھی ہدایت فرما دی کہ دنیا کے اور بہت سے معاملات ایسے ہو سکتے ہیں' جن میں میرے خیال کو لازماً" درست سمجھنا ضروری نہیں' ہاں دین سے متعلق امور میں میرا خیال کبھی غلط نہیں ہو سکتا' کیونکہ وہ حقیقتاً میرا خیال نہیں ہوتا' بلکہ "وحی" کا آوردہ ہوتا ہے جس میں غلطی ممکن ہی نہیں۔

"غزوہ بدر" میں آپ کو خیال ہوا کہ فلاں جگہ خیمہ لگانا مناسب رہے گا' صحابہ ﷺ نے پوچھا کہ جگہ کا یہ تعین آپ "وحی" کی روشنی میں فرما رہے ہیں یا اپنے ذاتی اندازے سے' آپ نے فرمایا ذاتی اندازے سے' تب تجربہ کار صحابہ نے کہا کہ اس جگہ سے زیادہ مناسب وہ دوسری جگہ ہے' آپ نے بلا تکلف اپنے خیال کو ترک کر دیا اور دوسری ہی جگہ خیمہ زن ہوئے۔

ایک غزوے میں آپ ﷺ کا خیال یہ تھا کہ قلعہ بند ہو کر دشمن سے نمٹا جائے' لیکن صحابہ ﷺ نے جب یہ تحقیق کر لی کہ یہ خیال "وحی" سے مربوط نہیں ہے تو مشورہ دیا کہ باہر نکل کر مدافعت کرنا موزوں رہے گا' آپ نے اپنے خیال کو ترک کیا' اور صحابہ کے مشورے پر عمل فرمایا۔ ایک دو یا دس بیس نہیں' پچاسوں روایتیں کتب احادیث میں موجود ہیں' جن سے تمام مستند علمائے سلف نے یہی عقیدہ اخذ کیا ہے کہ "وحی جلی" کے علاوہ حضور ﷺ کو "خفی" اور "غیر متلو وحی" بھی ہوتی تھی' لیکن دنیاوی معاملات میں آپ کتنی ہی باتیں ایسی بھی کہتے تھے جن کا رابطہ کسی بھی نوع کی "وحی" سے نہیں ہوتا تھا۔

دور نہ جایئے۔ آپ شاہ ولی اللہ ؒ کی "حجۃ اللہ البالغہ" ہی پڑھ لیجئے' یہ اب اردو میں بھی دستیاب ہے۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ آج کے دور پر فتن میں مبالغہ پسندوں اور وہم پرستوں نے دیوی دیوتاؤں کے قصوں سے اثر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں جو خدائی تصورات دل و دماغ میں بٹھا لئے ہیں' وہ شیطان کا فریب ہیں اور اس پر تمام امت متفق رہی ہے کہ حضور ﷺ ایک بشر تھے' جو کبھی کبھی ظن اور قیاس کے تحت بھی کلام کرتے تھے' اور آپ کے بعض ظنی فرمودات ایسے بھی رہے ہیں جن کا درست نہ ہونا آپ نے خود ہی تسلیم فرمالیا ہے۔

گستاخی معاف ہو' یہ بات بھی آپ نے سنی سنائی کہہ دی ہے کہ "دجال" کی حدیث "بخاری" میں اتنی مرتبہ آئی' اور "مسلم" میں اتنی' اس طرح کی فنکاریوں سے عیار معترض عوام کو فریب دیتے ہیں' اور اسی فریب میں آپ بھی آگئے' ورنہ اس رعب ڈالنے کی بالکل ضرورت نہیں تھی کہ روایت کتنی جگہ آئی ہے' بلکہ انکشاف یہ کرنا چاہئے تھا' کہ فلاں صحیح حدیث میں یہ مضمون بیان ہوا ہے اور مولانا مودودی فلاں جگہ اس مضمون کے برعکس عقیدہ ظاہر کر رہے ہیں' یہ اسلوب اختیار کرتے تو دس بیس نہیں فقط ایک حدیث صحیحہ کی مخالفت سے بھی مولانا مودودی کی گمراہی ثابت ہو جاتی' لیکن جس "دجال" کی آمد والی روایتوں کا شمار جتا کر عوام کو (آپ نے نہیں اصل معترض نے) دھوکا دیا ہے ان سے تو مولانا مودودی نے کبھی انکار نہیں کیا۔

حاصل یہ کہ آپ ذریات شیطانی کے فریب میں مت آیئے' اور یقین کیجئے کہ مولانا مودودی کے متعلق علمائے حق کے مطابق عقائد رکھنے کی بات ہم نے عقیدتاً نہیں کی' بلکہ پورے مطالعے اور تحقیق کے بعد کہی ہے۔

(تجلی دیوبند ۱۹۶۶ء)

بیچارے مولانا مودودی

سوال از :۔ سید ممتاز احمد۔ "بنارس"

یہ بات قابل ستائش ہے کہ آپ حق لکھنے اور حق بولنے میں بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے' یہاں تک کہ اپنے شیخ' استاد اور بزرگوں کو بھی' مجھے آپ کے بعض طرز فکر سے سخت اختلاف کے باوجود آپ کی اس حق گوئی کو دیکھ کر بڑا رشک ہوتا ہے لیکن میں رشک کرنا نہیں چاہتا' بلکہ آپ کو حق گوئی اور حق کوشی کا نمونہ بناکر دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ حسب ذیل سوال کا حق پرستانہ جواب دیدیں۔

(۱) مولانا مودودی صاحب کے بھائی مولانا سید ابوالخیر مودودی ترجمہ "فتوح البلدان" مطبوعہ نفیس اکیڈمی جلد اول صفحہ ۲۰۴ پر لکھتے ہیں۔

"یرموک میں" ابوسفیان بحیثیت مطوع الشام آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ "بیوی ہندہ" کو بھی لایا تھا۔ (چند سطر بعد) ابوسفیان بن حرب کا نام تھا۔ طائف کی جنگ میں اس کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔

یہ ان ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی شان میں مولانا کا طرز بیان ہے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور عامل تھے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے خسر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ جن کی ایک آنکھ غزوہ "طائف" میں شہید ہوئی اور دوسری "یرموک" میں' طائف میں آنکھ شہید ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی' اور طائف میں دوسری آنکھ شہید ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "مدینہ" بلالیا' اور ان کی بڑی عزت کرنے لگے (۱)

(1) (اصابہ تذکرہ حضرت ابوسفیان)

بتایئے یہ مودودی صاحب کے بھائی ہیں جو ایسے صحابی ﷺ کی شان میں کیا کیا بک گئے ہیں۔ انہوں نے مطوع کا ترجمہ بھی نہیں کیا ہے۔ ذرا اس کا ترجمہ کر کے بتایئے اور یہ فرمایئے کہ مودودی صاحب کی حکومت الٰہیہ قائم ہو جائے تو ان حضرت کو کیا سزا ملے گی۔ "سورہ آل عمران" کی آیت **من بعد مااراکم ماتحبون** کا ترجمہ شاہ عبدالقادر کے الفاظ میں۔۔۔

بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔

مولانا عبدالماجد کا ترجمہ۔

بعد اس کے اللہ نے تمہیں دکھا دیا تھا' جو کچھ تم چاہتے تھے۔

مولانا مودودی کا ترجمہ۔

اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے' یعنی "مال غنیمت" تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔

کہئے مزاج شناس رسول کی کیسی تصویر کھینچی ہے مودودی صاحب نے؟ یہ کون لوگ ہیں جو "مال غنیمت" کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اور قرآن میں ان کے متعلق کیا فرمایا گیا؟

امید ہے آپ ان کا جواب اپنے رسالہ "تجلی" کے ذریعہ جلد ہی مرحمت فرمائیں گے۔

جواب:

آپ نے ایک ہی سوال کے ذیل میں دو سوال کئے ہیں دونوں کا جواب بالترتیب پیش خدمت ہے۔

(ا) پہلے سوال کے سلسلے میں مجھے حیرت ہے کہ عمل تو پیش فرمایا آپ نے مولانا مودودی کے بھائی کا' لیکن اعتراض کی تان توڑی مولانا مودودی پر'

آخر دین و دنیا کا کونسا قانون اور کونسی منطق یہ جواز دیتی ہے کہ زید کے فعل پر، آپ بکر کو محض اس لئے پکڑلیں، کہ بکر زید کا بھائی ہے، اس سے تو معلوم ہوا کہ آپ مولانا مودودی کے بارے میں انصاف و اعتدال کے ساتھ کچھ سوچنے کو تیار نہیں، بلکہ قلب و ذہن میں ایک تعصب اور بیر چھپائے بیٹھے ہیں، اس صورت میں بالکل ممکن نہیں ہے کہ علم و استدلال کے ذریعے آپکی وہ بدگمانیاں دور کی جاسکیں جو مولانا مودودی کیلئے آپ نے پرورش کر رکھی ہیں۔

میرے محترم! ابوالخیر صاحب کی عبارت اگر قابل اعتراض تھی بھی تو اسے مولانا مودودی کی حکومت الٰہیہ پر طعن و طنز کا ذریعہ بنالینا، کہاں کا انصاف ہے؟ بہتیرے جاہلوں یا بد دماغ عالموں کی طرح کیا آپ بھی اس لغو خیال میں مبتلا ہیں کہ مولانا مودودی جس حکومت الٰہیہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں وہ ان کے اپنے دماغ کی گھڑی ہوئی کوئی چیز ہے۔ استغفراللہ "حکومت الٰہیہ" تو ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا اطلاق ٹھیک اس نظام حکومت پر ہوتا ہے جسے اللہ اور رسول ﷺ نہ صرف پسند فرماتے ہیں بلکہ اس کے قیام کی جدوجہد کا صریح حکم دیتے ہیں، اور مومن کی زندگی کا ماحصل اور مقصد ہی اس حکومت کی طرف پیش قدمی اور اس کیلئے مسلسل جدوجہد کو قرار دیا گیا ہے، کیا قرآن نے امت مسلمہ کا مقصد آفرینش یہ نہیں بتایا کہ بنی نوع انسان کو بھلائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے، "حکومت الٰہیہ" کی اصطلاح ایسے ہی نظام حکومت کیلئے ہے جس میں محض، تبلیغ اور وعظ و پند ہی کے ذریعے نہیں بلکہ قانون و دستور کے ذریعے بھی اسی مقصد آفرینش کی تکمیل پر کامل توجہ دی جائے اور ترغیب و تلقین کے علاوہ زور و قوت سے بھی معاصی و فواحش کا دروازہ بند کر کے محاسن و معروفات کی نشو و نما کی جائے۔

تب کیا کسی خدا سے ڈرنے والے مومن کو زیب دیتا ہے کہ مولانا مودودی سے اگر اسے بعض امور میں اختلاف ہے' تو اس کی وجہ سے وہ ٹھیک ان چیزوں کو بھی طعن و ملامت کا نشانہ بنائے جن کی تقدیس اللہ اور رسول ﷺ کے یہاں مسلم ہے' اور جن کو مطعون کرنے کا مطلب اللہ اور رسول ﷺ پر طعن کرنا ہے' نعوذ باللہ من ذلک۔

زندقہ کی حدوں تک پہنچے ہوئے "تعلیم یافتوں" نے ایک ماڈرن اسلام تخلیق کرنے کے سلسلے میں جہاں اور سو طرح کی چالیں چلی ہیں وہیں ایک پروپیگنڈہ یہ بھی خوب کیا ہے کہ اگر وہ حکومت الٰہیہ قائم ہو جائے جس کی طرف مولانا مودودی دعوت دیتے ہیں تو بات بات پر گردنیں اڑیں گی' ہاتھ کٹیں گے' درے لگیں گے' یہ سب انہوں نے بڑے تمسخر کے ساتھ ایسے بھیانک انداز میں پیش کیا ہے کہ جو بھی سنے حکومت الٰہیہ کے نام سے پناہ مانگے' معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب بھی کسی نہ کسی درجے میں اسی پروپیگنڈے سے متاثر ہیں' ورنہ آخر کیوں آپ کے دماغ میں یہ طنز اور یہ خیال پیدا ہوا کہ مولانا مودودی کی حکومت الٰہیہ میں ان کے بھائی ابوالخیر جیسے لوگوں کو کیا سزا ملے گی' یہ طنز و تمسخر سے زیادہ کچھ نہیں ہے' ورنہ آپ بھی جانتے ہیں کہ نہ تو حکومت الٰہیہ قائم ہونے جا رہی ہے نہ "حکومت الٰہیہ" مولانا مودودی کی کسی ذاتی اسٹیٹ کا نام ہے۔

ان معروضات کا منشا یہ بتانا ہے کہ آپ کا اعتراض متین اور منطقی ہونے کے عوض جذباتی اور غیر منطقی ہے' ابوالخیر صاحب کی متذکرہ عبارت کیسی بھی قابل اعتراض کیوں نہ ہوتی' اس کے توسط سے مولانا مودودی کو ہدف نہیں بنانا چاہئے تھا' ایسا تو وہی شخص کیا کرتا ہے جو تاک میں بیٹھا ہوا اور

نیش زنی کا ذرا سا بھی موقع پاکر فوراً ڈنک مار دے۔

رہا ابوالخیر صاحب کی عبارت کا معاملہ تو عرض یہ ہے کہ بیشک کسی بھی صحابی کے بارے میں اس طرح کا طرز کلام ہمیں بالکل پسند نہیں' اور معمولی سے معمولی صحابی کی بھی تعظیم و تکریم ہم ضروری خیال کرتے ہیں' لیکن حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صحابیت کو نسبتاً کمتر سمجھنے والے اکیلے ابوالخیر صاحب ہی نہیں ہیں' بلکہ اہلسنت والجماعت ہی کے اخلاف و اسلاف میں بہتیرے علماء گزرے ہیں' جو حضرت ابوسفیان کی صحابیت کو دوسرے صحابہ کی صحابیت کے بالمقابل اضعف اور برائے نام ہی سمجھتے رہے ہیں۔ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بعد میں ایمان لائے' اور اس وقت لائے جب اسلام شک' تذبذب اور ضعف کی فضا سے نکل کر فیصلہ کن طاقت بن چکا تھا' جب کفر و شرک ہار چکے تھے جب اقتدار مسلمانوں کی طرف منتقل ہو چکا تھا' ظاہر ہے کہ جو شخص اسلام اور مسلمانوں کو مٹا ڈالنے کی تمام کوششیں کرکے دیکھ چکا ہو' اور مکمل ناکامی کے بعد مسلمانوں کو غالب و فاتح دیکھنے کے زمانے میں ایمان قبول کرے' اس کے خلوص پر تمام دنیا تو یکساں طور پر مطمئن نہیں ہو سکتی' نیتوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے ہم آپ ظاہری حالات سے ہی تخمینہ لگاتے اور اندازے قائم کرتے ہیں' ظاہری حالات یقیناً ایسے تھے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان کو ان سے قبل ایمان لانے والوں کے ایمان کی سطح پر رکھنا آسان بات نہیں ہے۔

اور اس پر تو جملہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مرتبہ السابقون الاولون سے بہت کم ہے' کہاں وہ لوگ جو اسلام کی مظلومیت اور خوف و ہراس کے زمانے میں ایمان لائے' اور خود کو خوفناک آزمائشوں کے حوالے کر دیا' اور کہاں وہ لوگ جو اس وقت ایمان لائے جب

ایمان لائے بغیر نہ عزت باقی رہ سکتی تھی نہ مال غنیمت ہاتھ آسکتا تھا' نہ زندگی میں کوئی لطف تھا' حضرت ابو سفیان ﷜ انہی بعد کے لوگوں میں شامل ہیں لہٰذا اگر کچھ لوگ ان سے عقیدت نہیں رکھتے' ان کی تکریم نہیں کرتے تو اگرچہ وہ ہمارے نزدیک غلطی پر ہیں' وہ بے احتیاطی برت رہے ہیں' لیکن ان کا جرم بہرحال اتنا بھیانک نہیں ہے جتنا کسی ایسے شخص کا جو "مہاجرین و انصار" کی بے عزتی کرے۔

خود مولانا مودودی کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ حضرت ابو سفیان ﷜ اور امیر معاویہ ﷜ کے بارے میں ان کے بعض خیالات ہم سے مختلف ہیں' وہ ان حضرات کی ویسی تکریم و توصیف نہیں کرتے۔ جیسی ہم کرتے ہیں لیکن یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ اپنے موقف اور طرز فکر کیلئے ان کے پاس ایسے تاریخی شواہد ہیں جن کی بنا پر ان کا ہم سے مختلف موقف اور طرز فکر اختیار کرنا جرم نہیں کہا جائے گا' یہ بڑی زیادتی ہے کہ ہم یہ چاہنے لگیں' کہ ہر شخص ہر معاملے میں ٹھیک اسی طرح سوچے جس طرح ہم سوچتے ہیں' کسی بھی صحابی کی شان میں کھلی گستاخی' اس کی تذلیل و تحقیر تو یقیناً گناہ ہے' مگر واقعات کی روشنی میں اس کے متعلق کوئی ایسی رائے قائم کرنا جو عظمت کی امین نہ ہو جرم ہرگز نہیں ہے' بشرطیکہ زبان شریفانہ استعمال کی جائے ابوالخیر صاحب کی منقولہ عبارت شریفانہ اور شائستہ نہیں ہے اس لئے ہم اسے پسند نہیں کرتے' مگر مولانا مودودی کے قلم سے آج تک اس قسم کی زبان پڑھنے میں نہیں آئی۔

ویسے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر کہیں حکومت الٰہیہ قائم ہو جائے اور عدالت میں کوتاہ فہم' متشدد اور غلو پسند ججوں کے عوض' فہیم ذی بصیرت' محتاط اور توسط پسند قاضی تشریف فرما ہوں' تو ابوالخیر صاحب کی متذکرہ

عبارت پر کسی بھی نوع کی سزا ہرگز نہیں دی جاسکتی' یہ تو خیر ہلکی عبارت ہے۔ ایسی عبارتوں پر بھی حکومت اسلامیہ کو دارو گیر کا حق نہیں۔۔۔۔جن میں ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فوقیت دیتا ہے' حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر تقریباً "اجماع" ہے' لیکن اسلامی حکومت ایسے عقائد کے سلسلے میں دارو گیر نہیں کر سکتی' جو منصوص اور قطعی طور پر بنیادی واصولی نہ ہوں' ہاں سب و شتم' تبرا گالی بازی پر وہ ضرور قدغن لگائے گی مگر سب شتم کا اطلاق اتنا وسیع نہیں ہوگا جتنا وسیع ہم اسے اپنے عام معاملات میں بنالیتے ہیں۔ یعنی جہاں کسی نے ہماری کسی محبوب شخصیت پر تنقید کی ہم نے شور مچایا کہ لیجئے صاحب فلاں شخص کو گالیاں دیدیں۔

(۲) آیت کے سلسلے میں جو کھلی تعریض آپ نے مولانا مودودی پر کی ہے وہ بھی اسی بات کا مزید ثبوت فراہم کرتی ہے کہ آپ مولانا موصوف کے خلاف خواہ مخواہ کی "کد" لئے بیٹھے ہیں اور بنے نہ بنے اعتراض جڑنا' آپ کو مزا دیتا ہے۔

خدا جانے آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "جنگ احد" میں بعض صحابہ کے بارے میں "مال غنیمت" کی محبت کا الزام مولانا مودودی نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے' یا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ واقعہ تو بہرحال یوں ہی تھا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم "مال غنیمت" کے لالچ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کر بیٹھے تھے' مگر مولانا مودودی کو اپنے قلم کی نوک پر اس کا تذکرہ نہیں لانا چاہئے تھا؟

اگر پہلی بات کہتے ہیں تو اس کا نام ہوگا بے خبری کا شاہکار! کیا آپ نے بالکل سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ جس آیت کے سلسلے میں آپ مولانا مودودی پر اعتراض کر رہے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما کیا رہا ہے اور جس

جنگ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس میں واقع کیا ہوا تھا؟

تمام مفسرین و محدثین اور مورخین اسلام متفق ہیں کہ جنگ "احد" میں وقتی طور پر جو شکست اور شدید نقصان اہل ایمان کے حصے میں آیا' وہ اسباب کی حد تک نتیجہ تھا ان صحابہ کی حکم عدولی کا' جنہیں حضور ﷺ نے بطور امیر' حکم دیا تھا کہ جب تک تمہیں دوسرا حکم نہ دیا جائے تم اپنی جگہ سے مت ہٹنا' ان لوگوں نے اپنے لشکر کا غلبہ دیکھ کر جلد بازی کی اور دوسرا حکم ملے بغیر ہی "مال غنیمت" پر ٹوٹ پڑے' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خالد بن ولید کا جو دستہ تاک میں تھا اس نے اچانک دھاوا بول دیا اور جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے خلاف پلٹ گیا' یہ تصریح تو خود "بخاری" میں (۱) اسی متذکرہ آیت کے ذیل میں موجود ہے' پشت پر جن تیراندازوں کو حضور ﷺ نے مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ جب تک ہم نہ کہیں تم اپنی جگہ سے مت ہٹنا' وہ "مال غنیمت" کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گئے' تمام شارحین حدیث اس پر متفق ہیں کہ ہٹنے کی وجہ "مال غنیمت" کی محبت ہی تھی' اور کیسے نہ ہوں جبکہ خود قرآن صریح الفاظ میں یہی بتا رہا ہے پوری آیت پر نظر ڈالئے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ
حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ
يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۲)

---

(۱) (کتاب المغازی - باب غزوہ احد) (۲) (آل عمران - ع ۱۶)

اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ' جب تم قتل کرنے لگے
ان کو اس کے حکم سے' یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی
اور کام میں جھگڑا ڈالا' اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو
دکھاچکا تمہاری خوشی کی چیز' کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا'
اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت' پھر تم کو الٹا دیا ان پر
سے' تاکہ تم کو آزمائے اور وہ تم کو معاف کرچکا اور اللہ کا
فضل ہے ایمان والوں پر۔

یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ ملاحظہ فرمایئے' مولانا مودودی نے تو فشلتم کا ترجمہ کیا ہے۔۔۔ "تم نے کمزوری دکھائی" مگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کمزوری کے بجائے "نامردی" کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ کمزوری کے مقابلے میں زیادہ سخت اور تحقیر آمیز ہے' لیکن نہیں سننے میں آیا کہ کبھی کسی نے اعتراض اٹھایا ہو۔

خیر زیر گفتگو ٹکڑے کو دیکھئے کیا قرآن خود ہی نہیں بتارہا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی' اور یہ وہی تھے جنہیں اس وقت آخرت کے مقابلے میں دنیا زیادہ عزیز ہوگئی تھی' دنیا کا اطلاق یہاں سوائے "مال غنیمت" کے اور کس چیز پر کیا جاسکتا ہے' یہی "مال غنیمت" تھا جس کا لالچ حکم عدولی کا موجب بنا تھا' اب اگر مولانا مودودی نے اسی منصوص و منطوق مضمون کو بریکٹ دے کر غیر مبہم الفاظ میں بیان کردیا تو اعتراض کیسا' اور کیوں' علامہ شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر دیکھئے اس میں بھی تصریح ملے گی کہ "مال غنیمت" ہی کی محبت نے ان اصحاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر آمادہ کیا تھا۔

مولانا ابوالکلام بھی "ترجمان القرآن" میں صاف لکھتے ہیں:

"جب تم نے عین حالت جنگ میں رسول کی نافرمانی کی' اور ایک گروہ "مال غنیمت" کی طمع میں مورچہ چھوڑ کر تتر بتر ہو گیا(۱)

"ابن کثیر" "روح المعانی" "روح البیان" "کشاف" "فتح القدیر" "خازن" "المنار تفسیر کبیر" اور بعض اور تفسیریں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں' ان میں ایک بھی تو نہیں جو اس منصوص اور قطعی امر واقعہ سے انکاری ہو' کہ تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا "مال غنیمت" ہی کے لالچ سے تھا۔

پھر بھلا آپ کا اعتراض کیا اور کیوں؟

ایک اعتراض علمی بیشک یہاں ہو سکتا تھا کہ ما تحبّون سے مولانا مودودی نے "مال غنیمت" مراد لے لیا ہے حالانکہ مراد اس سے وہ ابتدائی فتح ہے جس سے مغالطے اور لالچ میں مبتلا ہو کر تیرانداز صحابہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے تھے۔

لیکن یہ اعتراض بھی فیصلہ کن نہیں کہا جا سکتا' کیونکہ مذکورہ "تفاسیر میں سے متعدد تفسیروں میں مولانا مودودی کی تائید موجود ہے لہذا کوئی حرج نہیں' اگر مولانا کو یہ ترجمانی زیادہ صحیح معلوم ہوئی ہو' نحوی اعتبار سے تراجم کا اختلاف تو اہل علم میں عام رہا ہے' اسے کسی فریق کے خلاف طنز و طعن کا وسیلہ بنانا ہوشمندوں کا کام نہیں۔

---

(۱) (جلد اول صفحہ ۳۷۲)

مولانا دریابادی اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے جو فقرے آپ نے نقل فرمائے کیا ان میں اس سے بھی انکار کیا گیا ہے کہ بعض صحابہ "مال غنیمت" کے لالچ میں آگئے تھے۔۔۔ اگر نہیں کیا گیا ہے اور یقیناً" نہیں کیا گیا ہے تو پھر انہیں پیش کرنے سے فائدہ؟ یہ دونوں مفسرین ہوں یا اور کوئی مفسر، کسی کیلئے بھی اس واقعہ سے انکار کی گنجائش نہیں کہ "جنگ احد" میں بعض صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی تھی' اور اس حکم کا سبب وہ "مال غنیمت" بنا تھا جسے حاصل کرنے کیلئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کئے بغیر اور اپنے دستے کے سردار عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کے باوجود' اپنی متعینہ جگہ چھوڑ بیٹھے تھے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اسی آل عمران میں "جنگ احد" کے تذکرے سے مربوط یہ آیت بھی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً

اے اہل ایمان مت کھاؤ سود دونے پر دونا (سود در سود)

"جنگ احد" سے اس امتناع سود کی آیت کا ربط اکثر مفسرین نے یہی تو بتایا ہے کہ جن تیراندازوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے مسلمانوں کو شکست کا زخم سہنا پڑا تھا ان کے ہٹنے کی وجہ "مال غنیمت" کی محبت تھی' اور مال کی محبت دل سے نہیں نکل سکتی اگر آدمی سود خواری کرتا رہے' یہ وہ وقت تھا جب "سود کی حرمت" نازل نہیں ہوئی تھی اور یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان بھی سود خواری کے کاروبار سے بلاتکلف وابستہ تھے' اللہ تعالیٰ نے خود ہی تشخیص و تصریح فرمادی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حکم عدولی کا باعث مال و دولت کی وہ غیر معتدل محبت بنی تھی جو سود خواری کی عین سرشت اور وضع میں سمائی ہوئی

ہے۔

پھر یہ بھی نہ بھولئے کہ زمانہ ابھی آغاز ہی کا تھا اور تیراندازوں کے اس دستے میں جنہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دینے کی غلطی کی تھی' بڑی تعداد ان صحابہ ﷺ کی تھی جو نئے بھی تھے' اور غیر تربیت یافتہ بھی' ان سے جو کچھ سرزد ہوا برا ضرور تھا' مگر حیرتناک یا غیر معمولی ہرگز نہ تھا' اسی لئے اللہ نے معاف بھی جلد ہی فرمادیا' کیا کوئی بھی فہیم آدمی اس طرز استدلال کو معقول تصور کرسکتا ہے کہ چونکہ قرآن میں صحابہ ﷺ کی تحسین و تعریف آئی ہے اس لئے ہر وہ تاریخی واقعہ غلط ہے جس سے کسی بھی صحابی کی فرد عمل پر گناہ کا داغ آتا ہو۔

آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے تعمق فرمائیں' کہ جو اعتراض آپ نے مولانا مودودی کے ترجمے پر کیا ہے وہ ماشہ برابر بھی وزن نہیں رکھتا' الا یہ کہ آپ کا سوء ظن اسے خیالی باتوں سے وزن دار بنادے۔

(تجلی دیوبند اپریل ۱۹۶۶ء)

مودودی شہ پارے

اتنا تو صاف ہی ظاہر ہے کہ یہ نام کسی سنجیدہ اور شریف ذہن کی پیداوار نہیں ہو سکتا' شاید یہ اللہ کی سنت ہی ہے کہ مصلحین کی مخالفت کرنے والوں میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ کم سواد اور سفلے بھی ضرور شریک رہا کریں' ختمی مرتبت رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک کے ایک ایک مصلح اور قائد کی روداد حیات اٹھا کر دیکھ لو' جہاں ایک طرف بہت سے شرفاء' حزب شیطان کی صفوں میں نظر آئیں گے' وہاں بہت سے اوباش اور رذیل بھی حزب اللہ کے بالمقابل داد شجاعت دیتے ملیں گے' پھر بھلا مولانا مودودی ہی کیسے اس سنت اللہ کی زد سے بچ کر نکل جاتے' ان کی مخالفت کرنے والوں میں جہاں کتنے ہی شریف و نجیب ہیں وہیں بے شمار ایسے خود ساختہ پیر فقیر بھی ہیں جن کے اسماء گرامی چاہے تھانے کی بلیک لسٹ میں درج نہ ہوں' لیکن ان کی ذہنی سطح غنڈوں اور اوباشوں کی ذہنی سطح سے قطعاً مختلف نہیں ہے۔

یہ کتاب تو بسا غنیمت ہے ہمیں تو وقتاً فوقتاً ایسے ایسے پمفلٹ اور کتابچے موصول ہوتے رہتے ہیں کہ ان پر اظہار خیال تو درکنار انہیں پڑھنا بھی اتنا ناگوار ہوتا ہے جیسے مثلہ شدہ ننگی لاشوں کا منظر آنکھوں کے سامنے ہو "فتنئ مودودی"--- "دشمن اسلام مودودی"--- "دغا باز مودودی"--- شاتم رسولؐ اور موہن صحابہؓ مودودی"--- یہ تو معمولی خطابات ہیں۔ متعدد خطابات ان کتابچوں اور پوسٹروں میں ایسے ملتے ہیں کہ ان کے ایک ایک حرف سے جلی ہوئی لاشوں کی چکرائند اور سڑے ہوئے گوشت کی بدبو ابلتی محسوس ہوتی ہے۔

آج مولانا مودودی جیل میں ہیں ان کا جرم وہی ہے جو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ' امام احمد علیہ الرحمۃ' ابن حنبل علیہ الرحمۃ' امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ' مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ' شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ' شاہ اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ وغیرہم کا تھا' شیطانی اقتدار کے حدود میں اس سے بڑا جرم اور ہو بھی کیا سکتا ہے کہ کوئی شخص خدائی اقتدار کی دعوت دے' اور شیطانی اقتدار کو للکارتے ہوئے بے لاگ صداقتوں کے رخ سے مکروفریب کا ملمع کھرچ ڈالنے کی کوشش کرے' شیطان جانتا ہے کہ مولانا مودودی کو جیل میں ڈالنے اور ان کی تحریک کو جبروتشدد سے ختم کر دینے کے باوجود حق و صداقت دم نہیں توڑ گئے۔ بازگشت آج بھی گونج رہی ہے۔ اور نہ جانے کب تک گونجے گی' لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے چیلے مخالفانہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور جتنی گندا چھالی جا سکے اچھالتے رہیں۔

"مودودی شہ پارے"۔۔۔"ادارہ تحفظ پاکستان" نے شائع فرمائے ہیں۔ واقعی پاکستان مغربی تہذیب و تمدن' شراب و قمار اور سود و زنا کی جن نعمتوں کا محافظ بنا ہوا ہے' ان کی نسبت سے تو وہ ادارے بجا طور پر "محافظ پاکستان" ہی کہلائیں گے جنہیں مولانا مودودی اور ان کی تحریک اقامت دین سے کد ہو' عناد دیر ہو۔ مولانا مودودی اس شیطانی تہذیب و تمدن کے بدترین دشمن ہیں' ان کی "تاریخ ساز ہستی" بلاشبہ ایسے پاکستان کیلئے زبردست خطرہ ہے' جو اسلام کے ایک طبع زاد خاکے کی ترویج و اشاعت کا علمبردار بنا ہوا ہے' انہیں زک دینے' ان کو رسوا کرنے' ان کی دعوت کا گلا گھونٹنے کیلئے جتنا بھی جھوٹ' مکروفریب' دجل و جعل استعمال کیا جا سکے کرنا ہی چاہئے' کیونکہ وہ جاہلیت کی تمام ہی جدید و قدیم اقسام کے دشمن ہیں' وہ اسلام چاہتے ہیں اور ایسا اسلام جو غلام بن کر نہیں آقا بن کر رہے' شیطان کے

قیامت تک زندہ رہنے کا فائدہ ہی کیا ہوا' اگر مصلحین و مجددین قدم قدم پر رکاوٹوں اور مخالفتوں کی چٹانوں سے ٹکرا کر لہولہان نہ ہوتے رہیں'

اس کتابچے میں ایک مغالطہ انگیز تمہید کے بعد "جماعت اسلامی" کے لٹریچر سے تقریباً سو ٹکڑے حروف تہجی کی ترتیب سے نقل کئے گئے ہیں۔ یہ بالکل وہی حرکت ہے جو قرآن و حدیث کے ساتھ اسلام کے معاندین کرتے آئے ہیں' یا جو بریلوی فتنہ گر علمائے "دیوبند" اور علمائے اہلحدیث کی تحریروں کے ساتھ کرتے ہیں' ہر شخص جانتا ہے کہ کسی بھی فقرے کا صحیح مفہوم و مدعا اس کے سیاق و سباق ہی سے متعین ہوا کرتا ہے' اگر سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا جائے تو دنیا کی مقدس سے مقدس کتاب حتیٰ کہ حدیث اور قرآن تک کے سیکڑوں فقرے ایسے ہوسکتے ہیں جنہیں نفرت انگیزی اور اشتعال پھیلانے کی ابلیسی مہم میں ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا بہت آسان ہے' مانا کہ کتابچے کے مرتبین نے حوالے ساتھ ساتھ دیئے ہیں' لیکن ظاہر ہے کہ جاہل و نیم جاہل عوام محولہ کتابیں اور مضامین دیکھنے سے رہے' ان کا ناپختہ اور سطحی ذہن جو کچھ بھی اثر قبول کرے گا' اسی اکھڑے ہوئے فقروں سے کرے گا اور فتنہ پردازوں کو بڑی حد تک اپنے ناپاک مشن میں کامیابی ہو ہی جائے گی۔

اس کتاب میں دیئے گئے ایک ایک اقتباس پر ہم طویل گفتگو کر سکتے تھے' کیونکہ شاید ہی کوئی ایسا اقتباس ہو جسے ہم نے اس کی اصل جگہ پڑھا نہ ہو لیکن حاصل کیا ہو گا جبکہ خلوص و للٰہیت کا دور دور پتہ نہیں' اور یہ ساری حرکتیں جاہلیت' خدا فراموشی' تنگ ظرفی اور خوشامد اقتدار کی ایسی کمین گاہوں میں بیٹھ کر کی جا رہی ہیں جہاں بے لاگ سچائیوں کی آواز نہیں پہنچ سکتی' اور پہنچ بھی جائے تو مردہ ضمیروں میں جان نہیں ڈال سکتی۔

عبرتناک یہ ہے کہ جس طرح تجدد پیشہ حضرات ناچ رنگ ' عریانی و فحاشی اور قرآن سے کھلی بغاوت تک کیلئے آیات قرآنیہ ہی کو' لیبل کے طور پر استعمال کرتے ہیں' اسی طرح اس کتابچے میں بھی قرآن کی یہ آیت بہت نمایاں کرکے بخط عنوان شامل کی گئی ہے۔ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولاَ تفرقوا۔**

یعنی عین اس دکان پر جو افتراق بین المسلمین کی جنس فروخت کرنے کیلئے سجائی گئی' بورڈ لٹکایا گیا ہے' اس آیت کا جو ایسی ہر فتنہ انگیزی کو ختم کرکے باہمی اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتی ہے!۔۔۔ حاصل یہی ہے ہمارے دور نامسعود کی نمایاں خصوصیت کہ آدمی عین بازار میں ننگا ہوکر دوسروں کو عفت و حیا کا درس دے' اور ٹھیک اس وقت جب اس کی آستین سے تازہ لہو ٹپک رہا ہو' امن و اہنسا پر لکچر جھاڑے۔

غنیمت ہے کہ ایک آخری عدالت بھی آنے والی ہے' جہاں انسانوں کے ساتھ سچا اور بے لاگ انصاف ہونا ہے' وہی عدالت ہے جس کا تصور ہمیں صبرو ضبط کا یارا دیتا ہے' ورنہ چاروں طرف عدل و صداقت کے ساتھ جو تمسخر' جو ظلم و طغیان' جو ٹھٹول اور استہزاء ہو رہا ہے۔۔۔ اور مسلسل ہو رہا ہے وہ اس کیلئے بہت کافی تھا کہ ہمارے سینے فرط الم سے پھٹ جاتے' اور ہماری آنکھیں شدت غم سے پتھرا جاتیں۔

تبصرہ خاصا سخت رہا۔ لیکن ہمارے اشتعال کی وجہ خاص طور پر یہ ہے کہ مولانا مودودی کے عنادی لوگ صحابہ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی ذات پر کیچڑ اچھال رہے ہیں' اس کی معمولی سی مثال ملاحظہ کیجئے۔ اسی کتاب میں ۳۴ صفحہ پر مولانا مودودی کا یہ فقرہ نقل کیا گیا ہے کہ "جھوٹ' جس کا

استعمال بعض اوقات شرعاً" واجب ہوتا ہے"، "کم علم عوام کو بھکانے اور متنفر کرنے کیلئے، ظاہر ہے یہ فقرہ خاصا کارگر ہے، ہمیں اگر یہ خیال ہوتا کہ اس قول کو نقل کرنے والا جاہل اور بے سمجھ ہے تو ہم یقیناً غصے کے بجائے تفہیم و توضیح کی سعی بلیغ کرتے، لیکن اس خیال کی گنجائش ہی نہیں جبکہ اسی "ترجمان القرآن" میں جس سے یہ فقرہ نقل کیا گیا ہے، مولانا مودودی کا مفصل مضمون "جھوٹ" کے موضوع پر موجود ہے اور اس مضمون کو پڑھ کر جاہل بھی یہ جان لے سکتا ہے، کہ مولانا مودودی کے اس فقرے کو نفرت انگیزی کی خاطر استعمال کرنے والا دراصل تمام محدثین و فقہاء، جلیل القدر صحابہ اور خود سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت انگیزی کر رہا ہے، کیونکہ مولانا مودودی نے "جھوٹ" کے بارے میں جواز یا وجوب کا جو بھی قول نقل کیا ہے، وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ بخاری، مسلم، ترمذی، احمد، نسائی، حاکم اور ابن حبان کے روایت فرمودہ ارشادات رسول کی ترجمانی میں کیا ہے، اور ساتھ ہی مستند حوالوں کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان پیغمبرانہ ارشادات سے جو نتیجہ میں اخذ کر رہا ہوں، وہی تمام علمائے اسلام نے متفقہ طور پر کیا ہے، یہ سب کچھ پڑھنے کے باوجود اگر کوئی شخص بیچ میں سے ایک مغالطہ انگیز اور گمراہ کن فقرہ نکال کر عوام کے آگے رکھ دیتا ہے، تو اس کی بے ایمانی اور سیاہ قلبی پر غصہ نہ آئے تو کیا آئے، اس پوری کتاب میں یہی نجس طریقہ برتا گیا ہے، اور مولانا مودودی کی جو عبارتیں اپنی اصل جگہ قیمتی نگینوں کی طرح جڑی ہوئی ہیں انہیں اکھاڑ اکھاڑ کر خزف ریزے باور کرایا گیا ہے۔

"جھوٹ کے جواز" کا الزام چونکہ بعض اور لوگ بھی وقتاً فوقتاً مولانا مودودی کے خلاف اچھالتے رہتے ہیں،

اور خیر سے آج کل پاکستانی پارلیمانی سیکریٹری بھی یہ نیک کام انجام دے رہے ہیں لہذا ہم اسی شمارے میں کسی جگہ مولانا مودودی کی پوری بات نقل کر رہے ہیں ناظرین ملاحظہ فرمالیں اور پھر انصاف کریں کہ ہمارا بھنانا جا ہے یا بے جا۔

"تجلی دیوبند" مئی ۱۹۶۳ء

خاص حالات میں جھوٹ

خلاصہ کونین ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر' آج تک کے تمام مصلحین و مجددین میں کون ہے جس پر چاروں طرف سے بہتان و افتراء کے تیر نہ برسائے گئے ہوں' مولانا مودودی کو اللہ نے منصب اصلاح و تجدید بخشا' تو کیسے ممکن تھا کہ اس منصب کے طبعی تقاضے پورے نہ ہوتے' آج یہ مرد مومن جیل میں ہے اور جیل میں اس لئے ہے کہ اس نے غیر اسلامی نظام زندگی پر قانع رہنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس نے انکار کیا ہے کہ جب پورے معاشرے پر طاغوتی افکار و اعمال کا تسلط ہو' تو وہ گھوڑے کی پیٹھ سے اتر کر مسجد میں معتکف ہو جائے' وہ کہتا ہے میں اپنے نفس کو جنت کے بدلے فروخت کر چکا' اب تم جیل میں ڈالو' یا پھانسی پر لٹکا دو' میں بہرحال اس سودے کی شرائط پوری کروں گا' میں اپنی مٹھی بھر ہڈیوں سے منہ زور طوفان کا دہانہ بند کرنے کی کوشش کروں گا' چاہے طوفان کی شدت انہیں سرمہ بنا کر بہا لے جائے۔

دوسرے لغو ولاطائل بہتانوں کے علاوہ ایک یہ ایکشنی نوع کا بہتان بھی ان پر آج کل زور شور سے لگایا جا رہا ہے کہ وہ جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں۔۔۔ کیسی اشتعال انگیز بات! اس پر تو وہ لوگ بھی چونک اٹھتے ہیں جو مولانا سے بیزار نہیں' اب ہم اپنی طرف سے کیا کہیں خود مولانا ہی کا پورا متعلقہ مضمون نقل کئے دیتے ہیں بحوالہ (۱)

"راست بازی و صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے' لیکن عملی زندگی کی

(۱) "ترجمان القرآن" جلد ۵۰' عدد ۲ اور رسائل و مسائل ۱۱۸ پیراگراف (۳)

بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے' بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے' "صلح بین الناس" اور "ازدواجی تعلقات" کی درستی کیلئے اگر صرف صداقت کو چھپانے سے کام نہ چل سکتا ہو' تو ضرورت کی حد تک جھوٹ سے کام لینے کی شریعت نے صاف اجازت دی ہے' جنگ کی ضروریات کیلئے تو جھوٹ کی صرف اجازت ہی نہیں ہے' بلکہ اگر کوئی سپاہی دشمن کے ہاتھ گرفتار ہوجائے' اور دشمن اس سے اسلامی فوج کے راز معلوم کرنا چاہے' تو "ان کا بتانا گناہ اور دشمن کو جھوٹی اطلاع دیکر اپنی فوج کو بچانا واجب ہے"' اسی طرح اگر کوئی ظالم کسی بے گناہ کے قتل کے درپے ہو' اور وہ غریب کہیں چھپا ہوا ہو' تو "سچ بول کر اس کے چھپنے کی جگہ بتادینا گناہ اور جھوٹ بول کر اس کی جان بچالینا واجب ہے"' اس معاملے میں شریعت کے احکام ملاحظہ ہوں۔

"ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا' کہ وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے' اور اس غرض کیلئے خیر پہنچاتا اور خیر کہتا ہے" (بخاری و مسلم)

اور "مسلم" کی روایت میں اتنی بات اور زیادہ ہے کہ "انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ کو کسی معاملہ میں وہ باتیں کرنے کی اجازت دیتے ہوئے نہیں سنا جو لوگ کیا کرتے ہیں' مگر تین معاملات اس سے مستثنیٰ ہیں ایک جنگ' اور دوسرے اصلاح بین الناس' تیسرے میاں اور بیوی کی باتیں"

"اسماء بنت یزید نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ جھوٹ جائز نہیں ہے' مگر تین چیزوں میں' مرد کی بات

عورت سے 'تاکہ وہ اس کو راضی کرے' جنگ 'اور اصلاح بین الناس" (ترمذی)

۔ اس کی عملی مثالیں بھی احادیث میں موجود ہیں کعب بن اشرف کے قتل کیلئے محمد بن مسلمہ کو جب حضور ﷺ نے مامور کیا' تو انہوں نے اجازت مانگی کہ اگر کچھ جھوٹ بولنا پڑے تو بول سکتا ہوں؟ حضور ﷺ نے بالفاظ صریح انہیں اس کی اجازت دی (۱) حجاج بن علاط نے غزوہ خیبر کے موقع پر مکہ والوں کے قبضہ سے اپنا مال نکال کر لے آنے کیلئے جھوٹ سے کام لینے کی اجازت عطا فرمائی (۲)

فقہاء و محدثین کے نتائج

ان نظائر کی بنا پر فقہاء و محدثین نے جو نتائج نکالے ہیں' وہ بھی ملاحظہ فرمالئے جائیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

> "علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ شدید ضرورت پیش آنے پر جھوٹ بولنا جائز ہے' مثلاً اگر ایک ظالم کسی شخص کو قتل کرنا چاہتا ہو' اور وہ مظلوم کسی شخص کے پاس چھپا ہوا ہو' تو اس کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے پاس اس کے ہونے کا انکار کرے' اس پر قسم کھالے' ایسا کرنے میں وہ گنہگار نہ ہو گا (۳)

○○○

---

(۱) (بخاری' باب الکذب فی الحرب وباب الفتک باہل الحرب) (۲) (احمد' نسائی' حاکم' ابن حیان)
(۳) (فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۹۰)

علامہ ابن القیم حجاج بن علاط مسلمی کا واقعہ نقل کرنے کے بعد اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

"اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ آدمی کا اپنے متعلق یا کسی دوسرے کے متعلق جھوٹ بولنا ایسی حالت میں جائز ہے' جبکہ دوسرے کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو' اور آدمی اس جھوٹ کے ذریعہ سے اپنا ایک جائز حق حاصل کرے۔ (۱)

علامہ نووی "ریاض الصالحین" میں احادیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ اصول بیان کرتے ہیں۔

"ہر اچھا مقصد جس کا حصول جھوٹ کے بغیر ممکن ہو' اس کے لئے جھوٹ بولنا حرام ہے' لیکن اگر اس کا حصول جھوٹ کے بغیر ممکن نہ ہو تو جھوٹ جائز ہے' پھر اگر وہ مقصد ایسا ہو کہ اس کا حاصل کرنا مباح ہو' تو اس کیلئے جھوٹ بھی مباح ہے' اور اگر اس کا حصول واجب ہو' تو اس کیلئے جھوٹ بھی واجب ہے۔ (باب تحریم الکذب)

غور سے دیکھا جائے تو یہاں بھی وہی قاعدہ کار فرما نظر آتا ہے کہ سچ بولنے اور جھوٹ سے اجتناب کرنے کی ایک اخلاقی قیمت ہے' جس سے زیادہ قیمتی چیز کا نقصان ہو رہا ہو تو اس سے نسبتاً کم قیمت چیز کا نقصان گوارا کیا جاسکتا ہے' بلکہ بعض صورتوں میں گوارا کرنا چاہئے۔

"تجلی دیوبند" مئی ۱۹۶۴ء

---

(۱) (زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۳۰۳)

اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

ابھی کچھ ہی روز ہوئے "کراچی" میں چشم بددور ایک "مشائخ کانفرنس" ہوئی تھی' یا کی گئی تھی' اس میں صدر مملکت جناب محمد ایوب خاں صاحب نے اپنی دانست میں اہم اسلامی موضوعات پر اظہار خیال فرمایا' اور اس بات پر خوشی ظاہر کی' کہ مشائخ میں کثرت الیوم ہی شریف و صالح حضرات کی ہے جو سیاسیات سے دامن کش ہیں' اور دین کی خدمت کر رہے ہیں' آپ کے ارشادات عالیہ کے کچھ فقرے جوں کے توں یہ ہیں :

> مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ "موتمر" کے ارکان اپنے لئے کوئی سیاسی اقتدار نہیں چاہتے' بدقسمتی سے آج ہمارے ملک میں ایک مذہبی گروہ ایسا بھی ہے کہ اس نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے' ہمارے لوگ مذہبی ہی ہیں اور ساتھ ہی سید ہے اور نیک ہیں' آسانی سے ایسے لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں جو مذہب کی آڑ میں اقتدار چاہتے ہیں، کاش وہ ان لوگوں کے فریب سے خبردار ہوں۔

کتنے مزے کی بات ہے کہ جو شخص بھی چند روز کیلئے مسند اقتدار پر آجاتا ہے' وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ اقتدار تو اس کے باپ دادا کی میراث ہے' اور دوسرے سب لوگوں کو ان کی ماؤں نے غلام جنا ہے۔

چھوڑیئے کہ ایک مذہبی گروہ واقعی سیاسی اقتدار چاہتا ہے' یا یہ الزام خود الزام لگانے والوں کی نام نہاد منافقتوں اور دھاندلیوں کے جواز

کا ایک بھونڈا سا بہانہ ہے' مان لیا کہ یہ معتوب و مطعون مذہبی گروہ سچ مچ اقتدار ہی کا طالب ہے' مگر محترم صدر ایوب صاحب اور ان جیسا طرز فکر رکھنے والے "ہند و پاک" کے تمام ہی خوش فہم حضرات توضیح تو فرمائیں' کہ اگر وہ گروہ اقتدار چاہتا ہے تو اس میں عیب کیا ہے؟' آخر کیوں نہ چاہے؟ آپ یا کوئی بھی کرسی نشیں کیا ماں کے پیٹ سے کرسی لے کر پیدا ہوا تھا' یا اس کی پیشانی پر یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ تم تو زور زبردستی ہر طرح سے مسند اقتدار حاصل کر لینے کے مستحق ہو' مگر دوسرے لوگوں کو یہ بھی حق نہیں کہ وہ قانون ہی کے دائرے میں رہ کر پرامن اور شریفانہ طریقوں سے بھی مسند اقتدار تک پہنچنے کی کوشش کر سکیں۔

ناکردہ گناہوں کو مجرم بنانے کی تکنیک کو ملاحظہ کیجئے' خود اقتدار کی شاہد رعنا سے ہم آغوش ہیں' لیکن دوسروں کیلئے حصول اقتدار کی خواہش تک جرم' گویا عروس اقتدار ایکلی تھی جو منکوحہ ہے' جس کا تصور بھی کسی اور کیلئے گھناؤنی بات ہوگی' پھر مزا یہ کہ "آڑ" کا لفظ بھی جرم کو بھیانک بنانے کیلئے استعمال کیا گیا۔ آڑ چہ معنی دارد۔؟ جس غریب مذہبی گروہ کو مطعون کیا جارہا ہے وہ تو برابر بیس سال سے یہی کہتا آرہا ہے کہ مسند اقتدار پر ان لوگوں کا قبضہ ہونا چاہئے جو اسلام کے وفادار ہوں۔۔۔فقط لسانی کی حد تک نہیں عمل و کردار کے دائرے میں بھی وفادار ہوں' اس کا جو پیغام جو دعوت' جو مطالبہ اور جو مشن ہے وہ روز اول سے کھلی کتاب ہے' اس کے یہاں کوئی آڑ کوئی پردہ' کوئی نقاب نہیں' پھر بھی کسی آنکھ والے کو آڑ نظر آئے تو اس کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ خود اس کے دل کا چور ہے' ایسے ہی مواقع کیلئے پچھلوں نے "چور کی داڑھی میں تنکا" کی کہاوت وضع کی تھی' مگر افسوس کہ عزت

آب صدر "پاکستان" کے داڑھی ہی نہیں' جو اس کہاوت کو ان پر چسپاں کیا جاسکے' پھر بھی ادنیٰ غور و فکر ہی سے ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے' کہ آڑ بچارے "مذہبی گروہ" کی دعوت کے آگے تو نہ آج ہے نہ پہلے کبھی تھی' ہاں خود جناب صدر ایوب اور ان کے مقتدر ساتھی بے شک اسلام کی آڑ میں من مانی کرنے کے درپے ہیں' آپ شمار نہیں کرسکتے کہ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں یہ حضرات کتنی بار اسلام کی دہائی دیتے ہیں۔ اسلام سے عشق صادق کا اظہار کرتے ہیں' اسلام ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بتاتے ہیں' لیکن اس سخن سازی و شیفتہ بیانی کی آڑ میں ان کے اعمال اور کارنامے جو کچھ ہیں ان کا اندازہ کرنے کیلئے فقط اتنا ہی دیکھ لینا کافی ہے کہ "اسلامی پاکستان" میں عین قانون کے زیر نگرانی شراب نوشی' عصمت فروشی' ناچ رنگ اور تہذیب نوی کے تمام ہی مظاہر کس برق رفتاری سے ترقی پذیر ہیں' اسلام کے نام پر اگر کوئی قانون بھی بنتا ہے تو عائلی قانون۔۔۔جو قرآن و سنت والے اسلام سے فقط لاپروائی ہی کا آئینہ دار نہیں بلکہ اس سے بیزاری اور ضد کا بھی مظہر ہے۔

اسلام کی جو تعریف یہ لوگ کرتے ہیں اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے دروازے سے دنیا کے ہر باطل نظریئے اور ہر اخلاق دشمن عمل کو داخلے کی پوری آزادی مل جاتی ہے' لیکن نہیں ملتی تو اکیلے اسلام کو نہیں ملتی' اسلام کیلئے ان کے طبع زاد اسلام کے "قصر الحمرا" میں منوں وزن کا قفل لٹکا ہوا ہے اور جو شخص یا گروہ اس قفل کی طرف انگلی بھی اٹھانے کی جسارت کرے اس کیلئے ان کے ترکش میں بہتانوں اور زبردستیوں کے تیر ہر وقت پر تولے ہوئے ہیں۔

مگر چلئے۔ تھوری دیر کیلئے مانے ہی لیتے ہیں کہ ایک مذہبی گروہ سچ مچ

مذہب کی "آڑ" ہی لے کر اقتدار کی مسند تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس میں آخر واویلا اور اعتراض کی کیا بات ہے؟ انتخابی سیاست میں کیا اقتدار و منصب کے ہر خواہشمند کو یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے نظریئے' اپنے منصوبے' اپنے عزائم مینوفیسٹو کی حیثیت میں عوام کے آگے پیش کرے اور خود کو ان کے ووٹ' ان کی تائید اور ان کے اعتماد کا حق دار ثابت کر دے' ایوان اقتدار میں داخلے کے متمنی حضرات کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے پروگرام عوام کے سامنے لاتے ہیں' کوئی صنعتی ترقی کے سبز باغ دکھاتا ہے۔ کوئی معاشی جنت کے خیالی پرچم لہراتا ہے' کوئی تجارت یا زراعت یا سماجی اصلاح کی بشارت دیتا ہے' یہ سب جائز یہ عین جمہوریت اور یکسر مباح و برحق۔۔۔ لیکن اسی محاذ پر اگر کوئی شخص یا گروہ مذہب و اخلاق کا نام لے دے تو وہ مجرم' مکار' مفسدہ پرداز' غدار اور قابل گردن زدنی!

اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ آپ کے نزدیک دنیا کی سب سے گھناؤنی اور ملعون شے مذہب و اخلاق ہی ہے' اس کا نام مت لو اور جو چاہے کہتے رہو' تمہیں اجازت ہے کہ اقتدار کی مسند تک پہنچنے کیلئے کسی بھی پروگرام اور نظریئے کی آڑ لو۔ تم کمیونزم تک کی آڑ لے کر انتخابات لڑ سکتے ہو' لیکن یہ ہرگز برداشت نہیں کیا جاسکتا کہ مذہب و اخلاق کا نام تمہاری زبان پر آئے' تم یہ کہہ کر لوگوں سے ووٹ نہیں مانگ سکتے کہ ہمیں امت مسلمہ کو اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات پر چلانا ہے اور ہم اسلام کو زندگی کے ہر دائرے میں معزز بنانے کے خواہشمند ہیں۔

کوئی کافر و ملحد ایسی بات کہے تو قابل فہم بھی ہے' لیکن جو لوگ اپنی ہر تقریر میں اسلام اسلام کی رٹ لگاتے ہیں' اور بزعم خود معقولیت پسند بھی ہیں

وہ اگر اس طرح کی بات کرتے ہیں تو سوائے اس کے کیا سمجھا جائے کہ اقتدار پر بالجبر قابض رہنے کی ہوس نے انہیں پرلے سرے کا معقولیت دشمن بنا دیا ہے' یا پھر انہیں اپنی تمام تر "اسلام بازیوں" کے باوجود اسلام سے' اخلاق سے' نیکی سے' دلی کد ہے' نفرت ہے' سخت تعصب ہے'

سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ عزت مآب ایوب خان صاحب اور ان جیسا انداز فکر رکھنے والوں کے نزدیک اقتدار" کوئی بری چیز ہے یا اچھی چیز--- اگر بری ہے تو انہیں شرم سے پانی پانی ہو جانا چاہئے کہ وہ دن کی روشنی میں اس برائی سے لپٹے ہوئے ہیں۔ پھر وہ کس منہ سے عوام کے کانوں میں وعظ و پند کا سیسہ پگھلاتے پھرتے ہیں۔

اور اگر وہ اچھی چیز ہے تو آخر کیوں فقط مذہبی گروہ پر ہی یہ پابندی لگے کہ وہ اس اچھی چیز کی طرف نہ بڑھے' حالانکہ اچھے لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اچھائیوں کی طرف لپکیں' مذہب' اخلاق' خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات' اگر اچھی چیزیں ہیں اور اقتدار بھی بری چیز نہیں' تو پھر یہ بات قابل اعتراض کیسے ہو سکتی ہے کہ اچھے لوگ اچھی چیز کی طرف بڑھیں۔

محترم صدر ایوب نے اس بات پر خوشی ظاہر کی ہے کہ "موتمر کے" مشائخ سیاسیات سے کنارہ کش ہیں۔ یہ خوشی تنہا جناب صدر ہی کو نہیں ہے پورا مغرب' ساری دنیائے کفر اس بات پر عرصہ دراز سے بے پناہ مسرت محسوس کر رہی ہے کہ جو دین حیات و کائنات کی تمام وسعتوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے چلا تھا' اس کے پیرو اب صرف مسجدیں اور خانقاہیں ڈھالنے میں مگن ہیں' دین و سیاست کے مابین حد فاصل قائم کرنے کا سہرا دراصل کسی پاکستانی یا مصری یا ترکی صدر کے سر نہیں ہے' بلکہ یہ حضرات تو محض شاگرد رشید ہیں'

امام واستاد تو وہ کافرانہ ذہن ہے جو اپنی متاع کفر کے تحفظ پر مطمئن ہی نہیں ہو سکتا تھا' اگر مسلمانوں کے دماغوں میں دین و سیاست کے دو الگ الگ خانے نہ بنا دیتا۔

یہ بھی صدر محترم نے ٹھیک ہی کہا کہ ملک میں ایک مذہبی گروہ کا سیاسیات میں حصہ لینا بدقسمتی کی بات ہے' لیکن ابہام فقط اتنا ہی ہے کہ بدقسمتی کس کی؟ آیا پورے ملک کی یا خود مقتدر گروہ کی؟

پورے ملک کی بدقسمتی تو اسے اسی وقت کہا جا سکتا تھا جب صاف طور پر یہ اقرار کر لیا جاتا کہ اسلام' اس کی اخلاقی تعلیمات' اس کا تصور حیات اور اس کا نظام اصلاح یکسر تباہ کن اور ناپاک ہے' دل سے چاہے "پاکستان" کے اہل اقتدار اسلام کو کتنا ہی گھٹیا اور مغربی فکر و تہذیب کو کیسا ہی اعلیٰ تصور فرماتے ہوں' لیکن اقرار بہرحال وہ یہی کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں' ہمیں اسلام سے محبت ہے' ہم محمد عربی ﷺ ہی کے امتی ہیں' پھر بھلا یہ بات پاکستانی امت مسلمہ کیلئے "بدقسمتی" کیسے شمار کی جا سکتی ہے کہ وہاں ایک مذہبی گروہ سیاہ کاری' گناہ' ارتداد و زندقہ' اور کافرانہ طرز فکر کی مخالفت کرنیوالا موجود ہے' ہاں اہل اقتدار کی بدقسمتی بیشک کہی جا سکتی ہے' کہ اس مذہبی گروہ کی مزاحمتوں کے باعث وہ گناہ و ثواب کے تصورات سے بے نیاز' خالص مادہ پرستانہ طرز حیات کو اس تیزی کیساتھ مقبول نہیں بنا پا رہے ہیں جس کی انہیں بے پناہ خواہش ہے' انہیں یہ بھی ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ مذہب و اخلاق کے شیدائی کسی مرحلے میں ان سے زمام اقتدار چھین لیں' اور سچ مچ کا اسلام ان تمام لوگوں کو بے عزت بنا دے' جو زندگی کا ایک دن بھی اسلام کی عملی اطاعت میں گزارنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

ہم کیا ہماری تنقید کیا؟ آج زندگی کی قدریں ہی کچھ ایسی بنادی گئی ہیں کہ کم سے کم ہمارے مشرق میں دو پیسے کے سپاہی اور چار پیسے کے تھانے دار کے آگے "ارسطو" پانی بھرتے ہیں اور بقراط کے سینے پر دو آنے والا گورنر اور وزیر مونگ دلتا ہے' حد ہے کہ مولانا مودودی جیسے مفکر اسلام پر وہ لوگ آوازے کستے ہیں' جن کی سب سے بڑی قابلیت بس یہ ہے کہ انہیں وزارت خارجہ کی نوکری مل گئی ہے۔

ابھی کچھ روز ہوئے ایک صاحب نے جو سیاست و صحافت میں خاص مشہور ہیں' بلاتکلف فرمایا کہ مودودی صاحب "سیاست تو بالکل جانتے ہی نہیں" اب کون ہے جو ان کی زبان پکڑے اور ان کے دانت گنے' سیاست اگر صرف وہ ہے جسے تم سیاست کہتے ہو یعنی مکرو فریب' منافقت' دروغ بافی' بے اصولی اور غرض پرستی' تو بیچارے مودودی صاحب کیا' ان کے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی سیاست نہیں جانتے تھے' لیکن سیاست اگر وہ ہے جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر نے عثمان و علی نے اور معاویہ و ابن عاص ﷺ نے برتی' تو تمہارے اس الزام میں اور اس اعرابی کے قول مکروہ میں کوئی جوہری فرق نہیں' جس نے ایک موقع پر خود سردار انس و جن' خلاصہ کائنات' ختمی مرتبت' پیکر عدل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ سے کہا تھا:

"اے محمد! انصاف کر!"

لیکن نہیں' اس اعرابی کے باطن کی سیاہی تمہارے باطن کی سیاہی سے کہیں کم تھی' وہ فقط ایک معصوم سی نادانی کی رو میں ایسا کہہ گیا تھا' اور جب اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا تھا کہ "اے معترض! اگر میں ہی انصاف نہیں

کروں گا تو دنیا میں کون انصاف کرے گا"۔۔۔ تو اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔۔۔ مگر تم وہ لوگ ہو جو سرعام اسلام دشمنی کی تانیں اڑاتے ہو' تمہاری معاشرت' تمہارے مشاغل' تمہارے ذہنی مدارک و مناہج' تمہارے مقاصد اور خواہشات سب کے سب صاف طور پر اسلام کے خلاف اعلان بغاوت کا پھریرا لہراتے ہیں' تمہارے قلب و روح مستشرقین کی دکانوں میں گروی رکھے ہوئے ہیں' تم سیاست میں جھوٹ' بے اصولی' دغابازی اور دھاندلی کو عین کمال تصور کرتے ہو' تم بھلا کیسے مان لوگے کہ وہ شخص سیاست جانتا ہے جو سیاہ کو سیاہ' اور سپید کو سپید کہنے کا عادی ہے۔ جو زہر کو قند کے اور شراب کو ماء اللحم کے اور فحاشی کو ثقافت و کلچر کے نام سے پیش کرنے کا ہنر نہیں جانتا۔

حذر اے چیرہ دستو! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

بات دوسرا موڑ مڑ گئی' ہم نے قلم اس خواہش کے تحت اٹھایا تھا کہ "ڈھاکہ" کی ایک تقریر میں مولانا مودودی نے جو دو ٹوک جوابات اپنے معترضین کو دیئے ہیں ان کے بعض دلچسپ اجزا کے بانکپن اور پرکاری سے لطف اٹھانے میں قارئین "تجلی" کو بھی شریک کریں۔

سب سے تیکھا' ذو معنی اور دلچسپ ٹکڑا وہ ہے جو طعنہ اقتدار طلبی کے جواب میں مولانا کے منہ سے نکلا ہے۔ ذرا سنئے

"پانچواں اعتراض ہمارے اوپر یہ کیا جارہا ہے کہ ہم طاقت کے ذریعہ حکومت پر قابض ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں' جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمارا دستور اس بات کا گواہ ہے کہ ہم اس چیز کے قائل نہیں ہیں' ہمارے دستور میں اس

کی وضاحت موجود ہے کہ ہم صرف جمہوری اور آئینی طریقوں ہی سے کام کرنے کے پابند ہیں لیکن میں وزیرداخلہ صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں' کہ طاقت کے ذرائع سے حکومت پر قابض ہونیوالوں کے متعلق ان کی کیارائے ہے' وہ براہ کرم ذرا ان کے متعلق اپنے خیالات کھل کر کہیں تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو کہ ایسے لوگوں کو وہ کیا سمجھتے ہیں؟"

سمجھے آپ؟

ابھی صدیاں تو نہیں گزریں اس واقعے پر کہ عزت مآب جناب جنرل ایوب خاں نے فوجی بیرک سے اٹھ کر قصر اقتدار پر شب خون مارا' اور پستول کی نال پر شاہد صدارت کو اپنے شیشے مین اتار لیا' بے چارہ پچھلا صدر نہ جانے کہاں ایڑیاں رگڑ رہا ہو گا' وہ اور کسی لحاظ سے بیچارہ کہلانے کا مستحق نہ ہو مگر اس اعتبار سے بہرحال بیچارہ کہلانے کا مستحق ہے کہ اسے جمہوری طریقوں سے نہیں مارا گیا' بلکہ اس کی گردن پر لوہے کی چھری چلائی گئی تھی'

جو محترم صدر توپ لے کر ایوان اقتدار میں داخل ہوئے ہوں' وہی یا ان کے وزیر وزراء مولانا مودودی پر خواہش اقتدار کا طعنہ کسیں' اس سے بڑھ کر ستم ظریفی اور کیا ہوگی۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

الزام تراشنے میں فقط زبان ہلانے سے زیادہ کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی' ہانک لگائی گئی کہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت کسی غیر ملکی طاقت کے اشارے پر چل رہے ہیں۔

مولانا سوال کرتے ہیں:

"میں پوچھتا ہوں کہ اگر "جماعت اسلامی" اور مودودی ایسا ہی بکاؤ مال ہے، تو آج تک آپ ان کو خریدنے میں کیوں کامیاب نہ ہوئے؟ اور باہر والے ہی کیوں کامیاب ہوتے رہے؟"

شوشہ چھوڑا گیا کہ:

"مودودی صاحب مذہب کو سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر بہانہ بنا رہے ہیں اور انہوں نے مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے"

مولانا جواب دیتے ہیں:

"جہاں تک لبادے کا تعلق ہے کوئی اصول ہونا چاہیے، جس کی بنا پر فیصلہ کیا جاسکے کہ کون واقعی مذہب کی پیروی کرنے والا ہے اور کون مذہب کا لبادہ اوڑھنے والا ہے، آیا مذہب کا لبادہ اوڑھنے والے وہ لوگ ہیں جو مذہب کا نام لینے کے ساتھ اپنی ذاتی زندگیوں میں بھی اس کی پابندی کرتے ہیں، اور لوگوں میں بھی مذہب کی پیروی کرنے کی اسپرٹ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یا مذہب کا لبادہ اوڑھنے والے وہ لوگ ہیں جن کی زبان پر "اسلام اسلام" کا نام تو آتا ہے لیکن جن کے ہاں رمضان کے مہینے میں کھلم کھلا سرکاری تقریبات کی جاتی ہیں دن کے وقت کھانے کھائے جاتے ہیں اور کھانے کے ساتھ شراب بھی پی

جاتی ہے"

مگر زیادہ بات اب کیا کریں۔

جہاں تلوار چل جاتی ہے تقریریں نہیں چلتیں

جناب ایوب کی حکومت نے دلیل کے میدان میں مات کھاکر مولانا مودودی کو جیل میں ڈال دیا ہے اور "جماعت اسلامی" خلاف قانون قرار دیدی گئی ہے' اس نوازش کے جواز میں ایوبی حکومت نے جو فرد جرم شائع کی ہے دیکھنے کے قابل ہے' لیکن اس پر بحث کون کرے۔ جب مدعی اور جج ایک ہی ہو تو الزامات پر بحث و جرح وقت کی بربادی کے سوا کیا فائدہ دے سکتی ہے۔

(تجلّی دیوبند جنوری ۱۹۶۴ء)

○○○

کیا امامت و خطابت کیلئے داڑھی ضروری ہے؟

سوال :۔ یہ الگ بات ہے کہ داڑھی رکھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے' اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا' بلکہ اس کی تعمیل باعث خیر اور اسوہ رسول کی تعمیل ہے۔ لیکن امام کیلئے داڑھی رکھنا کیا ضروری امر ہے؟ سنا جاتا ہے کہ عربی ممالک میں جیسا کہ حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنے حالیہ عربی ممالک کے دورے کے تاثرات میں یہ بات بھی بیان فرمائی ہے کہ "داڑھی" کے متعلق "ہندوستان" ' "پاکستان" میں جتنا تشدد برتا جاتا ہے ان ممالک میں "داڑھی" کے متعلق اتنا تشدد نظر نہیں آتا' مثلاً انہوں نے "دمشق کی جامع مسجد" کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ عوام اور علماء تو درکنار' یہاں ائمہ مساجد بھی "داڑھی" سے بالکل بے نیاز نظر آتے ہیں' جب وہاں بغیر داڑھی کے امامت درست ہوسکتی ہے تو یہاں کیوں "داڑھی" کے بغیر امامت حرام ہوجاتی ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں "داڑھی" ہے مگر کیا "داڑھی" میں اسلام ہے؟ جس کو لوگ اسلام کا امتیازی نشان قرار دیتے ہیں؟

جواب :۔

اس سوال کے تیور دینی شعائر اور سنت نبوی ﷺ کے بارے میں آپ کے طرز فکر کا کچھ اچھا نمونہ پیش نہیں کرتے' جب آپ خود ہی تسلیم کررہے ہیں کہ "داڑھی" رکھنا سنت ہے تو پھر ایک قدم آگے بڑھ کر یہ تحقیق بھی آپ کو کرلینی چاہئے تھی' کہ یہ کس درجے اور کس نوع کی سنت ہے سنن کی فہرست بہت لمبی ہے۔ کسی باخبر سے پوشیدہ نہیں کہ سنن میں مختلف مدارج

ہیں' کوئی سنت کم ضروری ہے کوئی زیادہ' کسی کا درجہ واجب کا ہے' کسی کا لزوم اس قدر ہے کہ اس کے تارک کو حضور ﷺ اپنی جماعت سے خارج قرار دیتے ہیں۔

آپ نیک نیتی کے ساتھ تحقیق فرماتے تو واضح ہو جاتا کہ "داڑھی" رکھنا معمولی درجے کی سنت نہیں ہے' بلکہ اسے اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں پر اسی طرح لازم کیا ہے جس طرح کوئی حکومت اپنے بعض ملازمین پر "یونیفارم" کو لازم کرتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں ہر صوبے میں پولیس کے سپاہی ایک مخصوص وردی کے پابند ہیں۔ ان کیلئے لازمی ہے کہ جب ڈیوٹی پر ہوں تو یہ وردی ضرور پہنیں۔ ٹھیک اسی طرح "داڑھی" مسلمانوں کا نشان امتیاز ہے' فرق یہ ہے کہ صوبے کسی ملک میں متعدد ہوتے ہیں اور ہر صوبے کی خود مختار انتظامیہ اپنی صوابدید کے مطابق کوئی سی بھی وردی منتخب کر لیتی ہے' اسی لئے مثلاً یوپی اور بمبئی کی پولیس کی وردی مختلف نظر آئے گی۔ پھر اسی فرق کو مختلف ملکوں پر پھیلا لیجئے' لیکن اسلام چونکہ کسی محدود مقام کیلئے نہیں اور اللہ کی حکومت سب جگہ یکساں ہے اس لئے "داڑھی" کا امتیازی نشان بھی ہر جگہ اور ہر زمانے کے مسلمان کیلئے ضروری ہوا۔

سپاہی کو آپ ڈیوٹی سے خارج اوقات میں بلاوردی بھی دیکھ سکتے ہیں' لیکن مسلمان کا معاملہ یہ ہے کہ اطاعت الٰہی کی ڈیوٹی سے اس کا ایک بھی لمحہ حیات فارغ نہیں ہے۔ وہ ہر آن' ہردم اللہ کا غلام' اس کا بندہ' اس کا تابع فرمان اور اس کے دین کا مطیع ہے۔ اس لئے کوئی وقت ایسا نہ ہوگا جس میں اسے امتیازی نشان سے بری الذمہ قرار دیا جاسکے۔

جہاں تک ٹھوس آئین کا تعلق ہے اللہ کے رسول ﷺ نے اجازت

دی ہے کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہو۔ چنانچہ "داڑھی" مونڈنے والے کے پیچھے اگر آپ نے نماز پڑھ لی ہے تو کوئی فقیہ یہ نہیں کہتا کہ یہ نماز نہیں ہوئی' نماز اپنی آئینی حیثیت میں ہو گئی' کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فاجروں کی پڑھائی ہوئی نماز کا وجود تسلیم فرمایا ہے۔

لیکن کیا اسلامی تعلیمات سے واقف کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ فاجروں کے پیچھے نماز پڑھنا اسلام کو مطلوب و مرغوب ہے؟ یقین کیجئے اگر امتداد زمانہ اور غلبہ باطل نے مسلمانوں کی عقلوں کے ساتھ وہی سلوک نہ کیا ہوتا جو بخار قوت ذائقہ کے ساتھ کرتا ہے' تو یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا کہ امام کیلئے "داڑھی" رکھنا کیوں ضروری ہے' آخر بتایئے کیا کبھی کسی صحیح الدماغ کے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو حکومت وقت کسی فوج کا سالار یا کسی عدالت کا جج' یا کسی ملک کا سفیر بنا کر بھیج رہی ہے' اس کیلئے کیوں ضروری ہے کہ وہ اپنی حکومت کے ان قوانین کی بھی پابندی کرے جن کی پابندی بہت ضروری قرار دی گئی ہے؟!۔ آپ کہیں گے کہ اس طرح کا لغو سوال کوئی دیوانہ ہی کر سکتا ہے' ہم عرض کریں گے کہ خود آپ کا سوال بھی اس سے کم درجہ کی دیوانگی کا پیدا کردہ نہیں' غور کیجئے نماز کو اسلام میں کس درجہ اہمیت ہے' پھر جماعت کو کس قدر ضروری قرار دیا گیا' کیا نماز باجماعت کی معلوم و معروف اہمیت و عظمت کا کھلا تقاضا یہ نہیں ہے کہ اس کا امام سیرت و کردار کے اعتبار سے اس دین کا زیادہ سے زیادہ وفادار ہو' جس کو برحق تسلیم کرنے کے نتیجے میں یہ جماعت قائم کی جارہی ہے' بہت زیادہ وفادار نہ ہو تب بھی یہ تو ضرور ہی عقل سلیم تقاضا کرے گی' کہ اسے اس دین کا نافرمان اور کھلے بندوں قانون شکن نہیں ہونا چاہئے' آخر کون سا حاکم یہ پسند کرے گا کہ کسی اہم ترین کام کی

انجام دہی کیلئے وہ نہ صرف یہ کہ اس کا خصوصی وفادار نہ ہو' بلکہ کھلم کھلا نافرمان اور سرکش بھی ہو۔

لیکن افسوس کہ جو لوگ امام نماز کیلئے "داڑھی" کی ضرورت کا سراغ لگانا چاہتے ہیں درانحالیکہ وہ داڑھی کا مسنون ہونا بھی جانتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو یہ حق دینے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں' کہ اپنے نازل فرمودہ دین حق کے اہم ترین فریضے نماز کی امامت کیلئے وہ ایسے ہی شخص کو زیادہ موزوں اور پسندیدہ قرار دیں جو ان کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا زیادہ سے زیادہ شیدائی ہو۔ اس کے برخلاف وہ چاہتے ہیں کہ شیدائی ہونا تو درکنار جو شخص سرکش و نافرمان ہو' برملا حکم عدولی کرے' ترک سنت کو فیشن اور افزائش حسن کا باعث سمجھے' اسے بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں معزز ہی ہونا چاہئے' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات سے واقف ہونے کیلئے اپنی زندگی کا بہترین حصہ قرآن و حدیث کی تعلیم و تفہیم میں صرف کر چکے ہیں' وہ اگر یہ عرض کریں کہ اللہ اور رسول کے نزدیک نماز باجماعت کی امامت کیلئے زیادہ موزوں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کی ہدایات سے والہانہ شیفتگی رکھتے ہوں' یا کم سے کم کھلے نافرمان نہ ہوں' تو ان سے ناک بھوں چڑھا کے کہا جائے کہ وا صاحب وا کیا داڑھی میں اسلام ہے!

خوب سمجھ لیجئے کہ "داڑھی" رکھنا ان سنتوں میں سے ہے جن کی بے حد تاکید کی گئی ہے' اس کا ترک فسق ہے' فسق بھی ایسا کہ ڈنکے کی چوٹ' ایک شخص چپکے سے چوری کرتا ہے گالی بکتا ہے۔ کسی کو دھوکا دیتا ہے تو اس طرح کے گناہ اس کے جسم پر اس طرح چپک کے نہیں رہ جاتے' کہ ہر وقت ہر شخص چشم سر سے انہیں دیکھ سکے' لیکن "داڑھی" مونڈنا تو وہ فعل ہے کہ اس کا اخفا

ہی ممکن نہیں' مقتدیوں کیلئے امام کی اہمیت محتاج بیان نہیں' اگر مقتدی بخوشی سے ایسے شخص کی امامت پر متفق ہو گئے ہیں جو "داڑھی" مونڈتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو گا' کہ ایک ضروری سنت کی برملا نافرمانی کرنے والا شخص ان کی نگاہ میں برگزیدہ ہو گیا ہے' کہ اپنی نمازوں کا امام بنانا بھی اسے تہہ دل سے پسند کر رہے ہیں' یہ بدنما صورتحال صرف امام ہی کے فسق کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی' بلکہ تمام نمازیوں کے فساد ذہنی کا پتا دیتی ہے' مزید یہ کہ اس سے اسلام کا غلط تعارف ہوتا ہے' دوسری قومیں یہی سمجھیں گی کہ "داڑھی" مونڈنا اسلام میں بھی کوئی مرغوب فعل ہے ورنہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام کی اہم ترین عبادت میں مسلمان "داڑھی" مونڈنے والے کو امام بناتے۔

ایک اور طرح پر غور کیجئے۔ آپ کو چند ساتھیوں کے ہمراہ کسی اعلیٰ حاکم کی بارگاہ میں جانا ہے۔ اس حاکم نے حاضری کا طریقہ یہ بتا رکھا ہے کہ لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں آئیں' اور اپنا ایک نمائندہ ایک وکیل بھی ساتھ لائیں' جو ان کی طرف سے سکون و اطمینان کے ساتھ گذارشات پیش کر سکے' نیز اس حاکم نے کچھ آداب' کچھ طریقے بھی ایسے متعین کر دیئے ہیں جن پر حاضر ہونے والے کو عمل کرنا لازم ہے۔

اب آپ بتائیں کیا آپ پسند کریں گے کہ ایک ایسا شخص آپ کا نمائندہ بن کر جائے جس نے صرف بنیان اور نیکر پہن رکھا ہو؟

کھلی بات ہے کہ پسند نہیں کریں گے حالانکہ حاکم نے خصوصیت کے ساتھ یہ کبھی نہیں کہا ہے کہ ہمارے دربار میں حاضر ہونے والا محض بنیان اور نیکر پہن کر حاضر نہ ہو' لیکن آپ جانتے ہیں کہ تہذیب و شائستگی کے کچھ تقاضے ہیں' بڑوں کی بارگاہ میں حاضری کے کچھ آداب ہیں' ان آداب اور تقاضوں کا

لحاظ نہیں کیا گیا تو حاکم بگڑ جائے گا اور عرض و معروض پر توجہ کرنا تو در کنار بعید نہیں کہ کان پکڑ کے نکلوا دے۔ نماز آخر اس کے سوا کیا ہے؟ کہ بندہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ وہ رب جو سب سے بڑا حاکم سب سے زیادہ قوت و شوکت والا شہنشاہ ہے' اس نے ہمیں حاضری کے کچھ آداب بتائے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ داڑھی مونڈنا ہمارے نزدیک پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ اب اگر ہماری نمازیں محض ایک عادت ایک رسم نہ ہوں' بلکہ واقعی ہمیں شعور ہو کہ نماز کیا چیز ہے تو کیا کسی بھی منطق کی رو سے ہم یہ پسند کریں گے کہ کوئی ایسا شخص ہمارا نمائندہ' ہمارا امام بن کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو' جو زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ اے خدائے ذوالجلال! آپ جس فعل کو ناپسند کرتے ہیں بندہ اس فعل کو نہایت مرغوب رکھتا ہے' اور ذرا پروا نہیں کرتا کہ آپ اس نافرمانی کو کس نظر سے دیکھیں گے۔

موازنہ کیجئے صرف بنیان اور نیکر پہن کر حاضر ہونے کو حاکم نے بالتصریح منع نہیں کیا تھا' مگر پھر بھی آپ نے اپنے نمائندے کی اس ہیئت کو پسند نہیں کیا' کیونکہ معاشرتی آداب کی روشنی میں آپ جانتے تھے کہ یہ ہیئت حکام کی بارگاہ میں حاضر ہونے کیلئے موزوں نہیں ہے۔

تو آخر کائنات کے سب سے بڑے حاکم کی بارگاہ میں آپ اس شخص کو نمائندہ بنا کر لے جانا کیسے پسند کریں گے۔ جس نے بلا تکلف ایک ایسے فعل کا ارتکاب کر رکھا ہو' جس کے نامحمود اور ممنوع ہونے کی تصریح بھی اس حاکم کی طرف سے کر دی گئی ہو' بنیان اور نیکر والی ہیئت کے بارے میں تو یہ برا بھلا عذر بھی کچھ احمق کر سکتے ہیں کہ شدید گرمی کی وجہ سے یہ لباس اختیار کیا گیا' ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ایسا لباس پہن کر حاضر ہونا مزاج عالی پر گراں گزرے

گا' لیکن "داڑھی" کے بارے میں اس طرح کے عذر بھی ممکن نہیں' کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو تصریح کے ساتھ بتادیا ہے کہ "داڑھی" رکھنا مسلمان کا امتیازی نشان ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ "داڑھی" مونڈنے کی ممانعت کا ہمیں علم نہیں تھا۔ رہا مولانا مودودی کے بیان فرمودہ حقائق کا معاملہ تو افسوس کا مقام ہے کہ جو تاثرات انہوں نے اظہار رنج اور عبرت آموزی کے طور پر پیش کئے تھے' انہیں آپ "داڑھی" مونڈنے کے حق میں استعمال کررہے ہیں' کیا انہوں نے کہیں یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ عرب ممالک میں "داڑھی" مونڈنا معمول بن چکا ہے اور ائمہ مساجد بھی اسی پر عامل ہیں اس لئے اب "داڑھی" کے متعلق شرعی احکام کو بالائے طاق رکھ کر "ہندو" "پاک" میں بھی ائمہ مساجد اور علمائے کرام "داڑھیاں" منڈواڈالیں؟

داڑھی کے باب میں مولانا مودودی کا جو مسلک ہے وہ راز نہیں ان کی تحریروں میں کھلا کھلا موجود ہے۔ وہ "مجرد داڑھی" رکھنے کی ضرورت و اہمیت کے ہرگز منکر نہیں' انہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو اس مقدار میں ہے جسے فقہاء نے اجتہاداً معین کیا ہے' اور اس شدت میں ہے جو بعض مواقع پر فائدے سے زیادہ نقصان کا باعث بن جاتی ہے' تو یہ بات اس مدعا کیلئے مفید نہیں جو آپ کے سوال سے ظاہر ہورہا ہے' امامت کیلئے کون زیادہ موزوں ہے اس کا تعین تو احادیث صحیحہ کی بنیاد پر ہمیشہ کیلئے ہوچکا' اب مولانا مودودی یا کوئی بھی شخص اس میں تغیر نہیں کرسکتا۔ تاہم آپ کے نزدیک مولانا مودودی کا مسلک اگر کسی درجہ میں حجت ہے تو صحیح طریقہ یہ نہیں کہ ان کے بعض ایسے بیانات سے حجت پکڑیں' جن کا مقصود صرف بیان واقعہ ہو' نہ کہ فقہی مسلک کا اظہار' بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ داڑھی کے موضوع پر جتنا کچھ انہوں نے لکھا

ہے اسے پڑھیئے اور اگر پھر بھی ان کی رائے کے بارے میں کچھ شک رہ جائے تو صاف صاف سوال لکھ کر ان سے جواب حاصل کیجئے۔

عرب ممالک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اگر دین و شریعت میں حجت یا نظیر مان لیا جائے تو پھر دین کا قصہ ہی ختم ہے۔ وہاں تو مغرب زدگی نے وہ طوفان اٹھایا ہے کہ الامان والحفیظ ' بے پردگی ' مرد و زن کا اختلاط ' شراب نوشی ' رقص و سرود ' مغربی افکار و اطوار کی تحسین ' اسلامی اقدار و تصورات کی تخفیف و تضحیک ' کونسی شیطنت ' ہے جو اکثر و بیشتر عربی ممالک میں فروغ نہیں پا رہی ہے ' جن لوگوں کی عقل پر نفس پوری طرح غالب آچکا ہے وہ یہ رکیک اور بے جان استدلال کر سکتے ہیں کہ فلاں کام چونکہ "دمشق" یا "مصر" یا "عراق" میں ہو رہا ہے لہذا ہمیں بھی کرنا چاہئے **اللھم حفظنا**

(تجلی دیوبند، اگست ۱۹۶۱ء)

اسلامی امیر

سوال :۔ از محمد علی خاں۔ "حیدر آباد دکن"

"تجلی" بابت ماہ اکتوبر ۶۶ء کے سوال و جواب میں پہلا سوال "حدیث بیعت" پر آپ نے جو اظہار خیال فرمایا ہے وہ حدیث کی صحیح ترجمانی نہیں ہے' بلکہ آپ نے مروجہ پیری مریدی کی مذمت کے ساتھ ساتھ مرکز گریز افراد اور خود اپنے لئے ایک جواز فراہم کر لیا ہے۔

"ہندوستان" میں اہل باطل کے مقابل "جماعت اسلامی" ایک امیر کے تحت اہل حق کی جو ایک تنظیم ہے اور اس کی رکنیت کیلئے جو طریقہ ہے وہ خود آپ کی تشریح کی روشنی میں غیر صحیح بلکہ غلط ثابت ہوتا ہے اور جن حضرات نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے ان کا یہ فعل صحیح و درست قرار پاتا ہے حالانکہ آپ ہی ان پر کڑی تنقید یں فرما چکے ہیں' جماعتی زندگی بسر کرنے کے تاکیدی احکام ہونے کے باوجود آج ہم مسلمان بغیر امیر کے زندگی بسر کر رہے ہیں' کیا عند اللہ اس نقص و کوتاہی کیلئے جوابدہ نہ ہوں گے؟ نیز کیا احکام خدا اور رسول ﷺ صرف اسلامی مملکت ہو' تو ہی نافذ ہوں گے ورنہ نہیں؟۔

کیا آج ہم مسلمانوں کیلئے ضروری نہیں کہ حتی الامکان ایک امیر کے تحت زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں' اور کیا کوئی با اقتدار امیر نہ ہو تو ہر مسلمان انفرادی زندگی گزارے گا۔

امیر کی عدم موجودگی کے متعلق صحابہ ﷺ کے استفسار پر حضور اکرم ﷺ کا "ترک مقام کرنے کا حکم" کیا مسلمانوں کے لئے ہر زمانے میں ایک بنیادی و اہم ہدایت کا حامل نہیں؟ اس ارشاد سے کیا یہ بات واضح نہیں ہوتی

کہ مسلمان چاہے عالم ہو یا عامی' اس کو ایک امیر کے تحت زندگی بسر کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے' ورنہ اس کیلئے ترک مقام ضروری نہیں۔

۲ اس حکم کی عدم تعمیل کے نتائج دنیا میں بھگت رہے ہیں اور آخرت میں بھی اس سے دوچار ہونا پڑے گا۔

براہ کرم "تجلی" کی اولین اشاعت میں مندرجہ بالا پہلوؤں پر روشنی ڈالئے تاکہ اہل حق کی مساعی میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوں۔

جواب :۔

"حدیث بیعت" کی جو ترجمانی میں نے کی ہے وہ ٹھیک وہی ہے جو تمام مستند شارحین حدیث کرتے آئے ہیں لیکن خود آنجناب نے کافی غور کے بغیر ایک غیر متعلق بحث چھیڑ دی ہے۔

اجتماعی زندگی اسلام کو کس قدر عزیز ہے یہ الگ مسئلہ ہے' سوال میں اس مسئلہ کی بحث کہاں تھی' سوال تو مروجہ پیری مریدی سے متعلق تھا اور مروجہ "پیروں" کو جو شخص ان امراء کے ہم معنی سمجھتا ہے' جن کی بیعت کو حدیث نے ضروری قرار دیا ہے' وہ یا تو گاؤدی ہے یا جاہل۔

لا اسلام الا بالجماعة حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے۔ گویا اسلام عبارت ہی اجتماعیت سے ہے' اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اگر تم تین آدمی بھی سفر میں جا رہے ہو' تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالو' اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ فقط دو نمازی ہوں تب بھی نماز فرض' جماعت ہی سے ادا کریں۔۔۔ جماعتی زندگی تو عین اسلام ہے۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں' کہ جو آیات یا احادیث کسی اور محل میں کسی اور مضمون

کے بیان کی خاطر آئی ہوں' انہیں بھی کھینچ تان کر ہم مطلوبہ جماعتی زندگی کا ترجمان بنانے کی کوشش کریں۔

"جماعت اسلامی" کی رکنیت کا طریقہ ہماری ترجمانی کی روشنی میں غلط کیسے ثابت ہو گیا' یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا' ہاں "جماعت اسلامی" کی حمایت و تائید کے باوجود یہ لغویات ہم کبھی نہیں کہہ سکتے' کہ اس کے امیر صاحب وہی امیر ہیں جن کی بیعت نہ کرنے پر حدیث کی رو سے جاہلیت کی موت لازم آئے گی۔ استغفراللہ۔

دور از کار اور خیالی نکتہ سنجیوں سے ہٹ کر مختصر سی بات یہ سمجھ لیجئے کہ "حدیث بیعت" صرف اور صرف ان حالات کیلئے ہے جب مملکت اسلامیہ میں ایک باضابطہ' معلوم و معروف اور بااختیار امیر موجود ہو' اسی کی بیعت کا حکم حضور ﷺ نے دیا ہے' تاکہ انارکی نہ پھیلے اور "اسی کی بیعت سے گریز و فرار کو جاہلیت سے تعبیر فرمایا ہے" رہے ایسے حالات جن کا سامنا ہمیں اپنے ملک میں ہے تو ان سے کوئی بعید تر تعلق بھی "حدیث بیعت" کو نہیں ہے' ان حالات میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق اور اجتماعی یکجہتی کی تلقین و ترغیب' چاہے دوسری احادیث و آیات سے جتنی چاہے کر لیجئے' مگر "حدیث بیعت" کے ذریعے یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں معلوم ہی نہ ہو' کہ کون سی بات کا کیا محل ہے۔ آپ کو آخر ہو کیا گیا کہ تردید تو ہم نے اپنے جواب میں جاہلوں کی کی تھی' جو "حدیث بیعت" کا ایک بالکل ہی لغو اور مفاد پرستانہ مفہوم لے کر "پیر" کو "امیر" کا ہم معنی بنائے دے رہے ہیں' مگر آپ لے بیٹھے ایسے نکتے' گویا ہم نے امت مسلمہ کے اتحاد و نظم' شیرازہ بندی' اجتماعی ربط و ضبط اور یکجہتی کی مخالفت کی ہو۔

(تجلّی دیوبند دسمبر ۱۹۶۶ء)

اپنی اپنی وسعت فکر و یقیں کی بات ہے

ایک کسان سے پوچھئے' اس کیلئے دنیا کی سب سے بڑی اور مسرت بخش خبر یہ ہوگی' کہ پچھلے مہینے اس کا جو بیل گم ہو گیا تھا' پولیس نے اسے ڈھونڈ نکالا ہے۔ ایک تاجر سے دریافت کیجئے' وہ آج کی سب سے اہم خبر اسے قرار دے گا کہ اس کا لگایا ہوا سرمایہ چوگنا ہو کر لوٹ رہا ہے۔

ایک ماں سے پوچھئے اس کے نزدیک اس اطلاع سے بڑھ کر طربناک اطلاع کوئی نہیں ہوسکتی' کہ جس بیٹے کو اس نے بڑی مایوس کن حالت میں اسپتال پہنچایا تھا' وہ اب خطرے سے باہر ہے۔

اسی طرح آپ ہم سے پوچھئے کہ تم آج کی سب سے اہم خبر کسے سمجھتے ہو تو ہم لومت لائم کی پروا کئے بغیر کہیں گے کہ "پاکستان" میں "جماعت اسلامی" کا بحال' اور مولانا مودودی کا رفقاء سمیت رہا ہو جانا' ہمارے لئے آج کی سب سے اہم خبر ہے' اور ہمارے قلب و روح کو اس خبر پر فاطرارض و سماوات کے حضور سجدہ شکر گزارنا ہے۔

بات کسی خاص جماعت یا فرد کی نہیں' بات کسی خاص ملک کی بھی نہیں' بات تو ان اصول و تصورات کی ہے جو زمان و مکان کی قید سے بلند ہیں' جو آفاقی ہیں' یکراں ہیں' کل الاخوان المسلمون پر قیامت توڑی گئی تھی' تب بھی

ہم روئے تھے۔ صدیوں پہلے ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کو جیل میں ڈالا گیا تھا' اور احمد ابن حنبل علیہ الرحمۃ پر کوڑے برسائے گئے تھے' جب بھی ہم روئے تھے۔۔۔ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ تہ تیغ کیے گئے جب بھی ہم روئے' اور عمر فاروق علیہ الرحمۃ کے بدن میں خنجر اتارا گیا' جب بھی ہم روئے' یہ جذباتی اتار چڑھاؤ بہت پرانا ہے' اتنا پرانا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے بھی قبل اس کی جھلکیاں آسمان نے دیکھی ہیں' ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ "پاکستان" کی "جماعت اسلامی" کو خلاف قانون قرار دے کر مولانا مودودی کو ان کے چالیس سے زیادہ رفقاء سمیت جیل میں ڈال دیا گیا تھا' اور اس وقت ہم نے محسوس کیا تھا کہ "ہماری روح کے افق پر کالے بادل چھاگئے ہیں" آج یہ بادل چھٹ گئے تو کیسے ممکن ہے کہ ہم تحدیث نعمت کے طور ایک لفظ بھی نہ کہیں' الحمد للہ' فالحمد للہ' کہہ لے جسے غدار کہنا ہے' داغ لے جسے وطن پرستی کی کمین گاہ سے دار و گیر کی توپ داغنی ہے' نور اور ظلمت میں جہاں کہیں بھی جب کبھی بھی معرکہ ہو گا' ہم اپنا ذہنی رشتہ نور سے ضرور جوڑیں گے' مولانا مودودی کی جگہ کوئی بدیع الزماں' کوئی سید احمد' کوئی عبدالعزیز ہو' اور "جماعت اسلامی" کے عوض کوئی "جمعیت العلماء" کوئی "خلافت پارٹی" کوئی "فجر الاسلام" ہو ہمیں ناموں سے دلچسپی نہیں' ہمیں تو بس یہ دیکھنا ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم والے اسلام کا پرچم کس کے ہاتھ میں ہے' اور دنیائے دنی کے گھٹیا مفادات سے بلند ہو کر فقط اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر سر دھڑ کی بازی کون لگا رہا ہے' جو حق کا سپاہی ہو' انسانیت و اخلاق کا خادم ہو' معروف کا حامی اور منکرات کا ماحی (مٹانے والا) ہو' وہ ہمارا عزیز ہے' قرابت دار ہے' محبوب ہے' وہ "ایران" میں ہو طوران میں ہو' کہیں بھی ہو وہ چوٹ کھائے گا تو ہم کراہیں گے' اور کامیابیوں

سے ہمکنار ہو گا تو ہم مسکرائیں گے۔

- یہ ہماری اپنی دنیا ہے' عقیدے اور خیال کی دنیا' یقین اور ایمان کی دنیا' اس میں ہم تنہا بھی نہیں ہیں یہاں اور بہت ہیں جو نسل و رنگ اور قوم و وطن کے پجاری نہیں' نیکی اور اخلاق کے رسیا ہیں' جن کے قلب و ذہن خوف اور لالچ کی دکان میں گروی نہیں' جو جانتے ہیں کہ امت مسلمہ فرقوں اور گروہوں اور مختلف کیمپوں میں بٹنے کیلئے پیدا نہیں کی گئی تھی' بلکہ اس لئے پیدا کی گئی تھی کہ ایک ٹیم کی طرح تعاون و توافق سے کام لے کر **کنتم خیر امة اخرجت للناس** کی عملی ترجمانی کرے' اور خالق ارض و سما نے **جعلنکم امة وسطا لتکونوا شھداء علی الناس** کے الفاظ سے اس کے جس ہمہ گیر' ہمہ جہت' ہمہ زماں مقام و منصب کو واضح کیا ہے اس سے منہ نہ موڑے' ہمیں یقین ہے کہ ہماری ہی طرح اور بھی بہت اللہ کے بندے خوش ہوئے ہوں گے کہ "پاکستان" کی "جماعت اسلامی" کو پھر سے اللہ نے شہادت حق دینے اور ان کی فکری ظلمتوں سے الجھنے کا موقع مہیا کر دیا ہے جن کی دبیز تہوں نے آج پورے عالم کو اپنے غلاف میں لپیٹ لیا ہے۔

○○○

یہ مت سمجھئے کہ ہم کسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں' کیسی خوش فہمی ہمیں معلوم ہے کہ "پاکستان" کی حزب مخالف چوں چوں کا مربہ ہے' اس کے اعضاء و جوارح فکری سطح پر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہیں' وہ کسی حقیقی کلمہ جامعہ پر مجتمع نہیں بلکہ قدر مشترک اگر کوئی ہے تو بس یہ جناب صدر ایوب کی ستم ظریف جمہوریت کے تار و پود بکھیر دینے تک' ایسی حالت میں "جماعت اسلامی" کا فاطمہ جناح کی صدارت کیلئے جدوجہد کرنا کوئی ایسا کارنامہ نہیں' جسے منزل

اسلام کی طرف پیش قدمی اور سفر کا نام دیا جاسکے' اس کی یہ اہمیت ضرور ہے اور یہ اہمیت کچھ کم نہیں کہ اس ذریعہ سے ایک ایسی فضا میسر آنے کا امکان ہوسکتا ہے جس میں دعوت حق اور اقامت دین کی تحریک کو فاش قسم کے جبر و تشدد سے نہ کچلا جاسکے' معلوم ہے کہ انسان اپنی استطاعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بنایا گیا' "جماعت اسلامی" کے پاس کوئی ایسا' عصائے موسوی" نہیں جو سامریوں کے سانپ چشم زدن میں چٹ کر جائے' نہ کوئی جادو ہے جس کے ذریعہ حزب مخالف کی پارٹیوں کی کایا پلٹ کر رکھ دے' وہ بس اتنا ہی کر سکتی ہے۔۔۔اور اتنا اسے ضرور کرنا چاہئے' کہ جو بھی گروہ صحت مند جمہوریت' تحریر و تقریر کی آزادی' انسانی حقوق اور آمریت کے رنگ و بو سے خالی' نظم سلطنت میں یقین رکھتے ہیں ان کو قوت پہنچائے اور ہاتھ بٹائے' یہ ایک کھلی بات ہے کہ اسلام "فاطمہ جناح" کے صدر بن جانے سے خراماں نہیں آئے گا' وہ بہت دور ہے' اتنی دور کہ نہ جانے کتنے اہل کارواں چلتے چلتے تھک جائیں گے' دم توڑ دیں گے' مگر یہ کیا کم ہے کہ جائیں جادہ حق میں جائیں گی' اور آبلے صراط مستقیم ہی میں پڑیں گے' ایسا تو نہ ہوگا کہ جانا "حجاز" تھا' چل دیئے "چین" کی راہ پر' اور جان دیدی شاہد مغرب کے قدموں میں' جہاد فقط سر لے کر نہیں سر دیکر بھی ہوتا ہے' اور حق و صداقت کی راہ میں سر دینا اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ باطل کی راہ میں سر جھکا کر چلا جائے۔

کورا خانقاہی ذہن تو کبھی نہیں مانے گا کہ ووٹوں کی سیاست بھی دینداری سے کوئی ربط رکھتی ہے' اچھے خاصے علم و عقل والے بھی سیاست وقت میں حصہ لینے کو' دامن زہد و تقویٰ کا داغ کہہ گزرنے سے نہیں چوکتے'

مگر ہمیں امید ہے کہ طنز و طعن اور ملامت و تبرا کی پروا کئے بغیر "جماعت اسلامی" اپنے فعل و عمل سے اس عقیدے کا مظاہرہ کئے جائے گی کہ سیاست بھی عبادت ہی ہے اگر مقصد اعلائے کلمۃ الحق ہو اور ذہن و قلب گھٹیا دنیاوی مفادات سے پاک ہو۔ **وَاللّٰہ یہدی من یشآء الیٰ صِرَاط مستقیم**

(تجلّی دیوبند جنوری ۱۹۶۴ء)

مولانا مودودی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری

"رنج اس کا ہے کہ خاں صاحب کی یہ کتاب ایک ایسے وقت میں منظر عام پر آئی ہے جبکہ مولانا مودودی اعداء کے نرغے میں ہیں۔ ان پر چاروں طرف سے الزام و افترا کی یلغار ہے' ان کے گرد گھیرا ڈالا جا رہا ہے' ان کے حلقوم کی طرف وہی ہاتھ تیز رفتاری سے بڑھ رہے ہیں جو ہمیشہ ہر مصلح' ہر داعی حق کی طرف بڑھتے آئے ہیں۔۔۔"

اور آج محترم(۱) وحید الدین خاں صاحب کو مژدہ ہو کہ مولانا مودودی اپنے رفقاء سمیت جیل میں ڈالدیئے گئے ہیں۔ پورے "پاکستان" میں "جماعت اسلامی" کے دفاتر پر سرکاری تالا پڑ چکا ہے اور ادارہ "طلوع اسلام" سے لے کر دفتر "قادیان تک" دیوالی آگئی ہے' گھی کے چراغ صرف انہی ارباب جبہ و دستار کے گھروں میں نہیں جلے ہیں' جن کے باپ دادوں نے امام بن حنبل' امام ابن تیمیہ ﷺ' امام ابو حنیفہ ﷺ اور امام اسماعیل شہید ﷺ جیسے غداروں اور "گمراہوں" کی قبریں کھودنے کا کارنامہ انجام دیا' بلکہ چراغاں پوری دنیا میں ہو رہا ہے کوئی تعجب نہیں محترم وحید الدین خان صاحب کی محراب تخیل پر بھی چراغ جل رہے ہوں' ایسا ہی چراغاں ابھی ماضی

(۱) وحید الدین خان صاحب وہ بزرگ ہیں جو گیارہ سال جماعت اسلامی "ہند" میں رہنے کے بعد جماعت سے علیحدہ ہوئے اور بعدہ جماعت کے خلاف اپنے باقی ماندہ لمحات حیات کو وقف کر دیا' "ہندوستان" کی شوریٰ کے ممبر بھی رہے۔

قریب میں اس وقت ہوا تھا جب "اخوان المسلمین" کے اعیان و اکابر کو دار و رسن کی منزلوں سے گزارا گیا تھا' تاریخ اپنے کو دہرا رہی ہے۔ یاد کرو ایک وہ بھی وقت آیا تھا' جب "مکے" کے پہلوان سرور کونین ﷺ کو موت کے گھاٹ اتارنے کی خاطر مسلح ہو کر چلے تھے' اور جملہ مخلوقات کا سردار ﷺ گھر چھوڑ کر "غار ثور" میں روپوش ہوا تھا' ذرا اور پیچھے دیکھو۔ اللہ کے پیغمبر سولیوں پر چڑھائے جا رہے ہیں' آروں سے چیرے جا رہے ہیں' اوباشوں کے استہزاء کا ہدف بن رہے ہیں۔

پھر بھلا مولانا مودودی ایسے کہاں کے نرالے تھے کہ سانپ بچھوان کے حق میں اپنی جبلت بدل دیتے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ ہونا بھی چاہئے تھا۔ جنت لقمہ تر نہیں ہے۔ پھر جنت کے وہ درجات علیا جنہیں بندگان خاص کیلئے بنایا گیا ہے وہ اور بھی مصائب و آلام کے زہرہ گداز کانٹوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ مولانا مودودی اور "جماعت اسلامی" کو جو کچھ درکار تھا' وہ لرزہ خیز آزمائشوں کی گھاٹیوں سے گزرے بغیر میسر آ ہی نہیں سکتا۔ احمق لوگ ہنس رہے ہیں کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی ترکی تمام کردی گئی۔ شاید محترم وحید الدین خاں صاحب بھی مسرور ہوں کہ ان کی دانست میں دین کا ایک محرف اور مخرب ایسی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے جن کے فولادی حلقوں کا سلسلہ شاید پھانسی کے تختے سے ورے ختم ہونے والا نہ ہو' لیکن ہمیں یقین ہے کہ "پاکستان کی" مطلق العنان حکومت کا قاہرانہ اقدام مولانا مودودی اور "جماعت اسلامی" کے حق میں کوئی انوکھا اور اچانک حادثہ نہیں ہے' بلکہ وہ تو پہلے سے اسی طرح معلوم تھا جس طرح ہر شخص جانتا ہے کہ گرمی کے بعد برسات آئے گی' اور برسات کے بعد جاڑا' ٹھیک دن اور ساعت کی پیشین

کوئی تو چند ماہ قبل نہیں کی جا سکتی' کہ برسات کی پہلی پھوار کس دن پڑے گی' مگر یہ سب جانتے ہیں کہ برسات آئے گی ضرور' اسی طرح جن لوگوں کی فکر حق و باطل نیکی اور بدی کی تاریخ نزاع پر ہے' انہیں کبھی ایک لمحے کیلئے بھی یہ غلط فہمی نہیں ہوئی کہ انبیاء و رسل کے مشن کی تجدید کرنے والا کوئی بھی فرد یا گروہ کسی آرام دہ موٹر کار میں بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف اڑا چلا جائے گا' اللہ کی سنت اٹل ہے۔ **لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا**۔ وہ آخری پیغمبر بھی' جس سے بڑھ کر فاطر السموات والارض کی رحمت و نصرت کسی بھی انسان پر سایہ فگن نہیں ہوئی' اگر زخموں پر زخم اور ضربوں پر ضربیں کھائے بغیر' لہولہان ہوئے بغیر کار نبوت کی سنگلاخ وادیوں سے نہیں گزر سکتا تھا' تو کیسے ممکن ہے کہ غلامان غلام ان وادیوں سے ہنستے کھیلتے گزر جائیں' اور شیطان کی ذریات ان کی راہ میں کانٹے اور انگارے نہ بچھائے۔ ہو گا جسے اس بات کا غم ہو گا کہ مولانا مودودی اور "جماعت اسلامی" پر "پاکستان" کے ارباب اقتدار نے توپ کا دہانہ کھول دیا ہے' ہمیں تو کوئی غم کوئی جھنجلاہٹ اور تحیر نہیں' بھیگی ہوئی آنکھوں اور ہونٹوں پر آئی ہوئی کراہوں کو "غم" کا مظہر مت سمجھو' یہ تو ایک معمولی سا تقاضائے فطرت ہے۔ غم یا تحیر اسے ہو جو کسی خوش فہمی کے تانے بانے پھیلائے بیٹھا ہو' ہمیں نہ خداوندان "پاکستان" کے بارے میں کبھی کوئی خوش فہمی ہوئی' نہ سنت اللہ میں شک رہا' اس مقتدر گروہ سے جس کا نفاق' جس کی خدا فراموشی' جس کی ذہنی آوارگی' جس کی فرعون مزاجی اور آمریت دو اور دو چار کی طرح مسلم ہو' آخر اس کے سوا امید بھی کیا کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی بھی مرحلے میں نیزہ و شمشیر نکال بیٹھے گا' دلیل کو تلوار سے کاٹنے کی تاریخ اتنی پرانی ہے کہ اسے اب نظام فطرت ہی کا ایک جزو مان لینا چاہئے۔ "پاکستان" کے

حکمراں آخر کرتے بھی کیا؟ جب مولانا مودودی کی سعی و جہد عوام کی آنکھوں کے آگے سے فریب کے پردے ہٹاکر' ان کی مطلق العنانی کے مکروہ خدوخال سامنے لارہی تھی' اور اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ دربار فرعونی کے ساحروں کے سانپ "عصائے موسوی" سے مار کھا جائیں گے' تو پھر "ڈنڈا" واحد مددگار تھا' جو ان کے پایہ اقتدار کو سہارا دے سکے۔ ڈنڈا اٹھانے میں وہ فی الحقیقت معذور ہیں' آپ ذرا اس اونٹ کا تصور کیجئے' جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو' ساربان کے اشاروں پر اسے ناچنا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے سارے ہی مغرب زدہ مسلمان حکمرانوں کی آنکھوں میں نکیل پڑی ہوئی ہے جس کے سرے شیطان کے ہاتھ میں ہیں۔ شیطان ساربانی کرے تو پھر ممکن ہی نہیں ہے کہ یہ حکم سے سرتابی کر سکیں' بھلا شیطان سے کون دیوانہ توقع کر سکتا ہے کہ وہ ایسے پودوں کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع دینا گوارا کرے گا' جن کی شاخوں پر نیکی' اخلاق اور خدا ترسی کے شگوفے پھوٹنے کا اندیشہ ہو۔

ہم بہت کچھ کہنا چاہتے تھے مگر اب ضبط کی سل سینے پر رکھتے ہیں' زندگی رہی تو وقت آئے گا جب ہم اور بھی بہت کچھ کہیں گے' مگر اس وقت بہتر یہ ہے کہ جتنی ساعتیں مزید قلم گھسنے پر صرف ہوں انہیں بارگاہ ایزدی میں دعا اور الحاح والتجا میں صرف کر دیں' وقت رسولوں پر بھی ایسا آتا رہا ہے جب وہ چیخ پڑے ہیں کہ اے اللہ تیری مدد کب آئے گی۔ پھر بھلا اور کوئی کس شمار میں ہے۔

اے معبود! تو سب سے بڑا حکیم ہے جو کچھ ظہور میں لاتا ہے وہی کائنات کیلئے بہتر ہوتا ہے' تیری مصلحت اگر اسی میں ہے کہ چودھویں ہجری کے نفاق پیشہ نمرود' ابراہیم کی اولاد کو جلا کر خاک کر دیں تو پھر ہم بھی تیری رضا

کے غلام اور تیرے فیصلوں کے مطیع ہیں۔ تو نے ہی تو فرمایا ہے۔

وَلنبلونکم بِشَیٍٔ مِنَ الخَوف وَالجُوع ونقصٍ مِنَ الاَموال وَالانفس وَ الثمرات ٥ وبشرالصّابرین الذین اِذا اصابتھم مُصِیبۃ قَالُوا انا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہِ رَاجِعُونَ ٥ اُولٰئک علیھم صَلوٰۃ مّن رّبّھم وَرَحمۃ وَاُولٰئک ھُمُ المُھتدون

اور البتہ ہم تمہیں آزمائیں گے، تھوڑے خوف سے، بھوک سے اور مالوں، جانوں اور محاصل محنت کے نقصانوں سے، اور خوش خبری سنادو، ان صبر کرنے والوں کو جنہیں مصیبت پہنچے تو وہ کہیں کہ ہم تو اللہ ہی کیلئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہوں گی ان کے رب کی، اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ہیں۔

(تجلی دیوبند جنوری ۶۴ء)

فاعتبروا یا اولی الابصار

پچھلی اشاعت کا "مسجد سے میخانے تک" آپ نے پڑھ لیا۔ ہوسکتا ہے بعض غیر معمولی متانت رکھنے والے قارئین مقصدی طنز و مزاح کے اس فیچر کو پڑھنا پسند نہ کرتے ہوں' تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ دل پر جبر کر کے پچھلا فیچر تو پڑھ ہی ڈالیں۔

عذاب سارا ہماری گردن پر

اس کے بعد مولانا عبدالماجد دریا بادی کے وہ ارشادات گرامی ملاحظہ فرمائیں جو تقریباً ۳۷ برس پہلے اسی عنوان کے تحت جس کے ذیل میں آج وہ مولانا مودودی کے سیاسی فکر و عمل کو کریہہ و نجس قرار دے رہے ہیں صادر ہوئے تھے۔ یہ ارشادات کسی محمد یوسف صاحب نے ہفت روزہ "سچ" سے نقل کر کے ۵ جنوری ۶۳ء کے "ایشیا" (لاہور) میں طبع کرائے ہیں۔ پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ آج دین اور سیاست کو آگ اور پانی قرار دینے والے بزرگ ۳۷ سال قبل کس شدومد سے اپنے اسی انداز فکر کی تردید و تغلیط فرماتے تھے' لطف یہ ہے کہ یہ "شہ پارہ" ممدوح نے کسی ایسے ہی صاحب کی تردید و تنبیہہ میں لکھا ہے جنہوں نے دین و سیاست کے باب میں وہی انداز فکر اختیار فرمایا ہو گا جو آج خود مولانا ممدوح اختیار فرما رہے ہیں۔ اس موقع پر نہ جانے کیوں ہمیں غالب کا ایک ایسا شعر یاد آرہا ہے جس کا کوئی جوڑ یہاں نہیں معلوم ہوتا۔

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

آپ بھی سوچئے کہ یہ بے محل آخر کیوں یاد آیا؟۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سچی باتیں

(مطبوعہ ہفت روزہ "سچ" ۱۱ دسمبر ۱۹۲۵ء)

از۔ مولانا عبدالماجد دریابادی

آپ کو یاد ہے کہ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہم السلام کیا پیام لے کر فرعون کے سامنے آئے تھے؟ اگر آپ کو یاد نہ رہا ہو تو آیات کلام مجید کی تلاوت کر کے اپنی یاد تازہ کر لیجئے' یہ دونوں بھائی جب فرعون کے دربار میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ۔

انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرآئیل (طٰہٰ ع ۲)

(ہم تیرے پروردگار کی جانب سے پیام لے کر آئے ہیں کہ' تو بنی اسرائیل کو اپنے پنجہ سے رہائی دے کر ہمارے ساتھ کر دے)

ایک دوسرے مقام پر پھر یہی مفہوم ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ:

انا رسول ربّ العٰلمین ان ارسل معنا بنی اسرائیل (شعراء ع ۲)

(ہم پروردگار عالم کی جانب سے تجھے یہ پیام پہنچانے آئے ہیں کہ "بنی اسرائیل" کو اپنی غلامی سے "آزاد کر کے ہمارے ساتھ کر دے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تنہا بھی اپنے اس مطالبے پر اصرار کیا۔

وجاءھم رسول کریم ان ادوا الیّ عباد اللہ (دخان ع ۱)

(فرعون کی قوم کے پاس برتر نبی آیا اور اس نے کہا کہ

خدا کے بندوں کو میرے حوالے کردو)

فرعون کی گورنمنٹ کو اپنی قوت' اپنے تمدن' اپنے اقبال' اپنی فوج اور اپنے خزانے پر پورا بھروسہ تھا۔۔۔ ان لوگوں نے پورے اطمینان و یقین کے لہجے میں کہا۔ کہ **اذا فوقهم قاهرون** (اعراف ع ۱۵) یعنی ہم ان پر ہر طرح غالب ہیں۔ ان لوگوں کے ذہن میں یہ واقعہ بھی عجیب و غریب اور قابل مضحکہ تھا کہ اپنی مفتوح و محکوم رعایا کے دو شخصوں کے مطالبات کے سامنے سر جھکادیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے حیرت سے کہا کہ:

"کیاہم ان دو شخصوں پر ایمان لے آئیں جن کی قوم ہماری رعایا ہے"۔

اب یہ ارشاد ہو کہ حضرت کلیم اللہ کا یہ پیام سیاسی تھا یا مذہبی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیمبر برحق تھے۔ اللہ کی طرف سے ایک خاص پیام لے کر فرعون اور اس کی گورنمنٹ کے پاس آئے تھے' کیا وہ پیام سیاسی تھا؟ کیا اس پیام پر بھی مذہبی کا اطلاق نہیں ہو سکتا؟ اگر ایک رسول برحق کے لائے ہوئے پیام کو بھی خالص مذہبی نہیں کہا جا سکتا تو خدا معلوم دنیا میں سے کس شے کو مذہبی کہا جا سکتا ہے؟ بہرحال اگر آپ کے عقیدہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام آزادی بنی اسرائیل کے پیام کو لے کر آئے تھے' اور ان کا لایا ہوا پیام خالص مذہبی تھا تو پھر آپ نے آزادی ملک اور آزادی قوم کو مذہب و ایمان کے دائرے سے نکال کر کیوں ایک سیاسی تحریک سمجھ لیا ہے؟ کیا اس لئے کہ آپ کے بہت سے موجودہ مشائخ و علماء' اس تحریک سے الگ ہیں؟ کیا اس لئے کہ بہت سے وہ لوگ جنہیں آپ اب تک پیر اور مولوی کہتے آئے ہیں' اس جہاد میں کچھ زیادہ حصہ نہیں لیتے؟ اگر ایسا ہے تو اپنے دل میں خوب سوچ لیجئے' کہ آپ کے

نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا یا موجودہ مولویوں اور پیروں کا ہے؟ آپ کے اوپر ایک جلیل القدر پیمبر ﷺ کی تقلید فرض کی گئی ہے یا ان حضرات کی جن کی اندرونی بزرگیوں اور عاقبتوں کا حال آپ کو کچھ معلوم نہیں؟ کیا یہ سب حضرات مل کر بھی حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے ہم رتبہ ہوسکتے ہیں؟ اگر نہیں ہوسکتے اور یقیناً نہیں ہوسکتے تو آپ کیوں آفتاب نبوت کی روشنی کو چھوڑ کر چراغوں اور لال ٹینوں کی طرف دوڑ رہے ہیں؟

"اودھ" میں مولانا امیر علی رحمۃ اللہ علیہ شہید کا واقعہ شہادت ابھی کل کی بات ہے ۱۸۵۷ء کی مشہور جنگ آزادی سے ذرا پہلے کا واقعہ ہے۔ جب وہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کیلئے نکلے، تو کتنے عالموں اور فقیروں نے ان کا ساتھ دیا تھا؟ "اودھ" کی مشہور درسگاہیں اور علمی فتویٰ خانے جیسے آج ہیں اس وقت بھی موجود تھے، پھر یہاں کی بسنے والی آبادی میں سے زیادہ نہ سہی چند افراد بھی اپنی جان دینے باہر نکلے تھے؟ برعکس اس کے کیا یہ واقعہ نہیں کہ ان حضرات نے مولانا علیہ الرحمۃ کو اس قصد سے روکنے کیلئے ہر جائز و ناجائز سعی کی، عام مسلمانوں کو مولانا سے بیزار و بدگمان کرنے کیلئے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، اور مولانا کی مخالفت میں الٹے فتوے اور اشتہارات شائع کرتے رہے۔ آپ اپنے دل کو خوب ٹٹولئے کہ اس میں مولانا امیر علی رحمۃ اللہ علیہ شہید کی وقعت و عظمت زیادہ ہے یا ان مولویوں اور پیرزادوں کی جو انہیں اس راہ سے روکتے تھے۔ اگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وقعت زیادہ ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ آپ ان کے طریقہ کو چھوڑ کر ان کے مخالفین کے راستے کو کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں؟

اگر سنت موسوی پر چلنا آپ اپنے لئے باعث فخر و سعادت جانتے ہیں تو پھر آپ قوم و ملک کی آزادی کیلئے آگے بڑھنے میں کیوں ہچکچا رہے ہیں؟ اور میدان سیاست میں قدم رکھنا کیوں مذہبی خدمت سے الگ سمجھ رہے ہیں؟ — ("م" یعنی مولانا عبدالماجد)

(تجلّی دیوبند، فروری ۱۹۶۳ء)

تحریک اسلامی کے مراحل اور آزمائشیں

یوں تو کہنے کو وہ تمام لوگ جو داعیان دین کہے جاتے ہیں۔ ہر لمحہ بیانگ دہل اس کے مدعی ہیں کہ اسلام پوری زندگی کا دین ہے' مگر واقعہ یہ ہے کہ یہی وہ بات ہے جس کا شعور موجودہ زمانہ میں کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے' اور اسلامی اجتماعیت کے شعور سے اس محرومی میں ہمارے عالم اور جاہل سب بالعموم برابر کے شریک ہیں' اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس وقت مسلمان مملکتوں اور مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد کے باوجود' اسلام اور مسلمان تمام دنیا میں مغلوب اور پس ماندہ ہوتے' آخر کیا وجہ ہے کہ "نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر"' ہر طرح کی مادی دولتوں سے مالا مال ہونے کے باوجود' اس وقت اسلامی نام کی کوئی طاقت دنیا کے پردے پر موجود نہیں' جبکہ سرمایہ داری' جمہوریت اور اشتراکیت نام کی کتنی ہی طاقتیں مشرق سے مغرب تک اینڈتی پھر رہی ہیں؟ کیا اس لئے کہ مسلمانوں نے بحیثیت قوم نمازیں چھوڑ دی ہیں' روزے ترک کر دیئے ہیں' زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے' حج کی فرضیت کے قائل نہیں رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات نہیں' پھر کیا سبب ہے کہ ایک طرف قرآن کہتا ہے۔ **انتم الاعلون ان کنتم مومنین** (اگر تم صاحب ایمان ہو تو تم ہی غالب رہو گے) جب کہ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے حصے میں بجز مغلوبیت کے کوئی دوسری متاع آئی ہی نہیں!

اب ظاہر ہے کہ قرآن سچا ہے اور ہم جھوٹے! ہمارا دعوی ایمان صرف چند رسموں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اسلامی اصول ہم سے کوسوں دور پڑے اس دور کے مسلمانوں میں اپنی اجنبیت کا ماتم کر رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے شاید اسی موقع کیلئے فرمایا تھا بدء الاسلام غریبا و سیعود غریبا (اسلام ایک اجنبی کی طرح اس دنیا میں وارد ہوا اور عنقریب پھر اجنبی بن جائے گا)۔ آخر اسلام کی اجنبیت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ وہی ارباب علم جو وعظ کی مجلسوں اور رسائل و کتب کے صفحوں میں "الیوم اکملت لکم دینکم" اور ادخلوا فی السلم کافۃ. کاشب و روز ورد کرتے رہتے ہیں، وہی جب عمل کی دنیا میں حالات کے چیلنج سے دوچار ہوتے ہیں، تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اسلام کا نظریہ سیاسی، موجودہ دور کی پارلیمانی سیاست کو کس طرح صحیح رخ پر لا سکتا ہے، اسلام کا نظریہ معاشی کس طرح اس دور کے سودی نظام معیشت کو رد کر سکتا ہے، اور اسلام کا نظام معاشرت کس طرح عصر حاضر کی بداخلاقیوں کو دور کر سکتا ہے؟ حالات کے ان سارے سیاسی، معاشی اور معاشرتی چیلنجوں کے مقابلے میں ہمارے نامور داعیان دین کا طرز عمل نہایت عبرتناک ہے المیہ یہ ہے کہ جو بندگان خدا اسلام کے تحفظ و نفاذ کے لئے سینہ سپر ہوں یہ حضرات ان کو رسوا و ناکام بنانے کے لئے بیتاب ہیں، اب تو شیطان کا جادو یہاں تک چل گیا ہے کہ لوگ اسی کو زہد و تقویٰ کا نام دینے لگے ہیں، اگر تقویٰ یہی ہے تو یہ "سقیفہ بنی ساعدہ سے "کربلا" تک کی تاریخ آخر کس کھاتے میں جائے گی؟ کیا حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی ومعاویہ و حسین رضی اللہ عنہم اجمعون سب کے سب نعوذ باللہ غیر متقی، دنیادار اور مفاد پسند تھے؟ اور کیا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

اقدس "بدر و احد" سے "حدیبیہ و حنین" تک محض ایک سیاست داں فوجی کمانڈر اور ایڈ منسٹریٹر کی ذات تھی؟ کیا تہجد سے شہ سواری تک سارے مرحلے ایک ہی دین کے ناگزیر تقاضے نہیں تھے؟

اگر آخری سوال کا جواب اثبات میں ہے' کیونکہ اس معاملے میں نفی کی جسارت کر کے کون زاہد ہے جو اپنے ایمان کی سلامتی کا دعوی کر سکتا ہے' تو پھر یہ کیا تماشا ہے کہ ایک صاحب "اقامت دین" کی عملی تعبیر ہی کو "تعبیر کی غلطی" قرار دینے کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لغت ہائے حجازی کے قارون چند فقیہ اٹھتے ہیں اور "غلاف کعبہ" کی زیارت کو بدعت کے مکروہ نام سے پکارنا شروع کر دیتے ہیں' چند مفتیان کرام نعرہ لگاتے ہیں کہ "عورت کی امامت" قطعی و ابدی طور پر حرام ہے' کوئی کہتا ہے غیر متقیوں کے ساتھ اسلام کی پیش رفت کیلئے بھی متحدہ محاذ بنانا غلط ہے' کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت کہاں سے آئی' کسی کو یہ غم کھائے جارہا ہے کہ "تحریک اسلامی" کے علم بردار نوافل اور وظائف میں غرق کیوں نہیں رہتے' کوئی اس فکر میں دبلا ہوا جارہا ہے کہ کارکنان تحریک اسلامی اپنے کاموں کیلئے تنخواہ کیوں لیتے ہیں' کسی کو یہ اندیشہ ہے کہ "تحریک اسلامی" نے عبادات کی بجائے معاملات کو مقصود بنالیا ہے' اور ایک فرشتے کو یہ بھی شکایت ہے کہ "تحریک اسلامی" کے قائدین جدید سیاست کے حربوں سے بھی کام لے لیا کرتے ہیں؟ اور سب سے بڑی ستم ظریفی یہ کہ عالم دین کو تو کبھی سیاست کے خار زار میں قدم رکھنا ہی نہیں چاہیئے' بس دور بیٹھ کر دعا تعویذ اور چھو منتر کرتے رہنا چاہیئے' نام نہاد مسلم حکام کی اسلام کی نام لیوائی کو غنیمت سمجھنا چاہیئے' ان کی جانب سے خاطر مدارات اور خلعتوں کو قبول کر کر کے ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہنا

چاہئے' مبادا یہ نازک مزاج اصحاب اقتدار اسلام کی نام لیوائی سے بھی برگشتہ ہو جائیں!

واضح رہے کہ یہ صورتحال صرف اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس دور میں اسلام کا فلسفہ اجتماعی' مسلمانوں کے درمیان اس درجہ اجنبی اور ناقابل فہم ہو کر رہ گیا ہے' کہ اب عالموں نے بھی یہی سمجھ لیا ہے کہ اسلام فقط ایک مغلوب و محکوم قوم کا مذہب ہے' جس کے سارے احکام محض افراد کے تزکیہ نفس اور اس مقصد کیلئے پندونصائح تک محدود ہیں' اس کے علاوہ اسلام نہ تو اجتماعی سیاست و معیشت کیلئے کوئی نظریہ رکھتا ہے' اور نہ اس نظریئے کو بروئے کار لانے والا کوئی عملی نظام اس نے تجویز کیا ہے' بات یہ ہے کہ قریب ایک صدی سے اسلام کا اجتماعی نظام عمل کی دنیا میں بالکل معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ اس وقت روئے زمین پر کہیں بھی اسلام کا سیاسی و معاشی نظام پورے طور پر جلوہ گر نہیں' دوسری طرف سیاسی و معاشی دائروں میں وقت کے غالب نظام مغرب نے کچھ ایسی افراتفری مچائی ہے کہ اب سیاست اور معیشت کے نام سے ان الفاظ کا صرف وہی تصور ذہنوں میں آتا ہے جو دو تین صدیوں کے مغربی فلسفے اور نظام اجتماعی نے فکری و عملی طور پر مقرر کر دیا ہے' اس صورتحال سے دوہری خرابی پیدا ہوئی ہے اولاً یہ کہ فرزندان توحید نے سیاست و معیشت ہی کو بالعموم شجر ممنوعہ قرار دے لیا ہے' دوسرے یہ کہ اگر کوئی بندہ خدا دین کو پوری زندگی کا مکمل نظام سمجھ کر' زندگی کے ان دائروں میں شہادت حق ادا کرنے کیلئے سیاست و معیشت کے خارزار کو صاف کرنے لگتا ہے' تو جہاں کہیں اس غریب کی انگلیوں میں کوئی کانٹا چبھا' ہمارے زہاد و عباد اس پر طعن کرنے کیلئے سب سے پہلے ملامت آمیز انگلیاں اٹھاتے ہیں۔

"تحریک اسلامی" دوسری تمام تحریکوں کی طرح قدرتی طور پر اپنے چند مرحلے رکھتی ہے' یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ایک دفعہ بنی بنائی آسمان سے اتری' اور اپنے آپ زمین پر چھاگئی' اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم اسباب میں ہر کام اور واقعے کیلئے ایک اٹل قانون قدرت مقرر کر رکھا ہے جس کے مطابق ہی درخت کے پودے سے لے کر انسان کے بچے تک کا نشوونما ہوتا ہے' اسی طرح انسانی سماج میں اجتماعی تحریکات بھی اپنے ارتقا کے چند مدارج رکھتی ہیں' ہر دور اور مقام کی حدود میں ایک تحریک چند ضروری مرحلوں سے گزر لیتی ہے تب ہی منزل مقصود پر پہنچتی ہے' یہ مرحلے اس لئے ناگزیر ہیں کہ ان کے بغیر تحریک کے کارکنوں کی وہ ضروری آزمائش نہیں ہو سکتی' جس کے بعد ہی کسی تحریک سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے زمانے اور سرزمین کے نظام زندگی کو پورے طور پر چلانے کی واقعی صلاحیت رکھتی ہے' ان مرحلوں اور آزمائشوں سے قدرت کے دو اہم مقاصد پورے ہوتے ہیں' ایک طرف تو تحریک کی اندرونی طاقت کا اندازہ ہوجاتا ہے' ساتھ ہی اس کی خامیاں دور ہوجاتی ہیں تاکہ وقت کا نظام کار اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ تحریک سماج کے مختلف عناصر کے ساتھ ان کی صحیح حیثیتوں کے مطابق معاملہ کرسکے۔

دور حاضر میں "تحریک اسلامی" کے دو بڑے مرحلے واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں' پہلا مرحلہ تو لٹریچر وغیرہ کے ذریعے افراد کی ذہنی تربیت اور عملی تنظیم اور عام لوگوں کے درمیان اپنے نصب العین کیلئے فضا بنانے کا ہے' دوسرا مرحلہ سماج کے اجتماعی معاملات میں زمانہ و مقام کے مطابق اس طرح دخل دینے کا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ معاملات سارے کے سارے تحریک کے تجویز کردہ نقشے کے مطابق مرتب ہوجائیں' جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پورا

سماج بلکہ پوری ریاست تحریک کے پروگرام اور پالیسی خود تحریک کے کارکنوں کے زیر اہتمام کاربند ہوجائیگی' یہ دونوں مرحلے دیکھنے میں تو الگ الگ معلوم ہوتے ہیں' مگر عملی طور پر یہ ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ کسی ایک کے بغیر کوئی دوسرا مکمل طور پر بروئے کار نہیں آسکتا بات یہ ہے کہ اسلام کے نقطہ نظر سے انسان کی زندگی الگ خانوں میں بٹی ہوئی ہے ہی نہیں' یہ ایک "ناقابل تقسیم کل" ہے جس کے تمام اجزا ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ ہیں کہ ایک کے بعد دوسرے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' بلکہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں' صرف موقع کے اعتبار سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے جز پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ متذکرہ بالا دو مرحلوں کو ہی لیجئے' "افراد کی تربیت۔ اور سماج کی قیادت" ان دو مرحلوں کے درمیان جو تدریج و ترتیب ہوسکتی ہے' وہ صرف اتنی ہے کہ کچھ افراد "تحریک اسلامی" سے متاثر ہوکر اس کے نظم میں داخل ہوجائیں' نظم میں داخل کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کرلیا جائے کہ وہ تحریک کے نصب العین کو بروئے کار لانے کیلئے چند بنیادی ذہنی واخلاقی اوصاف کے حامل ہیں' اس کے بعد ان کی طویل اور مفصل ذہنی تربیت کا جو دور شروع ہوگا' وہ تو اسی وقت ختم ہوگا جب تحریک اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے' بلکہ شاید اس کے بعد بھی زندگی کے آخری سانس تک جاری رہے' اس لئے کہ اس بات کی ضمانت تو کبھی بھی نہیں مل سکتی کہ ایک شخص نے کمال درجے کا تقوی اور تدبر حاصل کرلیا ہے' اور یہ ضمانت مل کیسے سکتی ہے جب کہ زندگی ہر لحہ نئے نئے چیلنج آدمی کے سامنے لاتی رہتی ہے؟ فرد بجائے خود تو کوئی چیز نہیں' وہ تو مختلف اجتماعی احوال کے درمیان ہی اپنی شخصیت کا ارتقا کرتا ہے؟ اسلامی نقطہ نظر سے کسی فرد کا نشوونما

محض فقہ کی تعلیم تک مکمل نہیں ہو جاتا' بلکہ اس کا اصل نشو ونما تو اس کے بعد شروع ہوتا ہے جب وہ زندگی کے میدان عمل میں داخل ہوتا ہے' اور سماج اور ریاست کے مختلف اداروں کا رکن ہو کر ان دائروں میں شہادت حق ادا کرنے کی پوزیشن میں آتا ہے' اور ابتدائی نشو ونما کی پختگی کا امتحان بھی جہاد فی سبیل اللہ کے اسی نازک موقع پر ہو جاتا ہے' اس لئے کہ جب زندگی ایک "کل" ہے اور اسلام پوری زندگی کا دین ہے تو پھر جب تک مرد مومن انفرادی اخلاق سے بڑھ کر اور ان سے آراستہ ہو کر اجتماعی معاملات و مسائل میں بصیرت و دیانت کا ثبوت نہیں دیتا' تو نہ تو اپنے ایمان کے تمام تقاضوں ہی کو پورا کر سکتا ہے اور نہ خدمت خلق کے فریضے سے پورے طور پر عہدہ برآ ہو سکتا ہے سیاست و معیشت اور ریاست و حکومت بھی تو انسانی زندگی کے ضروری دائرے ہیں' بلکہ اپنے اثرات کے لحاظ سے پوری زندگی کا کوئی دائرہ پورے طور پر درست و مکمل نہیں ہو سکتا۔ تو ان دائروں سے الگ اور بے نیاز ہو کر ایک مسلمان کس طرح صحیح معنوں میں اسلامی زندگی بسر کر سکتا ہے؟ اگر ان دائروں سے بے اعتنائی برتی گئی تو نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ ایک طرف تو پورا معاشرہ اسلامی زندگی کے لئے ناساز گار ہو کر رہ جائے گا' اور دوسری طرف ہر ہر مسلمان اپنے تمام علم و تقوی کے باوجود ایک ناقص الایمان زندگی گزارنے پر مجبور رہے گا۔

نہایت اہم پہلو

رہی وہ بات جو ایک حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جب کسی سرزمین میں فتنہ پھیل جائے' تو ایمان کی سلامتی کیلئے آدمی کسی ویرانے میں

نکل جائے۔۔۔ تو اس کا مفہوم کسی مسلمان کے نزدیک اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ کہ بعض افراد کو اس گوشہ گیری کی رخصت صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب روئے زمین پر اسلامی نظام نافذ ہو' اور فتنے کی صورت دو مسلم گروہوں کے درمیان چپقلش سے پیدا ہوگئی ہو' اور یہ نتیجہ نکالنا دشوار ہو کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ ورنہ اسلام فرزندان توحید کو یہ اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ کہ جب حق و باطل' اسلام اور الحاد کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہو' تو تم ایک بکری لے کر پہاڑ پر چڑھ جاؤ' یہ تو صریح منافقت بلکہ باطل اور الحاد کی بالواسطہ حمایت ہے!

تو بات یہ ٹھہری کہ "تحریک اسلامی" کی انفرادی و اجتماعی تربیت و قیادت کے دونوں ہی مرحلے' ایک دوسرے کے تتمے ہیں'' ابتدا ترتیب میں یہ فرق ہو سکتا ہے کہ چند افراد مستعد و منظم ہو کر اپنے آپ کو بنیادی طور پر تیار کرلیں' اس کے بعد وہ ایک ٹیم یا پارٹی بن کر سماج اور ریاست کے عام مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں' کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ پہلے کسی معاشرے کے تمام افراد یا ان کی غالب اکثریت فرداً فرداً ایک نصب العین کو قبول کرکے اس کے رنگ میں رنگ جائے' اس کے بعد اجتماعی طور پر اس نصب العین کو بغیر کسی مزاحمت کے ایک مورتی کی طرح اقتدار کے مندر میں نصب کردیا جائے' اگر حق و باطل کی کشمکش اتنی آسانی سے فیصل ہو سکتی' تو اسلام جیسے دین فطرت و رحمت کو اجتہاد و جہاد اور صبر و ابتلا کی اتنی کثیر ہدایات اپنے پیروؤں کو نہیں دینی پڑتیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قیادت چلائی ہوئی تحریک اسلامی کے مکی و مدنی مراحل تاریخ عالم کے حافظے میں آج بھی تازہ ہیں شعب ابی طالب "ورود طائف" بیعت عقبہ" "بدر" اور "حدیبیہ"

"خندق" "حنین" "معاہدہ یہود خیبر" یہ سارے نقوش کس حقیقت کبریٰ کے گواہ ہیں' صاف معلوم ہوتا ہے کہ "بیعت ارقم" سے نکل کر جب "تحریک اسلامی" کا کارواں "فاران" کی چوٹیوں سے میدان عمل میں گامزن ہوا' تو اس کے سالار صلی اللہ علیہ وسلم نے "تحریک اسلامی" کی پیش رفت کیلئے جنگ و صلح اور معاہدہ' کسی بھی موقع اور صورت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا' بلکہ ہمیشہ اپنے گرد وپیش کے بدلتے ہوئے احوال پر نظر رکھی' اور وحی الٰہی کی صورت میں خداداد بصیرت و عزیمت کے ساتھ اور انتہائی تدبر' تنظیم اور جرأت' کے ساتھ حالات سے نبرد آزما رہے' حریف قوتوں سے پنجہ کشی کرکے ان کو زیر کیا' اور اپنی طاقت کو بڑھاتے رہے' یہاں تک کہ خدا کا گھر بتوں سے پاک ہو گیا' اور اسلام کا پرچم مرکز عرب پر لہرانے لگا' اور خدائے کائنات کا نازل کیا ہوا نظام حیات پورے معاشرے کا غالب دین بن گیا' اور رسالت کے تمام شعبے اس دین کے احکام کے مطابق کام کرنے لگے۔۔۔اس پورے اجتہاد و جہاد میں جاننے کی اہم ترین بات یہی ہے کہ انہی کوششوں میں اصحاب رسول ﷺ کی تربیت بھی ہوتی رہی' اور اسی تربیت کیلئے خدا کے احکام اور رسول ﷺ کے اقوال بھی صادر ہوتے رہے۔

لمحہ فکریہ

آخر کیا وجہ ہے کہ وحی کا سلسلہ "فتح مکہ" تک اور اس کے بعد بھی جاری رہا' کیوں نہیں رسول ﷺ نے انتظار کیا کہ پہلے خدا کی کتاب اور مسلمانوں کا دین مکمل ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی ذہنی و عملی تربیت بھی مکمل ہو جائے' اس کے بعد وقت کی حریف قوتوں سے پنجہ کشی کی جائے'۔

ایک ایک آدمی خود بخود وعظ و تبلیغ سے مسلمان ہو جائے' اس کے بعد اسلام اپنے آپ تخت اقتدار پر متمکن ہو جائے گا؟ بلکہ اس کے بالکل برخلاف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہی دی کہ دنیا کے تمام انسان تمہاری تمناؤں کے باوجود اسلام کو قبول نہیں کرسکتے' قدرت کا قانون ہی یہ ہے کہ جتنے لوگ اسلام کو اختیار کرچکے ہیں انہی کو ساتھ لے کر باقی لوگوں سے دین خدا کے غلبے کیلئے مقابلہ شروع کردو!

اس تفصیل سے متحقق ہو جاتا ہے کہ "تحریک اسلامی" فطرتاً کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس کا وجود بجائے خود ایک چیلنج ہے' اور وہ وقت کی تمام باطل قوتوں کیلئے اور خود ان قوتوں کو چیلنج دینے اور سر کرنے کیلئے ہی وجود میں آئی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

(اقبال علیہ الرحمۃ)

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کی شان ہی یہ بتائی گئی ہے **كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ** (مسلمانو! تم بہترین ملت ہو جسے تمام انسانوں کیلئے برپا کیا گیا ہے' تاکہ انہیں نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو)

امت مسلمہ کی یہ قرآنی تعریف صاف بتاتی ہے کہ "تحریک اسلامی" اپنے نصب العین اور منتہائے مقصود کے اعتبار سے دراصل ایک اجتماعی ہی تحریک ہے یعنی اسلام کا اصل مقصد' روئے زمین پر ایک اسلامی سوسائٹی اور اسٹیٹ کا قیام ہے' ظاہر ہے کہ یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے' جب ہر

زمانے اور ملک کی سوسائٹی اور اسٹیٹ کے باا ثر اور بااختیار اداروں کو "تحریک اسلامی" کے کارکن اپنے اثر میں لے لیں' اس کارنامے کی انجام دہی کیلئے جس قسم کے ہاتھ درکار ہیں' وہ وہی ہوں گے جو باضابطہ ان اداروں کے نشیب و فراز سے واقف ہوں گے' اور واقف ہونے کیلئے تجربہ چاہئے' جو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے' جب آدمی ان اداروں کے معاملات میں دخل دے' اس کے بعد ہی یہ ہو گا کہ باطل قوتوں کو ان اداروں سے بے دخل کر دیا جائے' اور ان کا نظام از سر نو حق کے اصولوں پر استوار کیا جائے۔

اب دیکھئے کہ ہمارے دور میں زندگی کے تمام دائروں پر سیاست اور معاشیات کا تسلط ہے' ہمارے شخصی قوانین بھی سیاست کی زد پر ہیں' اور آپس کے معاملات بھی معاشیات کے زیر اثر ہیں' اور شخصی قوانین اور آپس کے معاملات کے اس طرح سیاست و معاشیات کے زیر اثر آجانے سے ہماری عبادات یہاں تک کہ عقائد میں بھی خلل واقع ہو گیا ہے۔ الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ ۔ (کیا اب بھی وقت نہیں آیا ایمان والوں کیلئے کہ ان کے دل اللہ کی یاد کیلئے نرم ہو جائیں؟)

جی ہاں! میں تو ایسے حالات میں جن سے ہم دوچار ہیں' یاد الٰہی کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں سمجھتا' کہ امت کے تمام طبقہ ہائے فکر "غلاف کعبہ" اور "عورت کی امامت" جیسی فقہی موشگافیوں کو کسی فرصت کیلئے بالائے طاق رکھ کر "حرم کی" پاسبانی کیلئے ایک محاذ پر اکٹھا ہو جائیں' بہرحال تمام طبقے اکٹھا ہوں یا نہ ہوں' وہ اپنی اپنی چستیوں اور غفلتوں کا حساب خدائے محشر کو دے لیں گے' "تحریک اسلامی" کے کارکنوں اور ہمدردوں کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اب ان کی تحریک اس مرحلے میں آگئی

ہے جس کیلئے وہ اصلا" برپا کی گئی تھی' اگر کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ تحریک اس مرحلے سے گزرے بغیر اقامت دین کی منزل مقصود پر پہنچ سکتی تھی' یا ابھی اس مرحلے میں داخل ہونے کا وقت نہیں آیا تھا' یا وہ اس کیلئے تیار نہیں ہو پائے تھے' تو ان کو چاہئے کہ جلد سے جلد اپنے نفس کا محاسبہ کر کے شیطانی وسوسوں کے جال سے نکل جائیں' "تحریک اسلامی" تو اپنی فطرت ہی کے اعتبار سے ایک اجتماعی مہم ہے اور اس کا کام ہیئت اجتماعیہ کے تمام سماجی و سیاسی و معاشی دائروں میں اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے' جبکہ وہ وجود میں آتی ہے' اب یہ بالکل دوسری بات ہے کہ کون دائرہ کب کس تناسب سے تحریک کے سامنے آکر کتنی توجہ کا طالب ہوتا ہے' اور موقع کے اعتبار سے تحریک اس پر کتنی توجہ صرف کر پائی ہے جو سیاسی مرحلہ اس وقت تحریک کے بعض ہمدردوں یا کارکنوں کو اجنبی سا لگتا ہے' اس کے اندر تو تحریک اپنے لٹریچر میں اسی وقت قدم رکھ چکی تھی' جب اس کا قیام عمل میں آیا تھا' اور جو شخص بھی تحریک سے متاثر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے سامنے یہ بات شروع ہی سے ہونی چاہئے تھی' ہاں یہ بات ضرور ہو سکتی ہے کہ ہم میں سے بعض اپنے دینی شعور کی قلت یا کردار کی کمزوری کے سبب اتنے سخت مرحلے کیلئے آمادہ نہ رہے ہوں۔

تحریک کے مراحل

بات یہ ہے کہ تحریک کا ہر مرحلہ اپنی کچھ ذہنی و عملی آزمائش رکھتا ہے' انفرادی تربیت کے مرحلے کی آزمائشیں تو بہت معمولی اور سادہ قسم کی ہیں جن سے کوئی نابالغ لڑکا بھی عہدہ برآ ہو سکتا ہے' وہاں درستگی کا تقاضا بس اپنی اکیلی ذات سے ہے' یا زیادہ سے زیادہ حلقہ اعزا و احباب تک محدود ہے'

لیکن اجتماعی اصلاح کا موضوع اپنی ذات کے ساتھ ساتھ گردو پیش کی ساری کائنات ہے' پورا سماج پوری ریاست اور سارا عالم' ظاہر ہے کہ اتنے وسیع دائرے میں اتنے پیچیدہ نظام کے اندر جہاں قدم قدم پر باطل کے دام ہمرنگ' زمین پر بچھے ہوئے ہوں' فکر و عمل کی سلامتی کوئی معمولی بات نہیں' ایسی صورت میں صراط مستقیم کے تخیل پر قائم رہنا بھی دشوار ہے اور چلنا تو ایک عظیم الشان مجاہدہ ہے' اس مرحلے کی اسی خطرناکی کے پیش نظر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عام ذہنوں میں پائی جانیوالی چند شدید غلط فہمیوں کا ازالہ کردیا جائے۔

کیا تحریک اسلامی فرشتوں کی جماعت ہے

بعض مدعیان تقویٰ یہ سمجھتے ہیں کہ "تحریک اسلامی" کوئی فرشتوں کی جماعت ہے جس کے افراد بشری تقاضوں سے مبرا ہیں' یہ تصور دراصل اسلام ہی کے متعلق ایک غلط گمان پر مبنی ہے' یعنی یہ کہ اسلام بھی کوئی فرشتوں کا دین ہے' بات کہنے میں سیدھی سی ہے (مگر اس کو پوری طرح سمجھنا اور سمجھ کر عمل کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے) کہ اسلام درحقیقت گوشت پوست کے انسانوں کا دین ہے' اور یہ کہ اس دین پر عمل کرنا اسی دنیا کے اندر ہے' اس اعتبار سے "تحریک اسلامی" کے کارکن لامحالہ کچھ نہ کچھ دنیادار بھی ہوں گے' اس دنیاداری کے باعث ان کے اندر کچھ نہ کچھ نقائص بھی پائے جائیں گے' مگر ان تمام خامیوں کے باوجود وہ اس درجے کے مومن ہوں گے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وہ خدا کے محبوب ہوں گے اور خدا ان کا محبوب ہوگا" اس لئے کہ خدا کے دین کو دنیا میں برپا کرنے اور اس کوشش میں آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کیلئے' جس وصف کی ضرورت ہے

وہ صرف اتنا ہے کہ انسان اپنی ذہنی و عملی قوتوں کے مطابق حتی الامکان اقامت دین کی راہ میں سعی و جہد سے کام لے۔

لَا یُکلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا

(اللہ کسی شخص کو اتنے ہی کا ذمے دار بناتا ہے' جتنی اس کی بساط ہے)

اسی طرح دنیا داری کی ایک صورت وہ ہے جسے آج کل "حکمت عملی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کی تحقیر کچھ بزرگان دین "ڈپلومیسی" کہہ کر کیا کرتے ہیں' پتہ نہیں کس طرح بعض حضرات نے گمان کر لیا ہے کہ اہل جنت ہونے کیلئے ابلہ[1] ہونا ضروری ہے' جبکہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔ مَنْ اُوْتِیَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (جس کسی کو حکمت عطا کی گئی اسے بڑی نیکی عطا کی گئی) اور اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْمَوْعِظَۃِ وَالْحِکْمَۃِ (لوگوں کو راہ خدا کی طرف نصیحت اور حکمت کے ساتھ بلاؤ) اور پورا قرآن ہی تدبر' تعمق اور تفکر کی دعوتوں سے لبریز ہے' معاملہ یہ ہے کہ دنیا کے میدان عمل میں جہاں باطل کی چالیں چلنے والے ایک سے ایک مکار اور عیار حق کی گھات میں لگے ہوئے ہیں' وہاں فراست ایمانی اور تدبیر کے بغیر کیسے ممکن ہے کہ خلق خدا کو شیطان کے پھندوں سے محفوظ رکھا جائے' انسان کی فطرت میں بہت سی کمزوریاں ہیں اور دنیا کی دلفریبیاں ایک سے ایک لطیف و قوی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو روز ازل ہی سے مہلت دے رکھی ہے کہ وہ جس جس طرح چاہے اولاد آدم کو گمراہ کرے' شیطان جیسے چالاک دشمن کو جو برہنگی سے لے کر جامہ زہد تک سو سو بھیس اختیار کرتا ہے' شکست دینے کیلئے سادہ لوحی کا ہتھیار

---

(۱) بیوقوف

کافی نہیں ' بلکہ یہ ہتھیار الٹا ہتھیار والے ہی کو زخمی کرنے والا ہے خالق کائنات اپنی تخلیق کے اس راز سے واقف ہے ' **ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین** ' اس بحث سے صرف یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ اللہ نے ہماری دنیا کو جس انداز سے بنایا ہے جس طرح خیر و شر کو کش مکش کیلئے آزاد چھوڑ دیا ہے ' انسان کی جبلت میں نیک و بد دونوں کی صلاحیتیں اور میلانات رکھ دیئے ہیں ' زندگی کو ایک آزمائش قرار دیا ہے اور آزمائش کے نتیجے کے مطابق ہی جزا و سزا کی ترتیب کی ہے۔

مومن کا تدبر و بصیرت

یہ سارے حقائق مرد مومن سے زبردست بصیرت اور تدبیر کا تقاضا کرتے ہیں ' صرف اپنی ذات کی اصلاح کیلئے نہیں بلکہ پوری دنیا کی فلاح کیلئے اور تدبیر ظاہر ہے کہ ہمیشہ وقت اور مقام کے احوال کے مطابق کی جاتی ہے ' چنانچہ کسی بھی دور اور ملک میں "تحریک اسلامی" کی کامیابی کیلئے شرط لازم ہے کہ اصولوں پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انہی اصولوں کی نتیجہ خیز تعمیل کیلئے موقع و محل کے اعتبار سے تدبیر بدلی جاتی رہے ' کون ہے وہ عقل مند جس کے نزدیک جنگ اور امن ' کمزوری اور مضبوطی ' انتشار اور تنظیم ' فضا کی سازگاری اور ناسازگاری ہر حال میں کام کرنے کا ڈھنگ ایک ہی ہونا چاہئے؟ اور کون ہے وہ دانش مند جس کے نزدیک بگڑے ہوئے احوال کی درستگی کیلئے تدریج کے علاوہ کوئی دوسرا طریق عمل کارگر ہو سکتا ہے؟

فاسد ماحول کی اصلاح کیلئے جو لوگ اٹھیں گے ' وہ نیک نیت اور نیک سیرت ہونے کے باوجود اپنے ماحول کے چند جزوی نقائص کا شکار ہو سکتے ہیں '

اور ان نقائص کو وہ دور اسی وقت کر سکیں گے، جب نقائص سے ان کا سابقہ پڑ جائے، مثلاً چند بہت ہی مخلص اور نیک کردار اصحاب ایمان ایسے ہیں جنہوں نے شخصی اخلاق کی تربیت تو حاصل کر لی ہے مگر اب ان کو سابقہ پڑ جاتا ہے سیاسی معاملات اور معاشی مسائل سے، اب تک وہ عملاً ٹکرا نہیں سکے ہیں، اور آس پاس چاروں طرف ان معاملات و مسائل کی شکل ایسی بگڑی ہوئی ہے کہ ان کی حقیقت کا کوئی سراغ سطح پر موجود نہیں، اب اگر یہ مخلص اور نیک کردار اصحاب ایمان اس پیچیدہ معاملے میں ہاتھ ڈالتے ہیں، تو دو قسم کے حادثوں کا امکان ہے، ایک تو یہ کہ ان اصحاب سے کچھ لغزش ہو جائے، اور دوسرے یہ کہ ساحل سے تماشا دیکھنے والے اناڑی ان کی ماہرانہ تیراکیوں ہی کو سمجھ نہ پائیں، اور جب کہیں وہ گہرائیوں میں غوطہ لگائیں تو یہ اناڑی چلانا شروع کر دیں کہ "لو وہ ڈوبا!"

میں صاف لفظوں میں پورے اعتماد کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت جو "تحریک اسلامی" کے متعلق بعض حلقوں میں شور و غوغا ہے، کہ لو وہ ڈوبی --- تو یہ فقط ان اناڑی سبک ساران ساحل کی فریادیں ہیں، جو نہیں جانتے کہ رات کتنی اندھیری، موج کتنی تند اور گرداب کتنے ہولناک ہیں، ممکن ہے بعض تیرنے والوں کے ہاتھ پاؤں کبھی کبھی ادھر ادھر پڑ گئے ہوں، مگر تیراکوں کا یہ قافلہ اللہ کے فضل و نصرت سے پوری مہارت اور اصابت کے ساتھ ساحل مراد کی طرف بڑی تیز رفتاری سے چلا جا رہا ہے، بلکہ حالات کی سختی و پیچیدگی اور افراد کی عام ناتجربہ کاری کے پیش نظر یہ مہارت اور تیزی حیرت انگیز ہے، سوا تائید ایزدی کے اور کوئی قوت ایسی نہیں قیاس میں آتی، جس نے اتنی مختصر مدت میں اتنے بے سروسامان اور قلیل التعداد حق کے سپاہیوں کو

باطل کے سالہا سال کے جمے ہوئے اقتدار اور فراواں وسائل اور لشکر جرار کیلئے خطرے کا سرخ نشان بنا دیا ہے!

اس صحیح پس منظر میں دیکھئے تو کارکنان تحریک کا حسب وسائل اپنے کام کیلئے تنخواہیں لینا' بعض مواقع پر ایک دوسرے سے مسابقت کرنا' فلاح عام کے کاموں میں خدمت کے ساتھ ساتھ اس کے سیاسی فوائد کو نظر میں رکھنا "غلاف کعبہ" کو عوام کے مطالبے سے مجبور ہوکر' اور ان کے جذبات کو ایک حد میں رکھنے کیلئے نمائش و زیارت کیلئے گشت کرانا' اور اس گشت کے نتیجے میں عوامی مقبولیت کا حاصل ہو جانا' باطل کو توڑنے کیلئے مختلف نظریہ رکھنے والوں کے ساتھ اتحاد و تعاون کرنا' جمہوریت کا نعرہ لگانا' "عورت کی امارت" کی رخصت سے فائدہ اٹھانا' اجتماعی جلوسوں اور جلسوں میں شریک ہونا---یہ ساری باتیں بالکل معقول' بلکہ موقع کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتی ہیں' اس میں شک نہیں کہ سیاست کی یہ راہیں بڑی پرپیچ اور نازک ہیں' مگر مشکل یہ ہے کہ اس دور میں صراط مستقیم انہی راہوں کے درمیان کہیں واقع ہوئی ہے' اگر آدمی ان راہوں میں داخل نہ ہو تو صراط مستقیم پر بھی قدم نہیں پڑ سکے گا' اور نیت درست ہو اور شعور بیدار ہو تو اللہ کی مدد سے انہی ٹیڑھی میڑھی لکیروں کے بیچ مجاہد کے قدم راہ حق پر استوار رہیں گے' اور اگر کبھی ادھر ادھر جھکنے کی نوبت بھی آئی تو توازن بہرحال برقرار رہے گا۔

لیکن ایک بڑی آزمائش "تحریک اسلامی" کے کارکنوں کیلئے وہ حضرات ہیں جو از راہ خلوص ہر لمحہ کام کرنے والوں کے دلوں میں دور دراز کے اندیشے ڈالتے رہتے ہیں' تحریک جب کسی مرحلے سے دوچار ہوتی اور اجتہاد سے کام لیتی ہے تو یہ بزرگ اپنے غمزوں سے کارکنوں کا سینہ چھلنی

کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں' کوئی طعن و طنز کے تیر و نشتر لئے ہوئے چلا آرہا ہے' کوئی فتوے کی شمشیر براں چلا رہا ہے۔ کوئی اداریوں کی باڑ مار رہا ہے اور کوئی مضامین و مراسلات کے تیغ و تبر لہرا رہا ہے حقیقت یہ ہے کہ "تحریک اسلامی" کے مراحل اور آزمائشوں میں یہ بھی ایک لازمی پیش آنے والا مرحلہ اور آزمائش ہے' جس سے گزرنا وقت کی ہر تحریک کا مقدر رہا ہے' بات یہ ہے کہ مردان کار کے دلوں میں وسوسے ڈالنے والا خناس' منشاء قدرت کے مطابق جنوں کے ساتھ ساتھ انسانوں میں بھی ہوتا ہے' اس لئے کہ اگر یہ خناس نہ ہو تو پھر آزمائش نام کی کوئی چیز ہی نہ رہ جائے' انسان کو راہ راست سے بھٹکانے کیلئے سابق معلم الملکوت نے ہر دور میں اس قسم کے ارباب مذہب کی خدمات حاصل کرلی ہیں' یہی وہ دیندار تھے جنہوں نے احمد بن حنبل ﷫ کو کوڑے لگوائے' ابن تیمیہ ﷫ کو پابہ زنجیر کرایا' ولی اللہ ﷫ کو گالیاں سنوائیں' اسماعیل شہید ﷫ اور سید احمد شہید ﷫ کے خلاف سازشیں کرائیں' احمد سرہندی ﷫ کو زنداں میں ڈلوایا۔۔۔ اور ان سارے شیطانی کارناموں کے باوجود ان حضرات کا تقویٰ سلامت رہا! آج بھی اسی قماش کے لوگ بیسویں صدی کے بہت بڑے عالم دین اور مجاہد اسلام کے خلاف صف آرا ہیں' فتوے لگائے جارہے ہیں' بیانات دیئے جارہے ہیں بہتان تراشیاں ہورہی ہیں' سازشیں کی جارہی ہیں۔ اور ان ساری دین فروشیوں کے درمیان نفس کو یہ اطمینان بھی ہے کہ پاک باطنی اور پرہیزگاری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا!

بڑی مشکل سے ہوتی ہے براہیں نظر پیدا!
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی تصویریں

آخر میں ایک کانٹے کی بات تحریک اسلامی کے کارکنوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے۔ وہ یہ کہ جس ماحول میں وہ کام کر رہے ہیں وہ سر سے پاؤں تک بگڑا ہوا ہے' چنانچہ جو اولوالعزم اصحاب اس ماحول کو درست کرنے کیلئے اٹھے ہیں' وہ بھی تو اپنے تمام خلوص' شعور اور سرگرمی کے باوصف آخر اسی ماحول کے پالے ہوئے ہیں اور اسی سے دست وگریباں بھی ہیں؟ لہٰذا یہ بات بالکل فطری ہے کہ ماحول کی خرابیوں کے کچھ نہ کچھ اثرات ان کے اندر بھی بعض اوقات غیر شعوری طور پر سرایت کر جائیں' اور جب تک پورا معاشرہ اپنے تمام اخلاقی و سیاسی شعبوں کے ساتھ اصلاح شدہ نہیں ہو جاتا' اس طرح کے جزوی نقائص گاہے گاہے ان لوگوں کے درمیان بھی لازماً پیدا ہوتے رہیں گے' جو اس معاشرے کو راہ راست پر لانے کیلئے ان کی تمام گندگیوں سے الجھے ہوئے ہیں' تو جہاں تک مجاہدہ حق کے دوران لغزشوں کا سوال ہے یہ چیز بجائے خود نہ تو اپنے اندر مایوسی کا باعث ہونی چاہئے' اور نہ دوسروں کو اس سے طعن کا پہلو نکالنا چاہئے' جو لوگ مجاہدان راہ حق کی لغزشوں سے جو بیشتر حقیقی ہونے کے بجائے محض مزعومہ ہوتی ہیں' خوش ہوتے اور اپنی پاک بازی کا مظاہرہ فرماتے ہیں' انہیں ایک سوالیہ نشان ہمیشہ اپنے ذہن کے سامنے رکھنا چاہئے کہ "وہ خود کیا کر رہے ہیں" اصلاح معاشرہ کی پرخطر وادی میں انہوں نے گن کر کتنے قدم اٹھائے ہیں' کتنے کانٹوں نے ان کے دامن پکڑے ہیں' کتنی گندگیاں ان کی طرف لپکی ہیں اور ان ساری آزمائشوں میں ان کے ایمان و عمل نے استقامت کا کیا کچھ ثبوت دیا ہے۔

یہ اصلاح کے مدعی

صفر ۱۷۱ھ کے "دار العلوم" میں مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی کا مضمون "جماعت اسلامی کا پس منظر" شائع ہوا ہے، ہماری حیثیت اس جماعتی بحث میں ناظرین پر واضح ہے کہ کسی کی طرف داری یا مخالفت ہمارا مقصود نہیں، بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مباحثہ کو جنگ وجدل کا رنگ نہ دیا جائے، بلکہ طرفین سنجیدگی کے ساتھ مسائل مختلفہ پر گفتگو کریں اور جو حق ثابت ہو اس پر مل جل کر عمل پیرا ہوں۔

لیکن ہزار افسوس کہ قضیہ خراب ہی شکل اختیار کرتا جارہا ہے، ثقہ حضرات ہی جب حزم واحتیاط نہ برتیں گے تو شاگردوں اور حاشیہ نشینوں کی زبان کو لگام کیوں کردی جاسکتی ہے؟ چنانچہ نجم الدین صاحب کا یہ مضمون پڑھیے تو اس میں کئی ناروا اور بھدی باتیں آپ کو نظر آئیں گی، مثلاً تمیز دار مضمون نگار فرماتے ہیں کہ:

> "ہند کی سطح پر کوئی قدم مذہب کی طرف بڑھا ہے وہ در حقیقت "جماعت اسلامی" سے پہلے کے بزرگوں یعنی شاہ ولی اللہ یا سید احمد شہید، شیخ الہند کی صدا یا ان کا قدم ہے اور بعد کی جماعت اسلامی تو انھیں اسلاف کی ناخلف اولاد ہے۔"

نعوذ باللہ من ذالک۔۔۔ بتایئے بھٹیار خانے کی زبان میں اور شریفوں کی علمی تحریر میں کیا فرق رہ گیا۔۔۔ جماعتِ اسلامی اگر ناخلف ہی ہو تب بھی کیا اندھے کو اندھا کہہ کر پکارنا شریفوں کا شیوہ ہے؟

پورے مضمون کا انداز کچھ ایسا ہے جیسے کوئی مڈل پاس بی۔ اے بننے کی مشق کررہا ہو، کوئی ٹھوس مسئلہ نہیں، کوئی مربوط کلام نہیں، محض گیلے کیسلے منتشر ناوک!۔

اور ایک خاص بات جو جماعت اسلامی کے خلاف لکھنے والوں میں تقریباً مشترک ہے وہی اس مضمون میں بھی موجود ہے یعنی جب مولانا ابوالکلام آزاد کا ذکر آئے تو قطعی فیصلہ کن انداز میں مفسر بے بدل، علامہ زماں، فاضل اجل اور مجاہد بے

بدل وغیرہ کہہ کر مولانا کو اعلیٰ ترین مسلمان ثابت کرنا اور تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس اور زہد و تصوف کو بالکل گول کر جانا، اور جب مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کا ذکر آئے تو علم و عقل کی ساری قدروں پر خاک ڈال کر تصوف و تزکیہ وغیرہ کو ہی مدار و محور بنانا۔

یہ آخر کیا ظلم ہے؟ کیوں آپ مولانا ابو الکلام کو مفسر بے بدل کہہ کر اور علوم دینیہ میں اکمل مان کر یہ محسوس نہیں کرتے کہ اس طرح آپ فی الحقیقت ان تمام "علمائے دیوبند" اور سابق مفسرین کرام کی تحقیر و تنقیص کر رہے ہیں، جن کے اجتہاد و تفقہ کے خلاف مولانا اپنی تفسیر میں گئے ہیں۔۔۔ کیوں آپ "تزکیہ و تصفیہ" کے وہ پیمانے جن میں آپ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو ناپتے رہتے ہیں، مولانا ابو الکلام آزاد کی ذاتِ گرامی کے لیے نہیں استعمال کرتے۔

اللہ اکبر، نجم الدین صاحب لکھتے ہیں کہ:

"شیخ الہندؒ جیسی مقدس اور بابرکت ہستی بھی "الہلال" سن سن کر اپنے اکابر کے چھوڑے ہوئے پروگرام کی تکمیل کے لیے آخری فیصلہ دینے پر مجبور ہو گئی۔۔۔ اور جو حسن قبول مولانا آزاد کے افکار و خیالات نے حاصل کیا، جماعت اسلامی کو اس کا عشر عشیر حاصل نہیں ہو سکا ہے۔"

شیخ الہند کا نجم الدین صاحب نے صرف نام ہی سنا ہے ورنہ اتنی لچر بات نہ کہتے۔۔۔ اگر وہ تصوف اور زہد و ورع اور سلوک و طریقت کوئی چیز ہے جسکے جھنڈے ہمارے دوست جماعت اسلامی کے خلاف لہراتے پھرتے ہیں تو فی الحقیقت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی وہ خورشید زرنگار تھی کہ جس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کی روشنی کسی چاند کی رہین منت تھی، اس کی توہین و تذلیل ہے۔

پھر ایک لطف یہ کہ جو افکار و خیالات مولانا آزاد کے قلم یا زبان سے نکل کر مقبول عام ہو گئے ان کا سہرا تو ہمیشہ مولانا ہی کے سر رہتا ہے، لیکن جو افکار و خیالات مولانا مودودی کے قلم یا زبان سے نکل کر مقبول عام ہوئے ان سب کی قدر و قیمت پر یہ

کہہ کر پانی پھیر دیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ تو ہمارے اکابر کہتے چلے آئے ہیں اس میں مودودی کا کیا کمال ہے!؟

ایک تماشا یہ دیکھیے کہ مضمون میں شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ اور شیخ الہندؒ کے ساتھ نہ پہلے نہ بعد میں کوئی امتیازی لفظ ہے، رحمۃ اللہ علیہ کا رح بھی نہیں۔۔۔ اور جماعت اسلامی والوں سے اگر ایسی چوک ہو جائے تو سمجھیے قیامت آگئی۔

خدا کے لیے تعصب کی عینک اتاریے پہلے ہی تفریق کیا کم ہے کہ اس تو تو میں میں کی ضرورت ہو۔۔۔ اسلامی فلاح و بہبود کی خاطر اعتراض و افتراق کے نئے نئے چور دروازے کھولنے کے بجائے صلح و امن کی کوشش کیجیے، سیاسی شکستوں کا انتقام دین و ملت کے مریض خستہ سے نہ لیجیے۔۔۔ کہیں کا غصہ کہیں نہ اتاریے، اصلاح کڑھنے، جلنے اور جھلانے سے نہیں، خلوص، متانت اور عمل صالح سے ہوگی۔۔۔ وماعلینا الاالبلاغ۔ (تجلی، دیوبند، دسمبر ۱۹۵۱ء)

جماعت اسلامی۔۔۔۔۔ایک احسن سعی!

سوال : از محمد شرف الدین خان (بہار)

کیا جماعتِ اسلامی عام مسلمانوں کی فلاح کے لیے ایک احسن سعی ہے یا کوئی نیا فتنہ ؟

جواب :

ہم نے اپنے حقیر علم و فہم کی روشنی میں جماعتِ اسلامی کے بارے میں جو کچھ سمجھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "جماعت اسلامی" کے زاویۂ نگاہ، انداز فکر اور طرز اظہار و اجتہاد پر خواہ کتنے ہی اعتراض ممکن ہوں، لیکن اس کی نیت اور بنیادی اصول پر اعتراض درست نہیں، اگر ہمارے علماء کرام خلوص و دیانت سے اس کا ساتھ دیں اور غلط باتوں پر ٹوکیں اور رہبری کریں تو دین و ملت کا مستقبل بہت کچھ روشن ہو سکتا ہے۔

جن پر آپ روشنی ڈلوانا چاہتے ہیں ان کو جماعت اسلامی کے اصول کہنا ہی دراصل وہ غلط فہمی ہے جو اختلافات اور تعصب کا راستہ کھولتی ہے، ان میں کوئی بھی اصول جماعت اسلامی کا نہیں، بلکہ یہ سب دین ہی کی جزئیات ہیں اور جماعت اسلامی نے اقتضائے وقت کے پیش نظر ان کو عوام کے سامنے ابھارا ہے، تفصیلات آپ کو جماعت اسلامی کے لٹریچر میں ملیں گی یہاں مختصراً ابھی ان کا بیان ممکن نہیں۔

(تجلی دیوبند، مئی ۱۹۵۲ء)

تصوف اور جماعتِ اسلامی

از : ظہیر الدین احمد صاحب۔ (نظام آباد۔ دکن)

تجلی، ماہ اپریل میں جناب سید محمود صاحب عمری کا مضمون نظر سے گذرا، اسی عنوان کے تحت خادم اپنا مضمون روانہ کر رہا ہے، امید کہ اپنے مؤقر رسالہ میں جگہ دے کر ممنون فرمائیں گے، اور اگر جناب ضروری خیال فرمائیں تو اس پر بھی تنبیہ فرمائی جا سکتی ہے۔ (ظ)

میں ایک عرصہ سے "جماعت اسلامی" اور "علمائے دیوبند" کی کش مکش کا مطالعہ کر رہا ہوں، اور اس سلسلہ میں کئی مضامین میری نظر سے گذرے، یہ مخالفت اور افتراق امت کے لئے ایک اندوہناک سانحہ ہے جس کو کوئی مسلمان پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھ سکتا، آخر یہ جماعتیں ایک دوسرے پر لعن طعن کر کے اسلام اور مسلمانوں کی کیا خدمت کر رہی ہیں؟ جناب سید محمود صاحب کے مضمون پر آپ نے جو تنبیہ فرمائی ہے مجھے اس سے مسرت ہوئی، اگر یہی خیالات جماعت اسلامی کے بھی ہوتے تو یہ مخالفت اس نوبت پر نہ پہنچتی، شاید پیدا ہی نہ ہوتی، اس اختلاف کی اصل بنیاد مسئلہ "تصوف" ہے جس کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور دیگر حامیانِ جماعتِ اسلامی نے خواہ مخواہ معرضِ بحث میں لا کر بات کو پیچیدہ بنا دیا، اس مسئلہ پر بحث کرنے کا اس جماعت کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا، اگر کوئی شخص فن طب سے محض نابلد ہو اور صرف چند جڑی بوٹیوں سے واقف ہو کر علاج معالجہ شروع کر دے تو ظاہر ہے کہ وہ ایک خطرناک فعل کا مرتکب ہو رہا ہے، جس سے سمجھدار مریض بچنے کی کوشش کرے گا، یہی حال مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے مریدوں کا ہے، جناب سید محمود صاحب کے مضمون پر آپ نے جو تنبیہ فرمائی ہے وہ تو بالکل درست لیکن اس میں تنہا ان کا کیا قصور ہے وہ تو جماعتِ اسلامی کے خیالات کی ترجمانی کر رہے ہیں، سید صاحب کا مضمون تو اسی ذہنیت کا آئینہ دار ہے جس کی آبیاری سے یہ جماعت پھلتی پھولتی جا رہی

ہے، یہ لوگ کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں کہ "واللہ ہمیں تصوف سے کبھی انکار نہیں ہو سکتا یہ تو مذہب کی روح ہے اور نہایت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، لیکن ساتھ ہی بڑے سے بڑے صوفی پر جن کا تمام مسلمان عزت واحترام سے نام لیتے ہیں، حملہ کرنے سے نہیں چوکتے، بلکہ خود تصوف کو افیون کی گولی اور چنیا بیگم وغیرہ کے نام دے کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں، آخر اس دو عملی کی کیا وجہ ہے؟ میں کسی کی نیت، دیانتداری اور خدا ترسی پر حملہ کرنا نہیں چاہتا، جیسا کہ جماعتِ اسلامی کے انشاپردازوں کا خاصہ ہے کہ دوسروں کی دیانت پر حملہ کر کے ان کے جذبات سے کھیلنا چاہتے ہیں اللھم حفظنا من شرور انفسنا میں اس دو عملی کی وجہ صرف یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ اس مسئلہ سے قطعی انکار اس وجہ سے نہیں کرتے کہ ایسا نہ ہو کہ عوام کی ہمدردیوں سے محروم ہو جائیں اور اختلاف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کی حقیقت سے واقف نہیں اور نہ واقف ہونا ہی چاہتے ہیں، بالکل سچ ہے کہ انسان کا زوال اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب وہ خود کو کامل سمجھنے لگے، جس جماعت کا یہ عقیدہ ہو کہ ہم کتاب و سنت کی روشنی میں دین کو کماحقہ سمجھ سکتے ہیں اور کسی استاد یا مرشد کے آگے زانوے ادب تہ کرنے کی ضرورت نہیں، اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ اس مسئلہ کو کسی واقف کار سے سمجھنے کی کوشش کریگی؟ خیر کوشش نہ کرنا تو ایک طرف، لیکن مصیبت یہ ہے کہ بغیر سمجھے بوجھے بے باکی سے اس کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں، آخر اس کو جہالت نہ کہا جائے تو اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

اس میں شک نہیں کہ آج کل کے بعض جاہل صوفیوں کے ہاتھوں "علم تصوف" بدنام ہو گیا ہے، لیکن یہ کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ اس کی بناء پر اس علم ہی کی مخالفت شروع کر دی جائے، جبکہ خود مولانا ابوالاعلیٰ صاحب "احسان" کو دین کی روح سمجھتے ہیں اور ان کو عام صوفیاء سے غلط راہ روی کی شکایت ہے تو ان کو چاہیئے تھا کہ "احسان" کے صحیح مفہوم کو وضاحت سے پیش فرماتے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ

تصوف کی حقیقت سے واقف ہوتے اور اپنے غلط عقیدوں کی اصلاح کر لیتے، لیکن اس کے بجائے موصوف نے تصوف کی جڑ پر ہی کلہاڑا مارا ہے، روئداد جماعت اسلامی کے کسی جلسہ میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے، لیکن اس بحث میں اس حدیث کا ہی ذکر نہیں جس پر "احسان" کی بنیاد ہے جس کا ترجمہ ہے کہ "تم خدا کی اس طرح عبادت کرو کہ اس کو دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہیں کر سکتے تو سمجھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے" موصوف کا یہ بھی خیال ہے کہ باوجود اس کے کہ احسان دین کی روح ہے، لیکن مسلمانوں کے لئے ایک خواب آور دوا ہے، جو قوائے عمل کو مضمحل کرنے والی ہے، موصوف کی یہ نرالی منطق اور روحانی حکمت تو بالکل سمجھ میں نہ آسکی، یہ ایک معمہ ہے کہ یہ خواب آور دوا اور افیون کی گولی کس طرح دین کی روح بن گئی؟ کیا اسی کا نام مذہبی ترقی ہے کہ لوگ تصوف کی افیون کھا کر اونگھتے رہتے ہیں۔

جماعت اسلامی کے اکابرین ہمیشہ شکایت کرتے رہتے ہیں کہ "علمائے دیوبند کی روش غیر مصالحانہ ہے ہم گفت وشنید کے ذریعہ ایک دوسرے سے قریب ہونے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ہر وقت ہماری پیش کش کو ٹھکرا دیا گیا" اس کے بعد جب مصالحت کا وقت آیا اور انہی کے حسبِ خواہش زیر بحث مسائل کی فہرست مرتب کر کے ان کی خدمت گرامی میں روانہ کی گئی، تو جواب یہ آیا کہ ہم مسئلہ تصوف پر بحث کرنا نہیں چاہتے، کوئی انصاف سے کہے کہ کسی جماعت میں اتنی اخلاقی جرأت اور صلاحیت نہ ہو کہ وہ کسی مسئلہ پر بحث کر سکے تو اس کو کیا حق ہے کہ اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے اور پارٹی بندی کی اسپرٹ پیدا کر کے عوام میں رسوخ حاصل کرنا چاہے، میں تو یہ نہیں کہتا کہ علمائے دیوبند نے تکفیر کے فتوے دیکر کوئی اچھا کام کیا ہے، لیکن جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھنے سے عوام کو منع کرنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ عوام ان گمراہیوں سے محفوظ رہیں۔

مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی نے جو گمراہی پھیلائی ہے اس کی ایک مثال

یہ بھی ہے کہ وہ خود اپنے غیر مقلد ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور تقلید ائمہ کو ضروری نہیں سمجھتے، لیکن عوام کو مشورہ دیتے ہیں کہ ائمہ کی تقلید کریں، یہ مشورہ تو اسی وقت کارآمد ہو سکتا تھا، جب کہ وہ خود بھی مقلد ہوتے، اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ان کے مریدوں میں ائمہ کی تقلید سے بیزاری پیدا ہو رہی ہے، اور ایسے نوجوان جن کی مذہبی معلومات نماز روزہ کے معمولی مسائل سے آگے نہیں ہیں وہ بھی کتاب و سنت کی روشنی میں حق اجتہاد حاصل کرنے کے دعوے دار ہو گئے ہیں۔

میں تو جماعت اسلامی ہی کو امت کے لئے ایک فتنہ سمجھتا ہوں کہ یہ جماعت اسلام کے مختلف فرقوں میں ایک اور فرقہ کا اضافہ کرنے والی ہے جس کے آثار ابھی سے پیدا ہو رہے ہیں کہ اس جماعت کے لوگ دوسرے مسلمانوں کو جو ان کے عقائد سے متفق نہیں، مسلمان سمجھنے میں پس و پیش کرتے ہیں، اور مولانا مودودی تو بے عمل مسلمانوں کو اسلام سے خارج ہو جانے کا مشورہ دیتے ہیں، یہ فرقہ بندی مسلمانوں کے لئے ایک مصیبت نہیں تو اور کیا ہے؟ جس میں گرفتار ہو کر مسلمان ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں، جب کہ چوٹی کے علماء ایک دوسرے کی برائی کرنے میں اپنا قیمتی وقت اور توانائی صرف کر رہے ہیں تو ان کے پیروان کی اتباع میں چار قدم آگے ہی رہیں گے۔

اصلاح و تبلیغ کا صحیح طریقہ تو یہ ہونا چاہئے کہ کسی شخص یا جماعت کے عقائد و اعمال پر حملہ کئے بغیر بلکہ اس کا نام لئے بغیر حقیقی اسلام کو پیش کیا جائے اور گمراہیوں سے آگاہ کر دیا جائے، جن میں صلاحیت ہوگی خود ہی قبول کر لیں گے، اور جن میں صلاحیت نہیں ان کو بھی قائل کرنے کے مولانا ابو الاعلیٰ صاحب یا کوئی اور مجتہد یا مجدد صاحب مکلف نہیں ہیں، حتیٰ کہ اس کی ذمہ داری پیغمبروں پر بھی نہیں، ہمارا کام تو پیش کرنا ہے اور سمجھانا ہے، دلوں پر ہمارا کوئی اختیار نہیں، اس کے بعد معاملہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

مالہ وماعلیہ

(((ع)))

ہم نے وہ تمام خط و کتابت پڑھی ہے جو "جماعت اسلامی" اور "جماعت علمائے دیوبند" کے اکابرین میں ہوئی، ایمانداری سے ہمیں یہ محسوس ہوا کہ جماعت اسلامی پر مصالحت و مفاہمت سے گریز کا الزام اس مراسلت کی روشنی میں مبالغہ سے خالی نہیں، اور علمائے دیوبند کی طرف سے مفاہمت واتحاد کے بارے میں جس مایوسی کا اظہار کیا جاتا ہے وہ بھی نظر ثانی کی محتاج ہے، بات یہ ہے کہ اختلافات کی خندق فتووں اور بحث بازیوں نے اتنی وسیع کردی ہے کہ اب اشتراک واتحاد کے لئے کافی کاوش و کاوش اور مجاہدے کی ضرورت ہے، مجاہدہ بہ ایں معنی کہ جو لوگ اسلام کی سربلندی کے خواب گنگ وجمن کی گہرائیوں میں غرق کردینے کے بعد ایک پرامن، پرسکون اور قانون پرستانہ زندگی گذارنے کے عادی ہوچکے ہیں ان کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ نئی سرگرمیوں اور اقدامات کے لیے اوقات نکالیں اور خداوندانِ اقتدار کی نگاہوں میں مشتبہ ہوں، یہ اتحاد کسی دعوت میں شرکت کے لئے تو ہوگا نہیں، بلکہ ایک ایسے کاز کے لیے ہوگا، جس کی راہ میں بے شمار کانٹے، بے شمار روڑے اور بے شمار خندقیں ہیں، اسلام کی سربلندی کھیل نہیں، تبلیغ کا میدان تپتی ہوئی ریگ ونکیلے کانٹوں سے بھرا پڑا ہے، جو لوگ خانقاہیت کے پرامن دائرے میں رکوع و سجود کو دین کا منتہا سمجھ چکے وہ کیونکر باطل سے ٹکرانے کا خوف ناک اقدام پسند کریں گے۔

خطا معاف، میرا روئے سخن کسی ایک جماعت یا کسی خاص شخص کی طرف نہیں، مجھے معلوم ہے کہ علمائے دیوبند میں ابھی کچھ ایسی ہستیاں موجود ہیں جن کے سینوں میں اعلاء کلمۃ الحق کی تڑپ اور دلوں میں اشاعتِ دین کا ولولہ ہے، جماعت

اسلامی بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں جو دین کی خاطر ہنستے ہوئے جان دے سکتے ہیں، لیکن سر سے پیر تک بگڑے ہوئے معاشرے اور سیاہ تر ظلماتِ معصیت کے مقابلے میں یہ محدود انفرادی ولولے اور جذبے کیا کام دے سکتے ہیں؟ یہاں تو ضرورت ہے ایک اجتماعی مجاہدے کی، متفقہ جدوجہد کی، پیہم قربانیوں کی، مسلسل نفس کشی کی، صرف فتووں اور مضمونوں اور اجتہاد و تفقہ سے طلسم سامری نہیں ٹوٹا کرتا۔

جماعتِ اسلامی والے کتنے ہی نافہم سہی، ان سے اجتہاد و تفقہ میں کیسی ہی فحش غلطیاں ہوئی ہوں، لیکن اشاعتِ دین کے سلسلہ میں وہ زبان و قلم سے جو مسلسل و پیہم خدمات کر رہے ہیں، کیا وہ سب خرافات ہیں؟ کیا وہ ان کے ذوقِ عمل اور شوق کا نشان نہیں؟

"تصوف" کے سلسلہ میں جماعت اسلامی ـــ خصوصاً مولانا مودودی بہت مطعون ہیں، میں نے مولانا مودودی کی تصنیفات بھی دیکھی ہیں اور معترضین کے اعتراضات بھی، جماعتِ اسلامی والے بارہا ان اعتراضوں کے جوابات دے چکے ہیں، لیکن معترضین بہ نگاہِ خلوص ان جوابات کو نہیں دیکھتے، بلکہ دیکھنے سے پہلے ہی تحقیر و تضحیک کا انداز اختیار کرتے ہیں، یہ وہی کیفیت ہے جو "بٹ کے رہیگا ہندوستان" اور "نہیں بٹے گا ہندوستان" کے دل کش نعروں میں کار فرما تھی، ورنہ اگر نگاہِ خلوص سے دیکھا جائے تو دیے گئے جوابات میں سے کچھ یقیناً ایسے نکلیں گے کہ جو قابلِ قبول ہوں۔

مجھے مولانا مودودی کی تحریروں میں ایک ابھرتی ہوئی بغاوت، ایک جسارت نما جرأت، ایک یقین آمیز انفرادیت اور جنگجویانہ تندی و تیزی ضرور ملی، ہو سکتا ہے کہ ان کیفیات کے پیچھے خلوص کے بجائے بدنیتی چھپی ہوئی ہو، اس کا علم اللہ کو یا خود مولانا مودودی کو ہوگا، لیکن یہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو "تصوف اور احسان" اکابرین دیوبند کی نگاہ میں روح دین ہے اس کی مطلق تردید و تغلیط مجھے کہیں نہیں ملی،

میرے خیال میں غلط فہمیوں کی اصل بنیاد یہ ہے کہ جماعت اسلامی والے جب تصوف کے باب میں تندو سخت لہجہ استعمال کرتے ہیں تو ہم فوراً یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ اسی تصوف کو برا کہا جارہا ہے جو ہمارے اکابرین کے نزدیک محمود ہے، حالانکہ کہنے والے کے ذہن میں اس وقت تصوف کے وہ بے شمار مجسمے ہوتے ہیں جو آج کل شیطان کی نمائندگی کرتے ہوئے ہر شہر میں کثرت سے نظر آتے ہیں، غور فرمایئے، صحیح تصوف تو عملی حیثیت سے عنقا ہوا، چند کم یاب نمونوں کو چھوڑ کر خود جماعت دیوبند میں فی الحال تصوف صحیحہ کے عملی مظاہر ناپید ہیں، دیوبند سے نکلئے تو "صوفیت" کے عجیب عجیب مظاہر نظر آئیں گے، جوگیوں کا روپ بھر کے گالیاں بکنے والے بھی صوفی، قوالیوں پر سر دھننے والے بھی صوفی، داڑھی منڈے سجادے بھی صوفی، میں بھی صوفی تو بھی صوفی، کوئی اصلاح کا طالب اگر ان مظاہر کے پیشِ نظر صوفیت پر برس پڑے، اور اس کے منھ سے بعض ناموزوں الفاظ بھی نکل جائیں تو انصاف کی نظر میں وہ کس حد تک قابل گرفت ہے؟ مولانا مودودی نے اگر واقعی کبھی نفس تصوف کو غلط سمجھنے کی غلطی کی ہو تو اس کی نفسیاتی وجہ یہی نام نہاد متصوفین کی بہتات ہوگی، یقین ہے کہ اگر دوستانہ فضا میں گفتگو ہو تو مولانا مودودی ہرگز ہرگز اسلامی تصوف سے انکار کی احمقانہ جرأت نہیں کریں گے، نہ ہندوستانی جماعت اسلامی کے عمائد سے اس کی امید ہے۔

سچ یہ ہے کہ جب ہم "مخالفت لوجہ النفس" کے شکار ہو جاتے ہیں تو دوسرے کا ذرا سا عیب ہمیں پہاڑ بن کر نظر آتا ہے، ذرا آیئے آپ کو دکھاؤں کہ تصوف کے بارے میں خود جماعت دیوبند کے ایک برگزیدہ مرشد نے کیا کچھ لکھا ہے؟

حضرت مولانا حاجی رشید احمد گنگوہیؒ کا اسم گرامی تو آپ نے سنا ہی ہوگا، اگر نہیں سنا تو سن لیجئے کہ حضرت موصوف "جماعتِ علماء دیوبند" میں زہد و تقویٰ اور علم واتقا کے لحاظ سے "سرخیل" کی حیثیت رکھتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ:

"ابتداء سے اس وقت تک جس قدر ضرر دین کو صوفیہ سے پہنچا ہے اتنا کسی اور فرقہ

سے نہیں پہنچا، ان سے روایت کے ذریعہ بھی دین کو ضرر ہوا اور عقائد کے لحاظ سے بھی اور خیالات کے لحاظ سے بھی۔"

آگے چل کر فرمایا کہ :

"صحابہ میں بہ فیض نبوی جو قوت تھی جب وہ قوت بعد کے لوگوں میں نہ رہی تو اس کی کمی کی تلافی کیلئے بزرگوں نے ریاضت و مجاہدات ایجاد کئے، ایک زمانہ تک تو وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں ان پر عمل ہوتا رہا، مگر جوں جوں خیر القرون کو بعد ہوتا گیا ان میں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ ہوتا رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بے حد بدعات علمی عملی واعتقادی داخل ہوگئیں، محققین صوفیاء نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں، مگر نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہوگئی لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور مجدد الف ثانی اور سید احمد قدست اسرارہم پر حق تعالیٰ نے طریق سنت منکشف فرمایا تھا اور الحمدللہ مجھ پر بھی وہی طریق منکشف فرمایا ہے، طریق سنت میں بڑی برکت ہے، شیطان کو اس میں رہزنی کا بہت کم موقع ملتا ہے، چنانچہ کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ جن امور کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا جیسے نماز با جماعت وغیرہ اگر کوئی سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرے اور "فرائض وواجبات وسنن مؤکدہ" کا پورا اہتمام کرے تو نہ خود اس کو وسوسہ ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ ہوگیا اور نہ دوسرے اسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں، لیکن اگر چاشت، اشراق، صلوٰۃ اوابین وغیرہ امور کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اب میں بزرگ ہوگیا، اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ ہے شارع علیہ السلام نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا، مگر صوفیہ نے بجائے اس کے "استغراق" کو مقصود بنالیا۔"

غور فرمایئے، یہی عبارت اگر صاحب عبارت کے بجائے مولانا مودودی کا نام لکھ کر دارالافتاء میں بھیجدی جائے اور مفتی صاحب قبلہ حقیقت حال سے لاعلم ہوں تو بلاشبہ دسیوں اعتراضات کے ساتھ بے دینی کا فتویٰ دیا جائے گا، متصوفین کی

کھلی تغلیط تو اپنی جگہ رہی مولانا گنگوہیؒ نے آخر میں جو کچھ کہا ہے اس پر عقل معاند کے لئے کتنے پہلو اعتراض کے موجود ہیں، لیکن چونکہ یہ فرمودہ ہمارے مسلمہ بزرگ کا ہے اس لئے ہم کھینچ تان کر کے تنقیص و تغلیط کی کوشش نہیں کریں گے۔

یہی ہے وہ ذہنیت جس پر ہمیں شروع سے آج تک اعتراض ہے، ورنہ نہ مودودی صاحب کی بزرگی کا دعویٰ ہمیں ہے نہ ہم انھیں ہادی برحق کہتے ہیں، نہ ہمیں علمائے دیوبند کے بزرگوں کی بزرگی میں شبہہ ہے نہ ہم ان کو نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب سے ہٹانا چاہتے ہیں، خواہش ہے تو صرف یہ کہ خوردہ گیری اور کشتی کے بجائے فراخ دلی اور خلوص کا ثبوت دیا جائے، بہترین بات تو یہ ہے کہ آپس کی مفاہمت کے بعد تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کا کام وسیع پیمانے پر اجتماعی و انفرادی دونوں حیثیتوں سے جاری کیا جائے اور اگر اس کی اجازت مصلحت اندیشی نہیں دیتی تو "فساد فی سبیل اللہ" تو کم سے کم کسی حال میں محمود نہیں۔

ائمہ کی تقلید سے بیزاری اور صوفیت سے تنفر کی عوامی رو کا الزام جماعت اسلامی کو دینا بالکل غلط نہیں تو غلو آمیز ضرور ہے، اس بے زاری اور تنفر کے اصلی جراثیم کا مخزن وہ روباہ صفت پیشوا ہیں جنھوں نے مسلمان عوام کی جہالت کے سہارے "تصوف اور ارشاد و بیعت" کا حلیہ بگاڑ رکھا ہے، پڑھے لکھے لوگ جب "صوفی" اور "پیر" کو ایک مجسمۂ خرافات کے روپ میں دیکھتے ہیں تو ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ یہ وہ تصوف اور پیری نہیں ہے جسے اسلام نے محمود سمجھا ہے، وہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ "اسلامی تصوف" اور ارشاد و ہدایت یہی ہے، اس کی تمثیل ایک واقعہ میں دیکھئے، میں سفر میں ایک ساتھی سے "کلیر کے میلے" کی خرافات پر اظہار خیال کر رہا تھا کہ ایک ہندو ہم سفر نے تعجب سے کہا۔

"آج پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ آپ مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ان میلوں کے مخالف ہیں، ورنہ ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ آپ کے اسلام میں ناچ رنگ اور گڑبڑ

سر بڑ سب جائز ہے۔"

یہ "گڑبڑ سر بڑ" کا لفظ ہندو دوست نے بڑے ذو معنی انداز میں کہا تھا، اس بچارے کی کیا خطا؟

ہمارے اکابر کی کیفیت یہ تھی کہ تحریر و تقریر ہر طرح پر وہ ان بدعات کے خلاف جنگ کرتے رہتے، سیکڑوں تصانیف آج ان کی موجود ہیں اور سیکڑوں تقاریر انھوں نے اپنی زندگی میں کی ہیں، حضرت شاہ انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ عالم تھا کہ منھ سے خون آرہا ہے، لیکن اعلاء کلمۃ الحق کا جذبہ فوارے کی طرح دہن مبارک سے ابل رہا ہے، حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ علیہما کی خدمات اس باب میں محتاج بیان نہیں۔

یہی وجہ تھی کہ بے شمار مسلمان راہ راست پر آئے، دنیا کو معلوم ہوا کہ اسلام خرافات کا نام نہیں، اگر یہ سلسلہ برابر جاری رہتا اور مناسب مواقع پر مناسب طریقوں سے کام لیا جاتا رہتا تو کافی اصلاح ہو سکتی تھی، لیکن آج یہ حال ہے کہ مفتی تجلی اگر خرافات کی حرمت کا فتویٰ دیتا ہے تو بعض کرم فرما کہتے ہیں کہ "بھائی! دو چار یہی شعائر مسلمانوں کے ہند میں باقی رہ گئے ہیں، جیسے بھی ہیں انھیں جاری ہی رکھنا بہتر ہے!"

بتایئے، کیا انقلاب زمانہ ہے، میلے اور شعائرِ دین! خرافات اور اسلامی یادگاریں!! جماعت اسلامی بہت بری سہی، لیکن کیا ان اڈوں کی برائی میں کوئی شبہہ ہے جہاں اسلام کے نام پر گمراہی کے مرغوبے تیار کر کے کم علم عوام میں پھیلا دیے جاتے ہیں اور پیروی و سجاد گی کسی قطامۂ عالم سے بڑھ کر حرافہ دکھائی دیتی ہے، یہ سب کچھ تو دن دھاڑے عملی دنیا میں ہو رہا ہے، کیوں درد نہیں اٹھتا اسلامی دردمندوں کے دلوں میں! کیوں وہ قلم ٹوٹ گئے جو حق وباطل کے نقاد تھے! کیوں وہ زبانیں گنگ ہیں جو حق کے لیے گنگ ہو جانا نہ جانتی تھیں! آئمہ کی عظمت منوانے والے خدا کی عظمت و

وحدانیت سے کیوں غافل ہو گئے ؟ میں کہتا ہوں کیوں نہیں، ہمارے علماء جماعت اسلامی کی گوش مالی کے ساتھ ساتھ ان اداروں، ان میگزینوں، ان خانقاہوں کی لادینیت کا جلی اعلان کرتے جن کی لادینیت قطعاً مشتبہ نہیں، جو مار آستین ہونے کی حیثیت سے زیادہ مہلک، زیادہ مضل، زیادہ مخدوش ہیں۔

مودودی اور جماعتِ اسلامی گولی مار دینے کے قابل سہی، لیکن اصلاح و تعمیر کا کوئی ایجابی پروگرام تو قوم کے سامنے لاؤ، باطل سے بیزاری کے پے در پے اعلانات تو کرو، کم سے کم قوم یہ تو جان لے کہ تم محض توڑ پھوڑ نہیں کرتے، تعمیر بھی کرتے ہو، جماعت اسلامی کی نماز جنازہ ہی تمہارا مقصد آخر نہیں، شرک و بدعت کے ہر جرثومے کو تم ہلاک کرنا چاہتے ہو۔

تم تو اتنا بھی نہیں کرتے کہ جو اخبار تمہارا اپنا خاص آرگن ہے اسے ان خرافات بلکہ "منکرات" سے پاک کر دو جنکو تم خود "منکرات" مانتے ہو۔

مودودی کے عیوب سے تمہارے عیب ہنر نہیں بن سکتے، جماعت اسلامی اگر "تزکیے اور تصوف" سے خالی ہے تو تمہیں اپنا بھی جائزہ لینا چاہئیے کہ کس حد تک تم اپنا تزکیہ کر سکے ہو، اور نیابت رسول کی رو سے جو ارشاد عام اور تبلیغ عام کی ذمہ داری تم پر ہے وہ کس حد تک ادا ہو رہی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ میری بکواس تمہیں بہت بری لگے گی، تم اسے "چھوٹا منہ بڑی بات" کہو گے، بلکہ "بڑی بات" بھی کہنا تم اپنی توہین سمجھو گے، لیکن یہ بکواس تنہا میری بکواس نہیں، بلکہ اس میں سارے قوم کے ضمیر کی آوازیں ہیں، اس میں ساری امتِ اسلامیہ کے قلوب کی دھڑکنیں ہیں۔

تم سے جب کوئی یہ کہتا ہے کہ جماعتِ اسلامی کی یہ معاندانہ مخالفت اصلاح کم اور فساد زیادہ پیدا کرتی ہے تو تم ٹھنڈے دل سے اس کی بات پر غور نہیں کرتے، بلکہ یہ سمجھتے ہو کہ یہ قائل مولانا مودودی کا مرید اور جماعت اسلامی کا گرویدہ ہے، تم حق و

باطل کو دھڑے بندی کی ترازو میں تولنے کے اس حد تک عادی ہو چکے ہو کہ بسااوقات تمھیں اس بنیادی ناانصافی کا خیال بھی نہیں ہوتا، قسم ہے ذات وحدہ لاشریک کی یہ طریقہ ہرگز منصفانہ نہیں ہے، قوم پیاسی ہے تمھاری رہنمائی کی، ایسی رہنمائی جو زندگی کو حرکت، جذبات کو ابھار اور قوائے عمل کو جنبش کا موقع دے سکے، جس میں تصوف اور عبادت، "رہبانیت بے سوز" کا منظر پیش نہ کریں، بلکہ ان میں وہ شعلۂ جوالہ بھی ہو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "بدر واحد" کے میدانوں میں لے گیا، جو فاتح خیبر کی پیشانی پر چمکا، جس نے عمرؓ کو تاریخ کا فاروق اعظمؓ بنایا، اور جس نے دنیا کو یہ دکھلایا کہ مساجد میں بہ ہزار عجز و نیاز جھکنے والے ضرورت کے وقت آگ اور خون کا کھیل بھی کھیلتے ہیں۔

میرے وعظ کو تم اس لیے حقارت سے نہ ٹھکرا دینا کہ یہ ایک بہت ہی حقیر آدمی کا وعظ ہے، نہ تم یہ سمجھنا کہ اس میں کوئی طنز و طعن ہے، خدا گواہ ہے کہ یہ تو سب کچھ وہی ہے جس کو تمھارا ایمان خود محسوس کرتا ہے، جسے تم مجھ سے ہزار درجہ بہتر جانتے ہو، میں جماعت اسلامی کا ممبر نہیں ہوں، میں مولانا مودودی سے کوئی توسل نہیں رکھتا، میں تو صرف حق کا غلام ہوں، اصلاح کا متمنی ہوں، فلاح کا خواہشمند ہوں۔ (تجلی، دیوبند، جون ۱۹۵۲ء)

ایک اور کتاب

لیجیے، آپ کو حیرت ہوگی کہ "دارالعلوم" کے شعبۂ تبلیغ سے ایک اور کتاب "ردِ مودودیت" میں چھپ کر آگئی ہے، حیرت یوں کہ یہ اللہ کے بندے اعتراضات کے جواب تو سنتے نہیں اور مسلسل اعتراض دُہرائے جاتے ہیں، یہ طریقہ ہر انصاف پسند کو حیرت میں ڈالنے والا ہے، خیر ان کی یہ ادا تو پرانی ہو چکی لیکن انتہائی افسوسناک یہ ہے کہ اس مرتبہ کتاب کی تصنیف کا کام ایک صاحب ظفیر الدین نامی نے کیا ہے، یہ صاحب کتاب پر اپنے آپ کو مولانا لکھتے ہیں اور ہو سکتا ہے یہ "مولانا" ہی نہیں "علامہ" اور "بحر العلوم" بھی ہوں، لیکن جن لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ یہ اسی سال "دارالعلوم" میں ملازم ہوئے ہیں اور روزی کی خاطر انھوں نے اپنا ضمیر اور قلم رہن رکھدیا ہے، ان کے لیے انھیں "مولوی" بھی کہنا مشکل ہے، کیونکہ لفظ "مولوی" کی حقیقی عظمت سمجھنے والوں کے لیے بے کرداری اور خود فروشی کے ساتھ "مولویت" کا تصور نا ممکن ہے۔

کتاب کا صرف مقدمہ ابھی ہم نے پڑھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان صاحب نے کوئی نیا کیس جماعت اسلامی کے خلاف پیش نہیں کیا، بلکہ اب تک جو کتابچے "دارالعلوم" نے شائع کیے تھے انھیں اپنی تزئین اور حواشی کے ساتھ جمع کردیا ہے، چلو اچھا ہوا کہ اسطرح علمائے موجود کے جملہ اعتراضات ایک ساتھ سامنے آگئے ہیں اور ہمیں اسکا موقع ملا کہ ایک سیر حاصل تنقیدی جائزہ ان کے موقف کا لے سکیں، یہ ہم خوب جانتے ہیں کہ معترضین کرام خیالات کے جس یک رخے پن اور زعم و خود پرستی اور افراط و غلو میں مبتلا ہیں اس کے ہوتے ہوئے خود ان کے لیے تو ہماری بے لاگ، سنجیدہ اور علمی تنقیدیں گالیوں ہی کے درجہ میں رہیں گی اور ہرگز وہ صورت حال کی اصلاح اور اعتدال و میانہ روی کی طرف مائل نہ ہوں گے جس کا ہمیں

ثبوت یہ ہے کہ اپریل، مئی، جون ۵۶ء میں راقم الحروف نے عقلی و نقلی دلائل کیساتھ متعدد معترض فیہ مسائل کا جو تجزیہ پیش کیا تھا اس کی جوابدہی سے قطعاً عاجز ہونے کے باوجود انھوں نے اپنے خود ساختہ الزامات کو واپس نہیں لیا، لیکن خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جمہور المسلمین میں فدوی کی معروضات کو نہایت غور و متانت سے پڑھا گیا اور کتنے ہی وہ لوگ جنھیں تلبیس اور پروپیگنڈے کے ذریعہ غلط فہمیوں میں مبتلا کردیا گیا تھا، بدگمانیوں کے کہر سے نکل گئے، لہذا "جمہور المسلمین" ہی کی صحیح رہنمائی کے جذبے سے مجھے یہ بتانا پڑے گا کہ اس نومولود تصنیف میں ظفیر الدین صاحب نے کس طرح اپنے سولہ صفحے کے مقدمے میں جھوٹ، تلبیس، تدلیس، فریب دہی، تعصب، غرور، افترا، نمائش، اشتعال انگیزی اور ہٹ دھرمی کو متصوفانہ بہروپ میں چھپا کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، عیوب کی یہ فہرست میں نے بطور سخن آرائی نہیں لکھی، بلکہ مجھے دو اور دو چار کی طرح قطعی دلائل سے واضح کردینا ہے کہ ان میں کا ایک ایک عیب اس مقدمہ میں موجود ہے، اور میں اگر اسے بے نقاب کرنے میں اپنا فریضہ ادا نہ کروں تو ہوسکتا ہے بعض بندگانِ خدا اسی طرح دھوکہ کھا جائیں جس طرح روسی اور چینی "شیخ الاسلام" کے لباس، ہیئت اور زبان سے بعض سطح بیں سیاح دھوکا کھا جاتے ہیں، مجھے رنج ہے کہ پوری کتاب کا تجزیہ کرنے سے پہلے مجھے مقدمہ کے بہروپ کی اصلیت منکشف کرتے ہوئے ظفیر الدین صاحب کی ذاتیات سے بھی قدرے تعارض کرنا پڑے گا اور اس موقع پر ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ کبیدہ خاطر ہوں جو خاص نمبر میں "ذاتیات" کا تذکرہ دیکھ کر مکدر ہوچکے ہیں، اور مجھے لکھا ہے کہ ذاتیات کو بحث میں نہ لاؤ۔

میں ان مخلص دوستوں سے عرض کروں گا کہ آپ صورت حال پر مزید غور فرمائیں، میں نے ذاتیات کا تذکرہ اس طور پر کہیں نہیں کیا اور نہ کروں گا کہ فلاں شخص کی عملی حالت عام زندگی میں یہ ہے اور فلاں کمزوری اس میں یہ موجود ہے، اور فلاں

بد عملی اس سے یہ سرزد ہوئی، اگرچہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اہم ترین ضرورت درپیش ہونے پر افراد و شخصیات کے ایک ایک عیب و ہنر پر گفتگو بھی نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہو جاتی ہے جیسا کہ فن حدیث میں راویوں کے کردار و عمل کی تحقیق و تلاش اور اظہار اور اعلان بالاتفاق واجب ہے، تو میں کسی جائیداد کی تقسیم، یا منصب و مسند کی نامزدگی، یا سیاسی و اقتصادی منفعت، یا ادنیٰ تر دنیاوی مفاد پر تو نہیں لڑ رہا ہوں، بلکہ میرے سامنے اللہ کا مظلوم دین ہے، پامال امت ہے، صحیح قیادت کے پیاسے مسلمان ہیں، میں ان کے حقیقی فائدے اور عافیت و فلاح کے لیے بھیک مانگنے اور فدویانہ گذارشیں پیش کرنے کے بعد "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق قلمی جہاد پر مجبور ہوا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں نجی اور انفرادی جزئیاتِ عمل سے بحث نہیں کر رہا ہوں، بلکہ صرف ان پہلوؤں کو لے رہا ہوں جن کا تعلق زیر بحث مسائل سے ہے، اور جن کا ذکر کیے بغیر منصفانہ اور واضح تجزیہ ممکن نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ دلیل و بحث اور فکر و استدلال کے اسٹیج پر تو معترضین کلیتاً ہار چکے، اگر کوئی علمی عدالت ایسی ہوتی جس میں "علمائے معترض" اور "جماعت اسلامی" بطور مدعی اور مدعی علیہ کے پیش ہو کر اپنی اپنی بحثیں پیش کرتے تو بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مدعی کی شکست صد فیصد یقینی تھی، کیوں کہ مختلف فیہ مسائل میں صواب و خطا کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک انصاف پسند اور عقیل و فہیم عدالت تنہا اس بات ہی کو جرم قرار دیتی کہ خطرہ و ابتلا کے نازک لمحوں میں سر جوڑ کر بیٹھنے اور ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے کے بجائے مدعی حضرات دور از کار لاحاصل اور قطعاً معاندانہ جزئی و فقہی بحثیں نکال رہے ہیں۔

لیکن علمی و عقلی شکست خوردگی کے باوجود معترضین کے پاس اگر موشگافیوں کا کوئی وسیلہ ہے تو وہ ہے شخصیات کا رعب اور اثر و نفوذ، "ہند" ہو یا "پاکستان" آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مخالفتوں اور اعتراضوں کے تمام محل، علم و عقل کی بنیادوں پر نہیں شخصیات کے فیل پایوں پر کھڑے ہیں (كانهم خشب مسندة، گویا کہ وہ لکڑی کی

چھڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے کھڑی ہیں، قرآن) اسی لیے ضروری ہے کہ جو شخص اتحاد و محبت کی تمنا رکھتا ہو وہ اختلافات کا مکمل تجزیہ و تصفیہ کرنے کے لیے شخصیات کے ضروری گوشوں کی نقاب کشائی کرے، آخر کیا ہم دین کو پوری طرح سمجھنے کے لیے سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے شخصی کردار و صفات اور صحابۂ کرام کے اقوال و اعمال کے ذکر و بیان پر مجبور نہیں ہیں، یا ابو جہل و ابو لہب کے ذہن و مزاج کا نفسیاتی تجزیہ کیے بغیر ہم صحیح طور پر جان سکتے ہیں کہ ان کا اسلام سے احتراز کن اسباب و علل پر مبنی تھا؟ یا مسجد بنانے والوں کے ذاتی مزاج و رجحان کو پیش نظر رکھے بغیر کیا ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ "مسجد ضرار" ہے یا "بیت اللہ"؟۔۔۔ میں نے استاذ المکرّم حضرت مولانا مدنی مدظلہ کی ذاتیات سے متعلق جو کچھ لکھا وہ بھی زیر بحث مسائل میں افہام و تفہیم کے لیے ضروری تھا اور ظفیر الدین صاحب کی ذاتیات پر جو لکھوں گا وہ بھی اسی نیت سے ہوگا کہ نومولود کتاب کے حسن و قبح کا فیصلہ کرنے سے پہلے بے خبر لوگ۔۔۔ جنھیں یہ صاحب اپنی للّٰہیت، خلوص اور تقدیس کا سفسطہ دے رہے ہیں، یہ جان لیں کہ اسکے فاضل مصنف کی قلمکاریاں خدمت و خیر خواہی کے محور پر گردش کر رہی ہیں، یا نان و شکم کی آل پن پر!۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ مطالعہ کے بعد اس کتاب میں مجھے ایسی معقول باتیں بھی ملیں جن کی میں تائید کروں اور جماعت اسلامی کی خطا پر معترضین سے متفق ہو جاؤں، لیکن بنیادی سوال اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ کیا "مسجد قبا" کے آس پاس تعمیر کی ہوئی "مسجدِ ضرار" شکل و صورت کے اعتبار سے مسجد نہ تھی؟ کیا منافقین نے اسے ٹھیک "اسلامی ہیئت اور نقشہ" پر تعمیر نہ کیا تھا؟۔۔۔ کیا اللہ کی وحی کے بغیر صحابہ تو کیا خود رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ فیصلہ ممکن تھا کہ یہ مسجد اپنے ظاہر کے اعتبار سے قطعاً مسجد اور قابل صد احترام ہونے کے باوجود اپنے بنانے والوں کی بدنیتی کا وہ زہر اپنے پس منظر میں لیے ہوئے ہے جس کا توڑ کرنے کے لیے اسے ڈھا دینا ہی واجب ہے، اللہ جل جلالہ نے فرمایا:

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً و تفریقاً بین المومنین وارصاداً لمن حارب اللّٰہ و رسولہ من قبل ط ولیحلفن ان اردنا الا الحسنی واللّٰہ یشھد انھم لکذبون۔(توبہ)

اور جنھوں نے ایک مسجد بنائی ہے ضد پر، اور کفر پر اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالنے کے لیے اور ان لوگوں کی کمین گاہ بنانے کے لیے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے سے لڑ رہے ہیں، اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

اتفاق دیکھیے ظفیر الدین صاحب نے بھی اپنے خلوص و نیک نیتی کی قسمیں کھائی ہیں، اور ٹھیک یہی الفاظ جو اللہ نے منافقین سے منسوب فرمائے، کہے ہیں کہ "ہم صرف خیر خواہی اور بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں" یہ منشاء نہیں ہے کہ میں خدانخواستہ صاحب موصوف کو من کل الوجوہ منافقین سے تشبیہ دے رہا ہوں، بلکہ منشا صرف یہ ہے کہ جب تک میں جمہور المسلمین کو اس نو مولود تصنیف کے مصنف کی خوش نیتی کا حال ٹھوس اور نا قابل تردید دلائل کے ساتھ نہ بتاؤں گا، اس وقت تک ان کا فریب خلوص و تقدس کھا جانا اور نمائش زہد کا شکار ہو جانا ممکن رہے گا۔

اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس تجزیہ و تنقید کو میں "تجلی" ہی میں چھاپوں یا علیحدہ کتابی شکل میں، پہلی صورت میں یا تو ایک ضخیم نمبر چھاپنا پڑے گا یا مہینوں قسط وار سلسلہ چلانا ہوگا، نمبر کے لیے فی الوقت "تجلی" کی جیب ساتھ نہیں دے گی، اور سلسلہ کا قصہ مدت تک چلنا مجھے کچھ پسند نہیں، نیز میرا ارادہ "تجلی" میں تشریح حدیث کا باب بھی جلد کھولنے کا ہے جو مستقل صفحات کا طالب ہے اور پیش نظر تنقید کی صورت میں اس کی گنجائش نہ نکل سکے گی، لہٰذا انسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتابی شکل کو اختیار کروں، اس سے "تجلی" کے خریداروں کو یہ نقصان ضرور ہوگا کہ بصورت خواہش علیحدہ کتاب خریدنی ہوگی، لیکن فائدہ بھی ہوگا کہ تجلی کے پیش نظر اضافہ و ارتقاء سے وہ مستفید ہو سکیں گے اور یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جس طرح "دارالعلوم" نے

تمام اعتراضات یکجا کتابی شکل میں جمع کرادیے ہیں اسی طرح ان پر تنقید بھی یکجا کتابی شکل میں ہوجائے گی۔

ناظرین اس باب میں اگر اپنی رائے اور پسند سے مطلع فرمائیں تو بہتر ہو۔

انی توکلت علی اللہ وانیب الیہ۔

بازگفت : اوپر کی سطور لکھنے تک میں نے نومولود کتاب کا صرف مقدمہ پڑھا تھا اور اتنا حسن ظن ظفیر الدین صاحب سے ضرور قائم تھا کہ اپنے "مولانا" ہونے کا جو دعویٰ انھیں ہے اسے نبھانے کا سلیقہ بھی انھیں ضرور ہوگا، اور مخالفت لوجہ المعاش کے باوجود انھوں نے ثقاہت، شرافت اور عدل کا تھوڑا بہت لحاظ ضرور رکھا ہوگا، لیکن اب کتاب پڑھ لینے کے بعد مجھے انتہائی صدمے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی کتاب تعصب، کم نظری، دجل، اشتعال انگیزی، شرارت اور عامیانہ طرز وروش کا ایسا پلندہ ہے جسے حد درجہ معتدل لفظوں میں "گندگی کا ڈھیر" کہا جاسکتا ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ ایک نہیں ہزار ظفیر الدین بھی مل کر اس کارواں کا راستہ نہیں روک سکتے جو صدیوں کے بعد عازم سفر ہوا ہے، لیکن میں اپنے گناہوں کی تلافی اور آخرت کی بہتری کے لیے یہ تہیہ کرچکا ہوں کہ حق کی راہ میں جو بھی دیوار کھڑی کی جائے گی۔۔۔ خواہ وہ فولاد وآہن ہی کی کیوں نہ ہو، اسے اپنی پوری قوت سے ڈھانے کی سعی کروں گا، جو بھی گندگی ڈالی جائیگی اسے ہٹانیکی کوشش کروں گا، خواہ اس کوشش میں میرا لباس اور جسم غلاظت اور چوڑے سے لت پت ہی کیوں نہ ہوجائے، ظفیر الدین جیسے لوگ "تحریک اقامت دین" کو ایک کھیل سمجھ رہے ہیں، وہ اس بچے کی طرح ہیں جو چاند کو اپنے گھر کے چراغ پر قیاس کرتا ہے، وہ اس بدترین کم فہمی میں مبتلا ہیں کہ الیکشنی مخالفتوں، لفظی نکتہ آفرینیوں، چالبازیوں اور سطحی نعروں سے ایک عظیم فکری تحریک کو شکست دے دیں گے، بیشک وہ بے علم عوام کے کچھ افراد کو ورغلا کر اپنے حصہ کا گناہ وادبار کما سکتے ہیں، بے شک وہ مولانا مودودی کو "ضال و

مضمل" کہہ کر اپنے نفس کی پیاس بجھا سکتے ہیں، بے شک وہ عامر جیسے چند ضعیف و کمزور لوگوں کو دنیاوی نقصان وابتلا میں مبتلا کر سکتے ہیں، لیکن جو تحریک فکر و بصیرت کی بھٹیوں میں تپ کر ایک "زندہ و متحرک دعوت" کی شکل میں سامنے آئی ہو، جس نے علم و فکر کے میدان میں طاغوت کی مسلح فوجوں سے آنکھ ملا کر صدیوں کے بعد تاریخ کو ایک موڑ دیا ہو، ایک مشعل دکھائی ہو، اور جس نے قرآن و سنت کی روح کو کتابوں کے صفحات سے لے کر ملت کے فالج زدہ شریانوں میں دوڑایا ہو، اسے بچکانہ مخالفتوں اور طفلانہ عداوتوں کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دینے کا خیال صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو آسمان کو بالشت سے ناپنے کے خواب دیکھ رہے ہوں، یا چاند کو گھڑے میں بند کرنے کی فکر میں ہوں، افسوس ہے اس شخص پر جس کی ایک آنکھ پھوٹ جائے تو وہ ہر شخص کو کانا دیکھنے کا آرزومند ہو، تاکہ اسکا اپنا عیب بے اہمیت ہو جائے، حسرت ہے اس نافہم پر جو اپنی نااہلی پر شرم سار ہونے کی بجائے یہ چاہے کہ ہر اہل کو نااہل ثابت کر دے تاکہ میری نااہلی نمایاں نہ ہو۔ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

(تجلی، دیوبند، اپریل ۱۹۵۷ء)

”اے عشق مرحبا! وہ یہاں تک تو آگئے“

ماہنامہ دارالعلوم بابت مئی ۷۵ء میں مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا مختصر مضمون ”معیارِ حق“ ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ شائع ہوا ہے اور یہی مضمون ”دعوت دہلی“ میں مدیر کے مفصل تشریحی حواشی کے ساتھ آیا ہے، مختصر لفظوں میں اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ ”دستور جماعت اسلامی“ کے ذیل میں ”معیاریت صحابہ وانبیاء“ کے متعلق اب علمائے دیوبند اور جماعت اسلامی کے مابین کوئی اختلاف باقی نہیں، اور اب تک جو دونوں فریق اظہار خیال کرتے رہے ہیں وہ محض لفظی تنازع اور اعتباری کھینچ تان کے سوا کچھ نہ تھا، بظاہر یہ بات بڑی مسرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مہتمم صاحب جیسے ذمہ دار آدمی نے علمائے دیوبند کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک افسوسناک اور ملت کش اختلاف وافتراق کے ختم ہوجانے کا واضح اعلان فرمادیا، اور ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ مہتمم صاحب قبلہ کی دلی آرزو بھی یہی ہے کہ یہ برباد کن جدل ونزاع ختم ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم متعدد بار بتا چکے ہیں، حضرت موصوف نہ تو واقعۃً جماعت اسلامی سے کوئی اختلاف رکھتے ہیں نہ آج تک آپ نے کوئی اختلافی مضمون اپنے ضمیر کے تقاضے اور قلب وذہن کے مطالبہ پر لکھا ہے، بلکہ بعض مصالح ومنافع کے اقتضاء نے آپ کے قلم کو وقتی طور پر جماعت کے خلاف جنبش کرنے پر مجبور کردیا، اور آخرکار جب ہم جیسے شاگردوں اور بہی خواہوں کے ہنگامۂ فریاد وشیون نے آپ کو اپنے ہی ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ کیا اور استدلال والحاح کے ساتھ تلوار ہاتھ سے رکھ دینے کی التجا کی تو آخرکار وہ ایک مرد مومن ومخلص کی حیثیت میں انصاف ودیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے پر مائل ہوئے ہیں، اور زیر تذکرہ مضمون اسی میلان کے اظہار اور اسی ظلم سے دستکشی کے ارادہ ونیت کا اعلان ہے، لیکن جب اس مضمون کے طرز نگارش اور مضمرات اور

مطالب و معانی پر نظر جاتی ہے تو دل کسی مسرت بخش اطمینان کی بجائے کئی طرح کی الجھنیں اور خلش محسوس کرتا ہے، ان الجھنوں اور خلش کو اگر میں مضمون پر مفصل تنقید کی شکل میں ظاہر کروں تو حضرت موصوف کی طبع نازک پر بھی گراں گذرے گا اور صلح و آشتی کی ممکنہ توقع کو بھی صدمہ پہنچے گا، نیز جائزے اور تنقید کا حق مدیر "دعوت" اپنے حواشی میں اجمالاً ادا بھی کر چکے ہیں، اس لیے میں یہ نہیں چاہتا کہ مضمون کے قابل گرفت گوشوں پر گرفت کر کے یا حضرت موصوف کے انصاف نما ظلم کا پردہ چاک کر کے بات بڑھاؤں، لیکن چند خادمانہ اور شاگردانہ معروضات اپنے ممدوح کی خدمت میں ضرور پیش کروں گا اگر گوش توجہ سے سنیں تو بندہ نوازی ہو۔

آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ نفس امارہ کیا چیز ہے، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انسان ضعف و کمزوری اور خطاؤ نسیان کا پتلا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جب کوئی شخص خوشامدیوں اور چاپلوسوں کے مجمع میں گھرا ہوا ہو اور دنیاوی قوت، دولت اور جاہ و مرتبت اسے حاصل ہو اور ہمہ وقت اسے اپنے اردگرد نیاز مندوں اور قصیدہ خوانوں ہی کی بھیڑ نظر آتی ہو، تو چاہے یہ شخص کیسا ہی عابد و زاہد ہو، کتنا ہی ذہین ہو، کیسا ہی عالم و دانا ہو، لیکن فطرت کا اٹل قانون ہے کہ وہ ایک پتھریلے قسم کے پندار اور کبر اور خود پسندی اور احساس برتری میں گرفتار ہو جاتا ہے، اور اپنے افعال و اقوال پر کسی طرح کی جائز سے جائز تنقید بھی اسے سخت ناگوار گذرتی ہے، اور ایسی ناگواری کے عالم میں وہ تنقید کو اعتراض و تنقیص خیال کرتے ہوئے نقاد سے ایک طرح کے عناد اور عداوت پر مائل ہو جاتا ہے، نیز وہ نیاز مندوں کی ایسی مدح سرائی اور خوشامد پر بھی ناراض نہیں ہوتا جس کے متعلق اس کی عقل صاف بتا رہی ہو کہ یہ منافقانہ اور سراسر بناوٹی ہے، وہ خود کو ہر طرح کی تعریف کا حقدار اور دوسروں کو تعریف کرنے پر مامور تصور کرنے لگتا ہے، اسے اپنے نفس کا جائزہ لینے کی بھی توفیق نہیں ہوتی، اور اگر کبھی نیاز مندوں کے حلقے سے باہر کچھ لوگ اس کے کسی فوری عمل کو معقول دلائل کے ساتھ ناحق ثابت کریں اور اس کا ضمیر محسوس بھی کرلے کہ مجھ سے واقعی غلطی ہوئی ہے تب بھی

وہ ایک ایماندار اور خدا ترس آدمی کی طرح صفائی سے اعترافِ خطا پر تیار نہیں ہوتا، بلکہ طرح طرح کی توجیہات و تاویلات سے اپنی تصویب اور ناقدوں کی تردید کرتا ہے، اور اگر حالات کا دباؤ صلح و صفائی پر ہی مجبور کردے تو وہ برابر کی صلح نہیں کرتا، بلکہ ایسا انداز اختیار کرتا ہے گویا وہ فاتح ہے اور ازراہ رحم و کرم اور ازراہ سخاوت و فیاضی مفتوح سے صلح کر رہا ہے۔

قرآن نے اسی لیے کہا تھا:

والعصرo ان الانسان لفی خسر o الاالذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبرo

زمانے کی قسم انسان یقیناً خسارے میں ہے لیکن صرف وہ لوگ (خسارے میں نہیں ہیں) جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور باہم دگر ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت کرتے رہے۔

مجھے حجاب آتا ہے کہ آپ جیسے عالم کے سامنے نکات علمیہ پر زبان کھولوں لیکن اپنی بے انتہا مصروفیات اور گھرے ہوئے ماحول میں غالباً بعض اہم باتیں آپ کو ہمہ وقت مستحضر نہ رہ سکتی ہوں اس لیے بطور یاد دہانی عرض کر رہا ہوں کہ "تواصی بالحق" اصل میں تنقید صحیحہ کا نام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں امر و نہی کا انداز اختیار نہیں فرمایا بلکہ بیانیہ انداز پسند فرمایا ہے، جس کا واضح اور یقینی مطلب یہ ہے کہ باہم دگر ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہنا تو مومنین صالحین کے کردار کا ایک جزو لازم بلکہ ان کے خمیر ترکیبی کا مسلمہ عنصر ہے، یہی باعث ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے احوال مبارکہ ہم تاریخ و آثار کی کتب میں پڑھتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بے انداز عظمت کے باجود ایک دوسرے پر بروقت تنقید کرنے اور تواصی بالحق کا ثبوت دینے میں بے حد مستعد تھے، اور خوشامد، چاپلوسی اور قصیدہ خوانی سے سخت مجتنب تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے رعب و سطوت والے خلیفۃ المومنین تک کو معمولی افراد نے بھرے مجمع میں ٹوکا اور سختی سے ٹوکا، لیکن بے شمار رحمتیں ہوں اس نفس مزکی

پر جو حق کے آگے سر نگوں ہونے اور اعتراف قصور میں ہلکے سے ہلکا پندار و تصنع نہیں آنے دیتے تھے، اسی طرح بعد کے ائمہ و علماء اور محدثین و فقہا کو دیکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف ہم عصر علماء کی تنقیدوں کو خوشدلی سے گوارا کرتے ہیں، بلکہ شاگردوں اور نیاز مندوں تک کی تنقید، اعتراض اور گرفت پر نہایت صدق و امانت کے ساتھ توجہ فرماتے ہیں، اور یا تو ان کی غلطی ثابت کرتے ہیں یا اپنی غلطی تسلیم کر کے رجوع کر لیتے ہیں۔

لیکن اس کے بر خلاف بعد کے زمانوں میں صداقت و امانت اور دیانت و تقویٰ وغیرہ کے معیار رفتہ رفتہ بدلتے گئے، اور اب تو بد قسمتی سے ایک مدت مدید سے یہ صورت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر صوفی، ہر عالم، ہر شیخ، ہر زاہد و متقی خوشامد، نیاز مندی، ارادت اور امامت کے ایک ایسے آہنی حصار میں ڈیرہ ڈالے رہتا ہے کہ تواصی بالحق اور تنقید کا تو کیا ذکر وہ ایک مستقل الہٰ بن کر وصیت بالحق کا تنہا مالک اور ہر تعریف و ثنا کا واحد حق دار اور تنقید سے بالاتر اور خطاؤں سے محفوظ اور عوام سے وراء الوراء ایک شخصیت بن جاتا ہے، اسی کا حق ہوتا ہے کہ ہاں میں ہاں ملانے والے نیاز مند حلقہ بنا کر بیٹھیں، اور وہ وعظ کرے، نیاز مند پیچھے پیچھے چلیں اور وہ آگے آگے نمایاں رہے، نیاز مند توصیف کریں اور وہ کسر نفسی کی نمائش کے ساتھ انھیں داد دے، نیاز منداس کے ہر قول و عمل کو عین حق بتائیں، اور وہ خود بھی کبھی بھول کر اپنی کسی غلطی سے رجوع نہ کرے۔

یہ میں آپ پر اعتراض نہیں کر رہا، بلکہ آپ گذشتہ ایک صدی سے لے کر آج تک کے تمام دینی مشاہیر و اکابر کے پوست کندہ حالات دیانت کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں تو بلا شبہ واضح ہو گا کہ ننانوے فیصد یہی صورت حال ہر جگہ موجود و نمایاں رہی ہے، اور آج بھی ہے، ننانوے فیصد میں نے اس لیے کہا کہ بہر حال ایک فیصد حضرات اس سے بلند بھی پائے جاتے رہے ہیں، مثال کے طور پر ماضی قریب ہی میں اپنے مرشد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو لیجیے، اپنے شاگردوں اور نیاز مندوں کیلیے انکا اذن

عام تھا کہ میری غلطیاں ڈھونڈو، میری خطاؤں کی نشاندہی کرو، اور میری تحریر و تقریر میں دیکھو کہ کہاں کہاں مجھ سے لغزش ہوئی ہے، اس اذن کے نتیجہ میں مولانا موصوف نور اللہ مرقدہ کے جو رجوعات "ترجیح الراجح" کے عنوان سے منظر عام پر آچکے ہیں، ان سے اہل علم بے خبر نہیں ہیں، بہر حال حاصل کلام یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات کی عظمت و برتری اپنی جگہ مسلم، لیکن جب تواصی بالحق کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اندر باہر سے احتساب و تنقید قطعاً ختم ہو جاتی ہے تو خوشامد پسندی اور مدح و ستائش سے دل بستگی نفس کے شریانوں میں لہو بن کر دوڑنے لگتی ہے۔

چنانچہ آپ ٹھنڈے دل اور انصاف پسند نگاہ سے اپنی نگرانی میں نکلنے والے رسالے "دار العلوم" کا جائزہ لیں تو واضح ہو گا کہ اس میں وقتاً فوقتاً آپ کی شخصیت کو جن القاب و آداب اور اوصاف و مناقب سے متصف کیا جاتا ہے، وہ ایسے گھٹیا پروپیگنڈے کا انداز رکھتے ہیں کہ آج کل کے معمولی سمجھ والے بھی ان پر خندۂ زیر لب کیے بغیر نہیں رہ سکتے، اور در حقیقت انھیں صرف وہ نفس گوارا کر سکتا ہے جسے اپنی شان میں قصائد سننے کی چاٹ لگ گئی ہو، آپ شاید اس امر واقعہ کو محسوس نہیں فرماتے کہ جب "دار العلوم" پر آپ کا اسم گرامی بطور نگراں لکھا جاتا ہے، اور لوگ جانتے ہیں کہ آپ درسگاہ دار العلوم کے مہتمم اور ایڈیٹر رسالہ دار العلوم اس درسگاہ کے معمولی ملازم ہیں تو ہر پڑھا لکھا ہوشمند اس رسالہ میں کی گئی آپ کی ہر مدح و ثنا کو "بقلم خود" سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا اور تھوڑے سے خوش عقیدہ، بے دماغ، بے ضمیر اور کم علم لوگوں کے علاوہ ہر شخص اس پروپیگنڈہ ٹائپ کی قصیدہ خوانی سے بدظن اور بیزار ہے، مگر مشکل یہی ہے کہ آپ حضرات نیاز مندوں کے حلقہ خوشامد سے باہر کی کوئی آواز ٹھنڈے دل و دماغ سے سننا پسند ہی نہیں فرماتے کہ حقائق کا انکشاف ہو، اور انکشاف ہو بھی جائے تو آپ جاہ اور سیادت و فوقیت کی لذت سے دستبردار ہونے کا ایثار نہیں کرتے۔

اب اسی ادارتی نوٹ کو لیجیے جو مدیر "دارالعلوم" نے آپ کے مضمون "معیار حق" پر دیا ہے، میں مدیر صاحب کو کوئی خاص الزام نہیں دیتا، کیونکہ وہ بیچارے ماتحت ملازم کی حیثیت سے وہی روش اختیار کرنے پر مجبور ہیں جسے آپ پسند فرماتے ہوں، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ انھوں نے مضمون کو پورا پڑھا بھی ہو، یا پڑھا ہو تو سمجھا بھی ہو، لیکن آپ کسی کنج خلوت میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ نوٹ اور اپنا مضمون پڑھیں اور فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہی طریقہ امن و صلح اور اتحاد و مفاہمت کی منزل مقصود تک پہنچنے کا ہوتا ہے جو آپ نے اختیار فرمایا ہے، کیا سچ مچ آپ نے امن و اتحاد کی خواہش رکھنے کے باوجود وہی انداز اختیار فرمایا ہے جو عملاً اس خواہش کو پورا کرے، کیا حقیقتاً اپنے غلط موقف کا شعور و احساس رکھنے کے باوجود آپ نے اپنے مضمون میں خود کو فاتح و غالب اور جماعت اسلامی کو مفتوح و مغلوب دکھانے کی سعی بلیغ نہیں کی ہے؟ میں جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں اس وقت آپ کے مضمون پر تنقید کرنے نہیں بیٹھا، بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب آپ نے ایک خاص حد تک عالی ظرفی کا ثبوت دیا ہے تو اتحاد و امن کی راہ میں جو چند الجھنیں آپ کی دو آتشہ تحریر سے پیدا ہو گئی ہیں، انھیں بھی دور کرنے کی زحمت گوارہ کریں، ان الجھنوں کا اچھا خاصا علم آپ کو مدیر "دعوت" کے حواشی سے ہو سکتا ہے، اور آپ حکم دیں تو بندہ بھی شرح و بسط کے ساتھ تجلی کے صفحات میں انھیں واضح کر سکتا ہے، لیکن:

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

نفسی گرہوں اور عقدوں کی گتھی بحث و مناظرے سے نہیں سلجھا کرتی، اس لیے سب سے بہتر اور واحد صورت یہ ہے کہ آپ کچھ دیر کے لیے اپنی دنیاوی وجاہت و عظمت اور فضیلت و مرتبت کو ایک طرف رکھ کر ایک خالص بندۂ رب اور غلام حق کی حیثیت سے خلوت میں اپنے مضمون پر غور کریں، اور یوم الحساب کی مسئولیت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ان تیروں کو چنیں جو آپ نے اس مضمون کے ذریعہ انصاف و

للٰہیت اور دیانت وامانت کے سینے میں اتارے ہیں۔

چند اشارات میں بطور توجہ دہانی کرتا ہوں :

(۱) "دستور جماعت اسلامی" ۱۹۴۱ء میں پیش کیا گیا اور سالہاسال تک کسی بھی عالم نے اس کی دفعہ نمبر ۶ کو قابلِ اعتراض نہیں ٹھیرایا، آپ خوب جانتے ہیں کہ اس دفعہ سے عوام کے جس گمراہی میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ آپ حضرات نے بارہا نمایاں کر کے پیش کیا ہے وہ محض ہوائی ہے، عوام تو ان ایٹمی گمراہیوں کا تصور تک نہیں کر سکتے تھے جنھیں چند عالموں نے علم کلام اور پروپیگنڈے کی مدد سے بعد میں ہوا بنا کر کھڑا کیا ہے، تو ترتیب واقعات یوں ہے۔۔۔ اور اسے آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ پہلے بعض علماء کو چند اور ہی وجوہ کے باعث جماعت اسلامی سے بغض پیدا ہوا، اور بعد میں اس کے لٹریچر میں کیڑے ڈالنے شروع کیے گئے، انصاف فرمایئے کہ کیا علمی سطح پر بھی اس مسخرے پن کی گنجائش تھی کہ ایک سیدھی سادی بے ضرر دفع میں انبیاء سابق کی معیاریت کا شوشہ لا کھڑا کیا گیا، مجھے یقین ہے اس مسخرے پن کو آپ نے خود بھی بارہا محسوس کیا ہوگا، اعتراض برائے اعتراض اور فساد فی سبیل اللہ کی اس سے واضح مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

(۲) آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام کی پونے چودہ صدیوں میں کسی ایک بھی مستند عالم نے صحابہ کو "معیار حق" نہیں مانا ہے، اور خود آپ بھی نہیں مانتے، نیز آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے افراد صحابہ کے بارے میں کبھی ذرہ برابر بد عقیدہ نہیں ہوئے بلکہ ان کی تو دعوت ہی شروع دن سے یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اتنی ہی خوبی اور جامعیت کے ساتھ کرنی چاہیے جتنی صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کی، اس کے باوجود آپ کے اس مضمون میں بعض ایسے جملے موجود ہیں جن سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ گویا جماعت اسلامی صحابہ کے متعلق پہلے کسی بد عقیدگی میں مبتلا تھی، اور اب آپ حضرات کے سمجھانے بجھانے سے درست ہو گئی

ہے۔

(۳) آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ جو اعلان ختم اختلاف کے باوجود اب بھی مذکورہ دفعہ کی عبارت بدلنے کا مشورہ دیئے جا رہے ہیں تو یہ محض بات کی پچ اور اپنی برتری قائم رکھنے کے ایک شعوری یا لاشعوری جذبہ و شوق کے سوا کچھ نہیں، در حقیقت اگر اب واقعتہً کچھ لوگوں کو مذکورہ دفعہ کی عبارت میں وہی گمراہیاں نظر آتی ہیں جن کا آپ حضرات نے پروپیگنڈہ کیا ہے تو در حقیقت اسکی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کسی شخص کے انجکشن لگا کر بخار پیدا کر دیا جائے اور اسے اچھے خاصے کھانے بد مزہ معلوم ہونے لگیں، قصور کھانوں کا نہیں، انجکشن سے پیدا شدہ بخار کا ہے، خطا دفعہ کی نہیں ہے آپ کے پروپیگنڈے کی ہے جسے خیر سے تبلیغ کا نام دیا جاتا ہے۔

(۴) آپ نے اس مضمون میں جو یہ لکھا ہے کہ "دستور" کی دفعہ نمبر ۶ کے اس جملے سے کہ ـــــ "رسول خدا کے سوا کسی کو "معیار حق" نہ بنائے" اس جملے سے رسول کے "معیار حق" ہونے کی نفی کرنا اصل نکلتا ہے رسول خدا کو معیار حق ثابت کرنا اصل نہیں نکلتا" تو کیا اس نکتہ سنجی کے نتیجے میں آپ کسی قائل کے اس قول کو درست تسلیم کریں گے کہ لا الٰہ الا اللہ میں غیر اللہ کا انکار اصل نکلتا ہے اللہ وحدہ لاشریک لہ کو الٰہ ثابت کرنا اصل نہیں نکلتا؟ یا ان ھو الا ذکر للعلمین میں قرآن کا غیر ذکر نہ ہونا اصل نکلتا ہے ذکر ہونا اصل نہیں نکلتا؟ یا ان الحکم الا للہ میں غیر اللہ کا حاکم نہ ہونا اصل نکلتا ہے اللہ کا حاکم ہونا اصل نہیں نکلتا؟ یا و ما تشاء ون الا ان یشاء اللہ میں بندوں کا نہ چاہنا اصل نکلتا ہے اللہ کا چاہنا اصل نہیں نکلتا؟ پھر آپ نے یہ فرمایا ہے کہ دفع مذکور یوں ہونی چاہئیے تھی:

"رسول خدا ہی کو حق کا معیار کامل سمجھو!"

کیا یہ بالکل ایسا ہی نہیں ہے جیسے کہنے والا یوں کہے کہ کلمۂ طیبہ میں بجائے لا الٰہ الا اللہ کے "اللہ الٰہ" یا "اللہ ھو الالہ الکامل" ہونا چاہئیے تھا؟ زبانوں کا یہ

قاعدہ تو آپ نے بیان فرمادیا کہ "نکرہ جب نفی کے نیچے آتا ہے تو فائدہ عموم کا دیتا ہے۔" لیکن اس قاعدہ کو نظر انداز فرمادیا کہ "استثنا" جب نفی کے بعد آتا ہے تو فائدہ "حصر" کا دیتا ہے، درسگاہ میں آپ ہی نے ہمیں یہ سبق دیا تھا کہ جب صرف زید ہی کی آمد بیان کرنی مقصود ہو تو یوں کہنا چاہئیے کہ ماجاء نی الا زید (نہیں آیا میرے پاس مگر زید) دستور کی زیر بحث عبارت عربی میں یوں ہی تو ہے کہ ولا یسلم معیار الحق احداً الا اللّٰہ و رسولہ، ٹھیک جس طرح کلمۂ طیبہ میں اللہ ہی کے الہ ہونے پر حصر کیا گیا ہے اسی طرح اس میں خدا اور رسول کے معیار حق ہونے پر حصر کیا گیا ہے، کلمہ طیبہ جس طرح حرف نفی "لا" سے شروع ہونے کے باوجود ایک مثبت پیغام کا حامل ہے اسی طرح زیر بحث دفعہ منفی ہونے کے باوجود حقیقتاً مثبت ہی ہے، اور آپ کے پیش فرمودہ جملے میں جو اثبات ہو رہا ہے وہ اس میں اسی "حصر" کے ساتھ موجود ہے جس کا لحاظ کلمہ طیبہ میں رکھا گیا ہے، میں عرض کرتا ہوں اگر عبارتوں کو روزمرہ کے مستعمل معانی کی بجائے گرامر کی کسوٹیوں پر اسی طرح کسا جائے تو کل ایک شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ قرآن نے وما محمد الا رسول کہہ کر گویا واضح کردیا ہے کہ محمد ﷺ نہ کسی کے بیٹے تھے نہ باپ نہ شوہر نہ بھتیجے، بلکہ صرف اور صرف رسول تھے، کیونکہ رسالت کے علاوہ ہر پوزیشن کی صریح نفی اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں۔

آپ یاد کریں ایسی ہی نکتہ سنجیاں تھیں جن کی روشنی میں بدعتی حضرات نے مولانا اشرف علیؒ پر الزام لگایا تھا کہ وہ رسول اللہ کے علم کو اور جانوروں کے علم کو یکساں کہتے ہیں، (اس کی تشریح کے لیے "حفظ الایمان" آج بھی موجود ہے) یا مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو بدنام کیا تھا کہ انھوں نے تمام اولیاء وانبیاء اور فرشتوں وغیرہ کو چمار کہدیا ہے (اسکی تشریح کے لیے "تقویۃ الایمان" آج بھی موجود ہے) اور اسی طرح دیگر اکابرین دیوبند کی عبارات کو تختہ مشق بنایا تھا۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ "اللہ ہی الہ ہے" کہدینا توحید کے اثبات میں بالکل

کافی تھا، لیکن اس کے باوجود کلمۂ طیبہ "لا" کے ذریعہ اللہ کے ماسوا کی نفی سے شروع کیا گیا کیونکہ حقیقتاً کوئی تعمیر ممکن ہی نہیں ہے جب تک زمین سے پتھر اور تودوں کو نہ ہٹایا جائے، اور پہلے سے موجود شکستہ در وبام کو صاف نہ کیا جائے، رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ بعثت میں دلوں کی زمینوں پر اینٹ پتھر کے بے شمار دیوتا براجمان تھے، لہٰذا پہلے ان کی نفی کی گئی تاکہ توحید کی عمارت تعمیر ہو، اسی طرح آج بھی خدا اور رسول کے سوا کتنے ہی بزرگ، اولیاء، مشائخ، اغراض و مفادات اور افکار و نظریات اکثر مومنین کے قلوب میں "معیار حق" کی مسند دبائے بیٹھے ہیں، لہٰذا جماعت نے دفعہ نمبر ۶ میں ٹھیک کلمۂ طیبہ جیسی نفی کا طرز اختیار کیا، اور اگر میرا ارادہ اس وقت تنقید کا ہوتا تو میں متعدد آیات اور احادیث آپ کو ایسی یاد دلاتا جن میں اثبات کو نفی ہی کے تابع کر کے اثبات مقصود کیا گیا ہے، اور اسی کو ماہرین لسان و ادب نے بہترین طریقہ تسلیم کیا ہے، خیر اگر آپ نئے "شائع شدہ دستور" کو دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ جماعت نے "معیار حق" اور "برسر حق" ہونے کے فرق پر تنبیہ کر دی ہے جو ازالۂ غلط فہمی کے ازالہ کو بالکل کافی ہے، معلوم نہیں آپ نے اس پر کیوں نہ توجہ فرمائی، مشکل یہ ہے کہ وہ شائع کرتے ہیں اور آپ دیکھتے تک نہیں۔

(۵) آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ کی کتاب "مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت" نامی کتاب پر آپ نے شاندار مقدمہ لکھا تھا، اور فدوی نے اپریل ۵۶ء میں اس پر مفصل تنقید کی تھی، ملاحظہ کیجیے اس کتاب میں حضرت مولانا مدنی نے تحریر فرمایا تھا:

"مودودی صاحب عصمت کو انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں مانتے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک کوئی بھی نبی غیر معصوم اور "معیار حق" نہیں کیونکہ جب "عصمت" لوازم ذات سے نہیں تو اس کا جدا ہونا ممکن ہوگا، اور جدا ہونا ممکن ہو تو کسی بھی حکم کے بارے میں یہ فیصلہ نہ کیا جائے گا کہ یہ حالت "معصومیت" کا ہے یا اس وقت کا۔

جب "عصمت" اٹھ گئی۔"

اب ذرا آپ اپنے مضمون کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"رہا بالذات اور بالعرض کا فرق کہ حضرات صحابہ بالذات اور مستقل معیار نہیں، سو اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ مگر اس سے "معیاریت" میں کیا فرق پڑ سکتا ہے؟ کیونکہ انبیاء علیہم السلام بھی تو بالذات معیار حق نہیں ہوتے" **(صفحہ ۲۰ کالم نمبر ۲)**

کوئی بھی آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ مولانا مدنی نے عصمت کے انکار کا الزام قائم کر کے مولانا مودودی پر جو اعتراض کیا تھا اس سے سخت اعتراض آپ پر وارد ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف "عصمت" کے بالذات ہونے کا انکار کیا تھا اور آنجناب انبیاء کی "معیاریت" ہی کے بالذات ہونے کو صاف کیے دے رہے ہیں، پھر یہی نہیں کہ یہ آپ نے ضمناً ارشاد کیا، بلکہ آگے کے مضمون میں آپ برابر اس انکار کو مؤکد کرتے گئے ہیں، اب نہ تو مولانا مدنی کو اس پر اعتراض ہوگا، نہ دیگر اساتذۂ دارالعلوم اس کھلے تضاد کو لائق تنقید سمجھیں گے، کیونکہ اول تو انھیں اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے کہ اعتراض و مخالفت میں حق و ناحق بھی کوئی چیز ہے، دوسرے اگر سروکار ہو بھی تو ان کی پوزیشن۔۔۔ در پس آئینہ طوطی صفت انداشتہ اند۔۔۔ سے زیادہ کچھ نہیں ہے وہ۔۔۔ آنچہ استاد ازل گفت ہمہ میگوئید۔۔۔ کا فرض ہی ادا کرتے رہیں گے۔

ایک بار ٹھنڈے دل سے اس پر غور کر لیجیے کہ "انبیاء کا معصوم" ہونا اور "انبیاء کا معیار حق" ہونا دو مختلف باتیں نہیں ہیں، جب مولیٰنا مدنی، مولانا مودودی کی طرف اس خیال کو منسوب کرتے ہیں کہ انبیاء کی عصمت "بالذات" نہیں تو یہ خیال سرتاپا گمراہی بن جاتا ہے، اور جب آپ کھل کر انبیاء کے "بالذات معیار حق" ہونے کا انکار کرتے ہیں تو یہی خیال "عین حق" بن جاتا ہے، یہ تضاد مبین اور عجوبہ نہیں تو اور کیا ہے؟ وہی بات مولانا مودودی ہلکے انداز میں کہیں تو جرم، اور آپ صریح و واضح الفاظ میں کہیں تو عین صواب، آپ کے پیروان کرام تو شاید اس نکتہ پر توجہ نہ کر سکیں

کہ بہر حال وہ آپ کی تائید کے سوا کوئی حرف زبان سے نہیں نکال سکتے، لیکن آپ خود غور فرمائیں اور اندازہ کریں کہ جب آدمی بات کی پچ پر اتر آتا ہے تو کیسے کیسے گل کھلتے ہیں۔

(۶) صحابہ کی "معیاریت" کے باب میں آپ فنی بحث تو پہلے بھی فرما چکے ہیں، اور اس بار بھی فرمائی ہے، لیکن یہ بحث بعض جگہ بجائے سلجھاوے کے الجھاوا پیدا کر دیتی ہے، مثلاً یہ الفاظ کہ:

"وہ (صحابہ) امت کے حق میں کسوٹی ہیں جو ان پر منطبق ہو جائے وہ مقبول ہے، ورنہ مردود۔"

اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ایک اسلامک اسٹیٹ میں خلیفۃ المومنین اپنے بعد اپنے ایک غیر صالح بیٹے کو خلافت کے لیے نامزد کر سکتا ہے اور ایسا کرنا اسلام کے عین مطابق ہوگا، آخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہی تو تھے، اور انھوں نے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تو کیا یہ طریقۂ نامزدگی ہمیشہ کے لیے مقبول سمجھ لیا جائے؟ آپ کے الفاظ سے تو یہ مقبول ہی بنتا ہے، لیکن پھر ان حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا جنھوں نے اس طریقہ کو باطل اور ناحق ثابت کرتے ہوئے جان دے دی؟

محترما! اپنی پوزیشن اونچی رکھنے کے لیے آپ کیسی ہی باریک منطقی اور مکتبی نکتیں کر ڈالیں مگر "معیاریت" کے باب میں حق اور صواب وہی عقیدہ رہے گا جو جماعت اسلامی اور تمام اسلاف اور خود آپ کا ہے، نکتوں کے چکر سے مذکورہ بالا قسم کے متشابہات تو پیدا ہو سکتے ہیں اصل عقیدہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو سکتا۔

(۷) بارے یہ خوشی تھی کہ "معیاریت" کا جھگڑا آپ نے ختم فرما دیا، مگر آخر میں ایک اور شوشہ آپ نے پیدا فرما دیا ہے یعنی:

"اس سلسلہ میں یہ مرحلہ ابھی باقی رہ جاتا ہے کہ علماء اہل سنت کثرھم اللہ تعالی جیسے صحابہ کے "معیار حق" ہونے کے قائل ہیں ویسے ہی وہ امور دینیہ میں مقررہ حدود

کے اندر صحابہ کے قول و فعل کے حجت شرعی ہونے کے بھی قائل ہیں، یہ معیاریت سے اوپر کا مرتبہ ہے۔۔۔۔"

خدا کے لیے غور کیجیے ان نکتہ سنجیوں کا آخر محل اور فائدہ کیا ہے؟ ایک جھگڑا ختم نہیں ہو پایا کہ دوسرا چالو!۔۔۔ ہم لوگ اب تک یہی سمجھتے تھے کہ "معیاریت" سب سے اونچا درجہ ہے اب آپ ایک اور اس سے اونچا درجہ "حجیت" کا نکال لائے اور اس پر بحث شروع کر دی، ہو سکتا ہے آپ کی دقیقہ رسی علم کلام کی کسی یونیورسٹی میں اونچا مقام پا جائے، لیکن زخموں سے چور، پامال، بے کس، پیاسے، منتشر اور آفت زدہ مسلمان اس کی داد کیا دے سکیں گے، انھیں آپ کی ایسی رہنمائی درکار ہے جو حقیقی اور موجود جراحتوں کے اندمال کا طریقہ بتا سکے، زندگی کے مسائل کا حل کر سکے، ارتداد و گمراہی سے بچا سکے، "معیاریت" و "حجیت" کے باریک مسئلے ان کے کسی دکھ کا علاج نہیں، وہ ٹھوس رہنمائی مانگتے ہیں اور آپ کلامی نکتے عطا فرما رہے ہیں، وہ منوں بوجھ کے نیچے دب کر اپنی عام عقل و فہم بھی کھو چکے ہیں، اور آپ انھیں وہ لطیف رموز سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں جنھیں مکتبی مجاہدوں کے سوا کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا اور سمجھ لے تو کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، وہ وقت دور گیا جب یہ سکے چلتے تھے، اب علم کلام کے عوض حقائق حیات سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت ہے، حقائق وہ تلخ زہریلے اور ہولناک حقائق جنھیں آپ دیکھ کر بھی نہیں دیکھ رہے!

(۸) آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ:

"ظاہر ہے کہ جب ارباب کلام نے اپنی مراد کی خود صراحت کر دی تو اس کے بعد کسی کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ ان کے کلام سے ان کی مراد کے خلاف مطلب لیا جائے، عبارت خواہ اسلوب بیان اور قواعد لسان کی رو سے کتنا ہی خلاف مراد کو نمایاں کرے، مگر مراد وہی قبول کی جائیگی جو صاحب کلام صراحت کیساتھ خود بتادے۔" (صفحہ نمبر ۱۹ کالم نمبر ۲)

تو اگر چہ آپ اب سے پہلے اس اصول کو مولانا مودودی کے معاملہ میں عملاً نہیں مان رہے تھے، اور کتنی ہی مثالیں میں دے سکتا ہوں کہ قائل کی بیان کردہ مراد کو آپ نے باصرار ٹھکرایا اور اپنی نکالی ہوئی مراد کو نقش کالحجر مان کر اعتراضوں کے پلندے لگادیئے، لیکن اس کا حساب اللہ پر چھوڑتے ہوئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ تنہا نہیں، بلکہ "دیوبند" کے تمام ذمہ دار علماء اس اصول پر عملاً کاربند ہوں گے، اور اب تک جس طرح کی رسواکن کتابیں دارالعلوم کے ادارۂ نشرواشاعت سے شائع ہوتی رہی ہیں ان کا سلسلہ یکلخت بند کردیا جائے گا اور مولوی ظفیر الدین اور مولوی عبدالصمد رحمانی کی آخری تازہ شائع شدہ کتابوں کو نذر آتش کردیا جائیگا، کیونکہ یہ دونوں آپ کے مذکورہ اصول کی تردید کا نہایت روشن شاہکار ہیں، اور ان میں اس بات کا ریکارڈ قائم کردیا گیا ہے کہ جب مولوی پستی کی طرف جاتا ہے تو کن غاروں اور گھاٹیوں تک پہنچ جاتا ہے، اگر اب بھی یہ کتابیں بکتی جاتی رہیں تو یا تو آپ کو اپنے اصول کا خود توڑنے والا مانا جائے گا یا مالی پہلو سے آپ کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جس نے قلاقند کے دھوکے میں کپڑا دھونے کا صابن خرید لیا تھا اور پھر انتہائی بدمزہ ہونے کے باوجود یہ کہہ کر سارا کھا گیا کہ خان اپنا پیسہ کھاتا ہے!

(۹) آپ نے ۵۶ء میں "معیاریت" کی ایک لمبی بحث اخبار میں نکالی تھی، اور اس پیش نظر مضمون میں بھی آپ نے اسے ابھارا ہے، اور مزید بحث کو آئندہ کسی فرصت میں سپرد قلم کرنیکا وعدہ کیا ہے، میں آپ سے دین اور علم و دانش کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ خدا کے لیے اس قصہ کو بس کیجیے، انبیاء اور صحابہ کی "معیاریت" جس درجہ اور جس قسم کی ہے اور ہر ایک کا جو مقام ہے اس سے امت مسلمہ پوری طرح واقف ہے، اور یہ قطعاً لاحاصل ہے کہ ذاتی اور صفاتی، بالذات اور بالعرض، مستقل اور غیر مستقل کے لطیف نکات کو عوام کالانعام کے آگے رکھ کر بے بات کی بات کھڑی کی جائے، آپ کی یہ کوشش کہ "معیاریت" کے معاملے میں ختم اختلاف کا اعلان کرنے کے

باوجود دنیا یہ مانے کہ آپ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کی، کبھی آپ سے غلطی نہیں ہوئی، کبھی آپ حق کے اونچے مقام سے نہیں ہٹے، در حقیقت اس لائق ہے کہ آپ خود اپنے نفس کا احتساب کریں اور یہ نہ بھولیں کہ اپنی تمامتر عظمت، علم، عزت اور عبادت وصالحیت کے باوجود آپ ہم ہی جیسے خدا کے ایک بندے ہیں، جسے آخرت میں حساب دینا ہے، اور جسے حق کا ٹھیکیدار نہیں حق کا اطاعت گذار اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

معروضات تلخ ضرور ہیں، اس تلخی کی سزا میں آپ راقم الحروف کو چاہے کتنا ہی گستاخ وبدزبان کہہ لیں، چاہے کتنا ہی لائق مذمت گردانیں لیکن نفس مسئلہ کے بارے میں سنجیدگی وخداترسی سے غور فرمائیں، یہ بڑا ہی کارنامہ ہو گا اگر آپ کے واسطے سے ایک نامحمود اختلاف مائل بہ سکون ہو جائے گا، اس سے جہاں ملت کو فائدہ پہنچے گا، وہیں خود آپ کا ضمیر بھی جراحت واضطراب سے بچ جائے گا، کیونکہ یہ بہر حال آپ اور آپ کا اللہ جانتا ہے کہ مولانا مودودی کے خلاف کوئی مقدمہ یا مضمون آپ نے اندرون قلب کے تقاضے سے نہیں لکھا، یہ الگ بات ہے کہ زیادہ مدت تک ضمیر کو کچلنے اور خاص طرح کے سیاسی مصالح سے وابستہ رہنے کے باعث آپ اب خود بھی کبھی کبھی اپنے ضمیر کی اصلی آواز کو نہ پہچانتے ہوں۔

یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب میں یا کوئی اور نیاز مند آپ سے ختم اختلاف کی استدعا کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ جملہ نظریات وخیالات میں جماعت اسلامی سے متفق ہو جائیں، عملاً اسکا ساتھ دیں اور اجتماعی زندگی میں اپنے اختیار کردہ راستے کو چھوڑ کر اس کے ساتھ لگ جائیں، نہیں ایسی توفی الوقت نہ کسی کو آپ سے توقع ہے، نہ اس کے لیے حالات سازگار ہیں، نہ آسانی سے ایسا ہو سکتا ہے، کہ لادینی نظام اجتماعی سے جو متعدد رشتے آپ حضرات نے مدت سے استوار کر رکھے ہیں وہ اکدم قطع کر لیے جائیں، بلکہ گذارش واستدعا صرف اتنی ہوتی ہے کہ اپنے پسندیدہ

طرز حیات پر قائم رہتے ہوئے آپ صرف اتنا کریں کہ جماعت اسلامی کے خلاف جو ایک لغو، ہلاکت انگیز، افسوسناک اور جارحانہ مہم آپ نے جاری کر رکھی ہے بند کر دیں، نفرت و عصبیت کا پرچار نہ فرمائیں، اور دین کے کام کو خالص لوجہ اللہ کرنے والوں کی راہ میں کانٹے نہ بچھائیں۔

مجھے بتایا گیا تھا کہ آنجناب نے رمضان میں "حیدر آباد" سے ایک مراسلہ دارالعلوم کو بھیجا ہے جس میں اس نیک خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ تخریبی کام بند کر کے خالص تعمیری کاموں پر توجہ دی جائے، اس خبر سے جتنی مسرت حاصل ہوئی وہ بیان سے باہر ہے، بلکہ اس کا اثر یہاں تک ہوا کہ ظفیر الدین صاحب کی جس غلیظ کتاب کی کثافتوں کا تجزیہ کرنے کا میں تجلی میں اعلان کر چکا تھا اسے بھی نظر انداز کر دینے کا خیال دل میں پیدا ہوا، اور تا حال اس پر ایک حرف نہیں لکھا ہے، حالانکہ صدہا ناظرین تجلی نے ابھی سے اس کی فرمائشیں درج کرا دی ہیں، لیکن خدا گواہ ہے کہ آج تک میں نے اس سلسلہ نقد و تنقید کو نفع دنیا کی نظر سے نہیں دیکھا، بلکہ اس ناگوار فریضہ کو اس مجبور شخص کی طرح ادا کرتا رہا جس نے صراط مستقیم کی راہ سے گندگی کے ڈھیر ہٹانے کا ذمہ اپنے اوپر لے لیا ہے، اسی لیے مذکورہ تنقید کو کتابی شکل میں چھاپ کر کاروباری فائدہ اٹھانے کے امکان کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے یہی سوچا کہ اگر آپ حضرات اپنی جارحیت سے دست بردار ہو جائیں تو میں بھی خموشی اختیار کر لوں، اور نامطبوع مباحث میں جھک مارنے کے عوض دیگر ضروری موضوعات کی طرف توجہ دوں، لیکن افسوس کہ اب یہ خبر سننے میں آئی ہے کہ کچھ "اساتذۂ دارالعلوم" نے ایک میٹنگ کی ہے جس میں مرکزی نقطۂ گفتگو یہ رہا ہے کہ اگر ہم لوگ اب چپ ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہار گئے اور ہمارا مسلک دب جائیگا، لہذا جارحانہ کارروائیوں کو زیادہ تیزی سے جاری رکھنا چاہیے، اس مقصد کی تکمیل کے لیے ان حضرات نے ایک گذارش نامہ ترتیب دیا ہے جس پر سب شرکاء مجلس کے دستخط

ہوئے ہیں، اور یہ آپ کے اور حضرت مولانا مدنی کے حضور بامید منظوری وہمت افزائی یا تو پیش کیا جا چکا ہے یا اب پیش کیا جائے گا۔

اگر یہ خبر صحیح ہے تو میں بے چینی سے آپ حضرات کے فیصلے کا منتظر ہوں، کاش آپ کا فیصلہ یہی ہو کہ اب اس جنگ وجدل پر خاک ڈال دی جائے، آپ کا تازہ مضمون "معیار حق" آپ کے اسی ارادۂ نیک کا غماز ہے، اور ویسے بھی آپ جانتے ہیں لغو و نامعقول مخالفتوں سے نہ تو کبھی کوئی فکری تحریک دب سکی ہے، نہ کوئی تعمیری کام انجام پا سکا ہے، اس لیے اس سلسلۂ نا محمود کو ختم ہی ہو جانا چاہیے۔

لیکن اگر یہ فیصلہ نہیں ہوتا اور آپ اپنی تخریبی کارروائیوں کو جاری ہی رکھتے ہیں تو پھر خوب اچھی طرح ذہن نشین فرما لیجیے کہ اگر یہ عاجز زندہ اور باعافیت ہے تو علمی نقد و نظر کا جو سلسلہ اب تک جاری ہے وہ جاری ہی رہے گا، اور اس کے علاوہ آپ کے پے در پے حملوں سے زخمی ہونے والے مظلوم مدافعانہ حملے بھی کریں گے، آپ ہی نے تو ہمیں مدت ہوئی یہ سبق پڑھایا تھا کہ:

اذا یئس الانسان طال لسانه
کصنور مغلوب یسول علی الکلب

(جب انسان مجبور و مایوس ہو جاتا ہے تو اس کی زبان لمبی ہو جاتی ہے اور وہ اسی طرح حملہ آور ہوتا ہے جس طرح ایک مغلوب بلی مجبوراً کتے پر حملہ آور ہوتی ہے)۔

آپ حضرات اگر شہرت و عزت کا ایک بلند مقام رکھتے ہیں اور ہزاروں افراد آپ کے ارادت مند ہیں تو وہ لوگ بھی جن پر آپ حضرات تیروں کا مینھ برساتے رہتے ہیں کچھ کم عزت دار نہیں ہیں اور مقابلتاً بہت زیادہ انسانوں نے ان کی ممتاز حیثیت کو دل کی گہرائیوں سے مانا ہے، وہ اب تک تو صرف دفاع اور جواب کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں، لیکن دائماً ایسا نہیں ہوتا رہے گا، آپ خود بھی صاحب تصانیف ہیں اور آپ کے قریبی بزرگوں کی بھی بہت تصانیف ہیں، میں مجبور ہوں گا کہ ان تصانیف کو بھی بر سر عام زیر بحث لاؤں اور آپ کو احساس دلاؤں کہ شیش محل میں بیٹھ کر پتھراؤ کرنا

بعض حالتوں میں سخت نقصان دہ ہوتا ہے۔

یہ معروضات تو میری آپ سے تھیں، اب چند الفاظ وہ مومنین کرام بھی سن لیں جو آپ حضرات کی خوشنودی اور نفس کی اکساہٹ اور دنیاوی منافع و مصالح کے تحت "رد مودودیت" کے نام پر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں، میں نہیں کہتا، اللہ کہتا ہے:

فاذا جائت الطامة الكبرىٰ يوم يتذكر الانسان ما سعى و برّزت الجحيم لمن يرى فاما من طغى وأثرالحيوة الدنيا فان الجحيم هي الماوى (النزعت)

پھر جب آئے گا وہ بڑا ہنگامہ، جس دن کہ آدمی یاد کرے گا اپنی سابقہ کارگذاریوں کو اور جس دن نکال ظاہر کیا جائے گا دوزخ کو تاکہ جو چاہے اسے دیکھے، تو جس نے شرارت کی ہوگی اور دنیاوی زندگی کو مقدم اور لائق ترجیح سمجھا ہوگا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

اثر الحيوة الدنيا کے الفاظ پر غور کیجیے اور اپنے اعمال و افعال کا جائزہ لیجیے کہ وہ کس حد تک حیات دنیا کے محور پر گردش کر رہے ہیں، اور اس چکر میں نہ رہیے کہ آپ کے بزرگان کرام دامن سے باندھ کر آپ کو جنت میں لیجائیں گے، اللہ کہتا ہے:

يوم لا تملك نفس لنفس شيئا والامر يومئذ لله (انفطار)

جس دن کہ کوئی بھی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا، اور اس دن صرف اللہ جل شانہ کا حکم چلے گا۔

اور کہتا ہے:

فاذا جائت الصاخة يوم يفرالمرء من اخيه وامه وابيه وصاحبته وبنيه ○ لكل امرئ منهم يومئذشان يغنيه ○ (عبس)

پھر جب آئے گی وہ کان پھوڑ دینے والی (قیامت) جس دن آدمی بھاگے اپنے

بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی ساتھ والی اور اپنے بیٹوں سے، ہر شخص کو اس دن ایک ایسا فکر لگا ہو گا کہ وہ کسی اور طرف توجہ کرنے کی بجائے اپنے ہی حال میں محو ہو گا۔

کاش آپ ان اور ان جیسی متعدد آیات پر غور کر کے "یوم الحساب" کی حقیقت کو سمجھیں اور بھیڑ بکریوں کی طرح بے شعوری کے ساتھ کسی کے پیچھے چلنے کے عوض شعور و بصیرت کے ساتھ اپنے اعمال کا جائزہ لیں، اور قرآن و حدیث کے مقابلہ پر ہر قول ہر حکم ہر تعلیم کو ٹھکرا دیں، جماعت اسلامی اسی دین کی خادم اور مبلغ اور متبع ہے جس پر ایمان لانے کا آپ دعویٰ کرتے ہیں، اور اس کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے کے لیے آپ معترضین کے پروپیگنڈے کی بجائے براہ راست اس کا لٹریچر دیکھیں، اس کے بعد جو بھی فیصلہ آپ کے قلب و ذہن کریں اسی پر جم جائیں، آخر یہ موٹی سی بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ کسی فرد یا جماعت سے پوری واقفیت خود اس کے قول و فعل کے مطالعہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، معترضین کی کتابوں سے جماعت کو سمجھنے اور اس کے خلاف رائے قائم کرنے کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی بے خبر شخص اسلام کو یورپ کے مستشرقین کی کتابوں سے سمجھنے، اور ان کے پیدا کردہ لغو اعتراضات کی بناء پر اسلام کے خلاف فیصلہ دے، آپ کو آخر کیا ہو گیا ہے؟ کیوں یہ سیدھی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی؟

آپ کہیں گے کہ صاحب ہم تو اتنے عالم نہیں کہ دینی لطائف کو سمجھیں ہمیں وہ ایسی گمراہیاں کہاں نظر آسکتی ہیں جو ہمارے علماء اپنے علم و بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں اس لیے ہم اپنے علماء پر تکیہ کرنے کے لیے مجبور ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنے متعلق اتنی بے اعتمادی میں گرفتار نہ رہیے، آپ کے علماء کی باتیں چاہے آپ کے لیے کتنی ہی مغلق ہوں لیکن جماعت اسلامی کا لٹریچر بڑی آسان زبان میں ہے، اور اس میں خدا پرستی کی دعوت کو بھاری بھر کم الفاظ و اصطلاحات میں الجھانے کے عوض دو اور دو چار کے انداز میں بیان کیا گیا ہے، پھر یہ تو

کم سے کم آپ دیکھ ہی لیں گے کہ جن عبارتوں کو پڑھتے ہوئے آپ کسی بداعتقادی میں مبتلا نہیں ہوتے، بلکہ ایمان کی تازگی اور اللہ و رسولؐ کی محبت میں اضافہ محسوس کرتے ہیں انھی عبارتوں کو تراش خراش کر علمائے کرام ایسے ایسے معنی پہنا رہے ہیں کہ فرشتے تک حیران ہیں، اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ معترضین عظام کس طرح بعض واہیات عقیدے گھڑ کر انھیں جماعت اسلامی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ جماعت کا لٹریچر ان عقائد سے قطعاً بیگانہ ہے، بلکہ ان کے برعکس وہی عقائد اس میں ہیں جن پر اہل ایمان کا اتفاق ہے، اور یہ بھی آپ دیکھ لیں گے کہ عبدالصمد رحمانی یا ظفیر الدین جیسے لوگ طرز تحریر، اظہار مراد، معقولیت، علمی ثقاہت اور سنجیدگی و امانت سے جماعت اسلامی کے افراد کے مقابلہ میں کتنے عاری اور نابلد ہیں۔ یہ قصیدہ خوانی اور پروپیگنڈہ بازی کا معاملہ نہیں، بلکہ "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے"، والا معاملہ ہے۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

جماعت کی کتابوں میں پہلی ہی نظر میں آپ دیکھیں گے کہ نہ تو ان کی پیشانیوں پر مصنف کے نام کے ساتھ لمبے چوڑے تعریفی الفاظ جوڑ کر پہلے ہی سے قاری کے دل و دماغ پر عقیدت کا دباؤ ڈالنے اور مصنف کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی گئی ہے، نہ ان کے آغاز میں توصیف و ثنا پر مشتمل سفارشی مقدمے اور تعارف نامے ہیں، نہ ان میں شخصیتوں کے بتوں کو خدا بنا کر بٹھایا گیا ہے، بس قرآن و سنت کی بنیاد پر اسوۂ صحابہ کی روشنی اور ائمہ و علماء کی رہنمائی میں دین کی دعوت ہے، اس دین کی جسے عام کرنے کے لیے سرور کونین ﷺ مبعوث ہوئے تھے، اس دین کی جس کے جسم مرمریں کو آج ہم مومنین نے طرح طرح کے باطل نظریات و افکار اور غلط عقائد و اعمال کے ملبے میں دبا رکھا ہے، اس دین کی جو سربلندی و اقتدار کے لیے آیا تھا، مگر مغلوب و سرنگوں ہو کر رہ گیا، اس دین کی جو ماننے والوں کو انتم الاعلون کا

وعدہ دیتا ہوا آیا تھا مگر اس کے ماننے والے آج پست و ذلیل اور خوار و زبوں ہیں، اس دین کی جو مظلوم ہے مجروح ہے متروک ہے۔

اور یہ بھی آپ دیکھیں گے کہ یہ کتابیں محض عقیدت مندی اور تقلید کی بنیاد پر آپ سے کچھ نہیں منوانا چاہتیں، بلکہ عقل اور علم کے دلائل سامنے رکھتی ہیں، انصاف و معقولیت سے اپیل کرتی ہیں، اور حق و ناحق کو الگ الگ کر کے دکھاتی ہیں، آپ اگر پھر بھی انھیں نہ دیکھیں اور دوسروں کی دیکھا دیکھی اندھی مخالفت کیے جائیں تو آپ کی مثال اس شیخ چلی کی سی ہو گی جو جس ڈالی پہ بیٹھا تھا اسی کو کاٹ رہا تھا، آپ اسلام کے مدعی اور غلام ہیں، لیکن جماعت اسلامی کی مخالفت کرتے ہوئے حقیقت میں آپ اسلام ہی کی مخالفت کرتے ہوتے ہیں۔

ایک اور بات بھی آپ سن رکھیں، یہ قطعاً غلط ہے کہ تمام علماء جماعت کے مخالف ہیں، کتنے ہی بلند پایہ علماء اس کی موافقت کرتے رہے ہیں، اور کر رہے ہیں، خصوصاً عراق، شام، انڈونیشیا وغیرہ کے بڑے بڑے علماء نے تو "جماعت کے دستور" کی تصویب کرتے ہوئے اس اعتراض کو بالکل ہی لغو ٹھیرایا ہے جو ہمارے بالغ نظر علمائے ہند کے نزدیک صد فیصد مسلم ہے، ثبوت کے لیے "کیا جماعت اسلامی حق پر ہے" نامی کتاب ملاحظہ فرمائی جائے، اصل میں علمائے ہند کی کثیر تعداد جو مخالف نظر آرہی ہے اس کا باعث یہ ہے کہ اکثر علماء "جمعیۃ العلماء" کے "سلسلۃ الذہب" سے بندھے ہوئے ہیں اور "جمعیۃ العلماء" خواہ اپنی صفات مقدسہ کے لحاظ سے کیسی ہی ارفع و اعلیٰ ہو، لیکن ان الحکم الا للہ اور ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان جیسی آیات کو وہ کم سے کم اجتماعی زندگی کے بعض دائروں میں عملاً آؤٹ آف ڈیٹ یعنی خارج المدت تسلیم کر چکی ہے، بخلاف جماعت اسلامی کے کہ وہ آج تک قرآن کی ہر آیت بلکہ ہر لفظ کو واجب القبول اور زندہ و جاوید مانتی ہے اور گمان کرتی ہے کہ یہ اللہ کی کتاب قیامت تک کو ہر زمانے اور ہر ملک و قوم کے لیے اپنے تمام مندرجات کے ساتھ لازم

القبول ہے، یہ بنیادی اختلاف لازماً دونوں کے راستے جدا کرتا ہے اور اتفاق سے قرآن و سنت چونکہ جماعت اسلامی کے اختیار کردہ راستہ کی تائید کرتے ہیں، اس لیے علمائے جمعیۃ اصل اختلاف کی بجائے "پیدائش حوا" اور "ظہور مہدی" اور "معیاریت صحابہ و انبیاء" اور دیگر لطائف دقیقہ کا طومار اٹھاتے ہیں، تاکہ اصل مسئلہ تو دب جائے اور لاحاصل باتوں میں لوگ سر کھپاتے رہیں، میں نہیں جانتا جماعت اسلامی کی مخالفت جاری رکھنے کے لیے اب کونسی وجہ جواز موجود ہے، حضرت مہتمم صاحب قبلہ نے اپنے تازہ مضمون میں یہ تمنا ظاہر کی ہے کہ خدا کرے جس طرح "معیاریت صحابہ و انبیاء" کا اختلاف ختم ہوا ہے، اسی طرح اور مختلف فیہ مسائل کا اختلاف ختم ہو کر اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا ہو، اگر یہ تمنا محض حسن کلام نہیں ہے بلکہ دل کی گہرائی سے نکلی ہے تو پھر اس کی کامیابی کے لیے عقل و انصاف کی رو سے جو طرز کار ضروری ہے وہی زیر عمل آنا چاہیئے، یہ نہیں کہ تمنا تو "حجاز" پہنچنے کی ہے مگر قدم "ترکستان" کی طرف اٹھ رہے ہیں، محترم بزرگ محبت اور خلوص کا ہاتھ بڑھا کر تو دیکھیں، جماعت آج بھی ان حضرات کی راہنمائی اور سربراہی کو اپنے لیے باعث مسرت سمجھے گی، وہ اس اخوت کے لیے ترس رہی ہے جو انما المومنون اخوۃ کے الفاظ مقدس میں اللہ نے بیان فرمائی تھی، اور جس کا مظاہرہ ایمان کے جملہ مقتضیات و احکامات پر اعتقادی و عملی اتفاق و اشتراک کے بعد ہی ہوا کرتا ہے۔

(عامر عثمانی)

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۵۷ء)

جماعت اسلامی

یہ بات کوئی غیر معمولی نہیں ہے کہ جماعتِ اسلامی سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو امامت سے الگ کر دیا جاتا ہے۔۔۔۔ نیز "جماعت اسلامی" والوں کو بے دین اور کافر کہنا بھی کچھ نئی بات نہیں، جاہل وسفیہ اور بلید الذہن لوگ ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، ابن تیمیہ اور ان کے متبعین ہی کو جب ان کے دور کے نہ صرف جہلا بلکہ کتنے ہی علماء و فضلا کافر و زندیق کہتے مر گئے تو جماعت اسلامی بھی تو آخر فکری حیثیت سے اسی راستے پر جا رہی ہے۔

بہر حال جماعت اسلامی کے باب میں ہماری رائے اب کوئی چھپی ڈھکی چیز نہیں رہی ہے، افراد سے قطع نظر کر کے ہم اس کی دعوت اور پیغام کو ٹھیک وہی شے سمجھتے ہیں جس کا تقاضا قرآن اور سنت ہم سے کرتے ہیں، ہم سے یہ پوچھنا کہ جماعت اسلامی والوں کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور یہ کہ جماعت اسلامی کا ساتھ دینا چاہیے یا نہیں ایسا ہی ہے جیسے آپ یہ پوچھیں کہ قرآن و حدیث کو ہم حق مانیں یا نہیں اور صداقت وانصاف کا ساتھ دیں یا نہیں۔

رہی یہ بات کہ "جماعت اسلامی" کے مقررین نے نہ کسی سے چندہ لیا نہ سفر خرچ اور دیگر علماء جو آپ کے یہاں آتے رہے وہ چندہ اور سفر خرچ وغیرہ وصول کرتے رہے تو یہ بات اس شخص کے لیے ذرا بھی قابل ذکر نہیں ہے جو جماعت اسلامی کے افراد کو قریب سے دیکھتا رہا ہو، ان کو آپ جتنا قریب سے جتنا زیادہ دیکھیں گے اتنا ہی آپ پر منکشف ہوگا کہ یہ لوگ محض آخرت اور دین اور احکام قرآن و سنت ہی کو اصل الاصول قرار دے کر دنیا اور اس کی مزخرفات کو متروک قرار دے چکے ہیں، وہ چندوں اور سفر خرچوں اور لیڈریوں کے چکر میں نہیں پڑتے، بلکہ خدا کے دین کو غالب اور کفر و معصیت کو مغلوب کرنے کا ایک فولادی جذبہ لیے ہوئے اپنا فریضہ ادا

کرتے پھرتے ہیں۔۔۔۔ بے اختیار احسان دانش کا شعر یاد آتا ہے:

جبیں پہ گرد رہِ عشق لب پہ مہر سکوت
دیارِ غیر میں پھرتا ہوں آشنا کے لیے

"مہرِ سکوت" کا مفہوم اس صورت حال کی روشنی میں سمجھئے کہ ان کے مخالفین نے انھیں کیا کچھ نہیں کہا۔۔۔ زندیق، مرتد، دجال' کافر' خارجی' معتزلی وغیرہ وغیرہ، لیکن کوئی نہیں دکھا سکتا کہ "جماعت اسلامی" کے کسی فرد نے کبھی کسی شخص پر ایسا کوئی برا خطاب چسپاں کیا ہو، اور "دیارِ غیر" کا اندازہ اس سے کیجیے کہ "ہندوپاک" میں جہاں دس کروڑ سے اوپر مسلمان بستے ہیں وہاں اسلام اس حد تک اجنبی اور غریب الوطن ہو گیا ہے کہ جو مٹھی بھر افراد اسلام کو غالب و سربلند کرنے کی جدوجہد کے لیے مسلمانوں کو پکارتے ہیں تو وہی گالیوں اور مخالفتوں کے مستحق سمجھے جاتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قدم بہ قدم چلو اور مسجدوں میں رکوع و سجود کے ساتھ اس کارزار حیات میں بھی آؤ جہاں حق، باطل سے کھلی ٹکر لیتا ہے، ان ہی کو اسلام و ایمان کے دعویدار ضال و مضل ٹھیراتے ہیں، کیسے یک چشم اور ظلم پسند ہیں وہ لوگ جو سیرت رسول ﷺ میں صوم و صلوٰۃ اور عبادات معروفہ کو تو دیکھ لیتے ہیں، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ حیاتِ رسالت کے بائیس سالوں میں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں اللہ کے اس سب سے پیارے بندے نے عساکر باطل کو شکست دے کر حق کو غالب و مسلط کرنے کا خیال دل سے نکال دیا ہو، ایک لمحہ ایسا نہیں آیا جس میں اس افضل الخلوقات نے یہ وہم بھی کیا ہو کہ اسلام کو غالب یا مقتدر کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ طاغوتی اقتدار کے زیر سایہ رعایات کی بھیک پر جینا اور محض چند عبادات پر قناعت کر جانا ہی فلاح و نجات کا راستہ ہے۔ (تجلی، دیوبند، اگست، ستمبر ۱۹۵۷ء)

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟

(۱)

ناظرین بھولے نہ ہوں گے کہ ماہنامہ "دارالعلوم" بابت مئی ۷۵ء اور سہ روزہ "دعوت" میں مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کا ایک مضمون "معیارِ حق" شائع ہوا تھا اور خاکسار نے جون ۷۵ء کے "تجلی" میں اس پر کچھ کلام کیا تھا، اس مضمون میں مہتمم صاحب کا انداز نگارش خواہ کچھ رہا ہو، لیکن یہ بہر نوع اس سے ظاہر تھا کہ صحابہ اور انبیاء کی معیاریت کے سلسلہ میں جماعت اسلامی سے ان کا اختلاف ختم ہو گیا ہے، اور دیگر اختلافات کے باب میں بھی ان کی دلی خواہش ہے کہ وہ ختم ہوں اور جدل و افتراق کا ایک بڑا فتنہ فرو ہو جائے، اپنی دلی خواہش کا اظہار موصوف نے اپنے مضمون کے آخر میں بہت صاف لفظوں میں کیا تھا، جس کے بعد ہر صاف دل انسان کو یہی توقع تھی کہ اب نہ تو دارالعلوم سے کوئی کتاب "رد مودودیت" کی شائع ہوگی، نہ ماہنامہ "دارالعلوم" میں اس نوع کی کتابوں کے اشتہارات نکالے جائیں گے، ظاہر ہے کہ زبان کا پاس اور قول کا لحاظ تو ایسی صفات ہیں کہ تیسرے درجہ تک کے لوگوں سے ان کی کچھ نہ کچھ امید کی جاتی ہے، پھر صف اول کے دینی رہنماؤں سے ان کی امید کیوں نہ کی جاتی، کسی کو بھی یہ گمان نہیں تھا کہ "معیار حق" جیسے مضمون کے بعد بھی مہتمم صاحب ہی کی نگرانی میں نکلنے والے رسالے "دارالعلوم" میں مسلسل "رد مودودیت" کی کتابوں کے اشتہارات چھپتے چلے جائیں گے اور حضرت موصوف اتنا بھی نہ سوچیں گے کہ ایک طرف صلح و محبت کی خواہش کا اظہار کرنا اور دوسری طرف مخالفت کی خلیج وسیع کرنیوالے اشتہارات چھاپے جانا، قول و فعل کے تضاد اور ضعف کردار کا ایسا برا نمونہ ہے کہ معمولی فہم رکھنے والے عوام تک اسے ان جیسے ذمہ دار کے

شایانِ شان نہ سمجھیں گے۔

لیکن اشتہارات بند نہیں کیے گئے، متعدد حضرات نے مجھے حیرت سے لکھا کہ "دارالعلوم" میں اب بھی اشتہار شائع ہوے جارہے ہیں، میں نے انھیں جواب دیا ذرا صبر سے کام لیجیے ہو سکتا ہے کہ رسالے کے وہ ٹائیٹل جن پر اشتہار چھپ رہے ہیں، اگلے چند ماہ کے لیے پیشگی چھپوا لیے گئے ہوں اور مجبوراً انھیں استعمال کیا جارہا ہو جب یہ ختم ہو جائیں گے تو ان شاء اللہ اشتہارات بھی بند ہو جائیں گے، یہ تسلی میں نے محض یوں ہی نہیں دیدی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مہتمم صاحب کی صلابت کردار اور عزیمت و حق پرستی سے بہت زیادہ خوش گمان نہ ہونے کے باوجود میں کم سے کم یہ ضرور توقع رکھتا تھا کہ جب وہ جماعت اسلامی کے باب میں اپنی واشگاف جارحیت اور صریح ظلم کو معصومیت کا رنگ دینے کے لیے "معیار حق" جیسے اعلانیے تک آگئے ہیں تو اشتہارات بھی بند کر ہی دیں گے کہ اشتہارات بند نہ کرنے کا تو کھلا مطلب یہ ہے کہ ان کا "اعلانیہ" سخن گستری اور زیب داستاں سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

کچھ اور قرینے بھی تھے جن سے میری اس توقع کی تائید ہورہی تھی، ایک یہ کہ کافی دنوں سے "دارالعلوم" میں مخالفانہ مضامین کا سلسلہ بند تھا، جبکہ اس سے قبل مشکل ہی سے چند مہینے اس سے خالی جاتے ہوں گے، دوسرا یہ کہ "مودودی فنڈ" کے نام سے "ملازمین دارالعلوم" کی تنخواہوں میں سے ایک پیسہ فی روپیہ کا جو طریقہ مدت سے دارالعلوم کے قوانین اہتمام کا جزبن کر رہ گیا تھا ختم کر دیا گیا، تیسرا یہ کہ مولوی ظفیر صاحب جو خاص طور پر "رد مودودیت" ہی کے لیے مدرسہ کے ادارۂ نشر واشاعت میں ملازم رکھے گئے تھے اور جنھوں نے آتے ہی ایک کتاب لکھ ماری تھی، اپنی جگہ سے دوسرے شعبہ میں منتقل کر دیئے گئے، چوتھا یہ کہ مولوی ظفیر صاحب کی نومولود کتاب پر اپریل ۵۷ء کے "تجلی" میں، میں نے جو ارادۂ تنقید ظاہر کیا تھا اس سے خبر دار ہونے پر مولوی ظفیر صاحب نے میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی سے ـــــ جو "دارالعلوم" کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی ہیں ـــــ

مجھ پر زور ڈلوایا کہ ان کی کتاب پر تنقید نہ کروں، چنانچہ جولائی کے اوائل میں جبکہ حضرت مفتی صاحب سخت بیمار تھے اور خاکسار بہر عیادت دہلی ان کی خدمت میں گیا ہوا تھا، انھوں نے باوجود اس کے کہ ضعف جانی سے انھیں کروٹ لینا بھی دشوار تھا اور ڈاکٹروں نے بات کرنے کو منع کر رکھا تھا، مجھے خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ میاں عامر! مولوی ظفیر صاحب نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تم سے کہدوں میری کتاب پر تنقید نہ کریں، میں نے وہ کتاب ملازمت کی مجبوری سے لکھی ہے اور اب تو میں اس جگہ سے ہٹ ہی گیا ہوں، لہذا مزید کچھ لکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ برادر مکرم مفتی صاحب نے من و عن یہی الفاظ کہے تھے، ضعف کے باعث انھیں تسلسل سے بولنا مشکل ہی ہو رہا تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کے کلام میں وہ تسلسل اور دروبست نہ ہو جو نقل کردہ جملوں سے ظاہر ہو رہا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حافظہ کے قصور سے میں نے کسی لفظ کو مقدم و موخر کر دیا ہو لیکن مفہوم و مراد کے اعتبار سے یقیناً میں نے صحیح واقعے کو ہی ظاہر کیا ہے اور اس کی تحقیق جس کا جی چاہے حضرت مفتی صاحب قبلہ سے کر سکتا ہے۔

ان قرائن کی موجودگی میں میرا یہ یقین کر لینا کچھ بے محل نہیں تھا کہ اشتہارات بند کر دیے جائیں گے، اور جب یہ یقین کر لیا تو مولوی ظفیر صاحب کی کتاب پر تنقید کا سوال آپ سے آپ ختم ہو جاتا تھا، حساب آخرت سے بے پروا لوگ میری تنقیدوں کو چاہے اکابر کے کسی سابق اختلاف کا شاخسانہ سمجھیں یا کوئی اور بدتر توجیہ کریں میں بہر حال پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں، اور اب بھی کہتا ہوں کہ یہ سلسلۂ رد و تنقید میرے لیے کوئی دلچسپ مشغلہ نہیں ہے، بلکہ خون کے گھونٹ پی کر اور سخت ناگواری کے ساتھ میں اس لیے اس رنجدہ فرض کو انجام دیتا رہتا ہوں کہ میرے نزدیک سید البشر شفیع محشر ﷺ کی یہ حدیث کہ جب تم مسلمانوں کے دو گروہوں کو لڑتا دیکھو تو صلح صفائی کی کوشش کرو اور صلح نہ ہو سکے تو ظالم کے خلاف مظلوم کا ساتھ دو، صرف حضور ﷺ ہی کے دور مبارک تک محدود نہ تھی بلکہ آج بھی اور

قیامت تک اس کا حکم زندہ ہے اور زندہ رہے گا، میں بھی ایک مسلمان ہوں جس پر قرآن وحدیث کی تعمیل فرض ہے، مجھے بھی اللہ نے ایک ذریعہ "تجلی" کی شکل میں عطا فرمایا ہے کہ اسکے واسطے سے مخلوق خدا تک اپنی آواز پہنچاؤں، اگر میں یہ دیکھتے رہنے کے باوجود کہ بعض لوگ نہایت کمزور اور بے بنیاد دلائل کے ساتھ کچھ دوسرے لوگوں پر اعتراضات اور فتاویٰ کی بوچھاڑ کر کے پریشان ودل گرفتہ امت میں مزید انتشار و تفرقہ پھیلانے کے سامان کر رہے ہیں چپ بیٹھا رہوں، اور حق وانصاف کی مٹی پلید ہونے کے مناظر سامنے پاکر بھی اس لیے زبان بند کیے رکھوں کہ ظالموں کی صف میں میرے بعض اساتذہ اور اعزا موجود ہیں، تو شاید آخرت میں اپنے اس سکوت وجمود کے لیے میرے پاس کوئی بھی ایسا جواب نہ ہوگا جو عذاب سے بچا سکے، لہذا میرے لیے لوگوں کی بدگمانیوں اور ناراضگیوں کو گوارا کر لینا اس کی بہ نسبت آسان ہے کہ حکم رسول کی نافرمانی کر کے اللہ کا عتاب مول لوں۔

بیشک میں "تجلی" میں مولوی ظفیر کی کتاب پر تنقید کا اعلان کر چکا تھا اور اسی وقت سے خطوط کے ذریعہ لوگ مجھ سے تقاضا کر رہے تھے کہ جلدی اس تنقید کو سامنے لاؤں لیکن یہ دیکھ کر کہ علمائے کرام نے اپنا طرز عمل کچھ بدلا ہے اور ظلم کا سلسلہ منقطع ہو جانے کی امید ہے، میں نے مذکورہ کتاب کو ایک طرف ڈالدیا اور انتظار کرنے لگا کہ اشتہارات کا سلسلہ بند ہو تو میں بھی "تجلی" میں اعلان کردوں کہ اب تنقید کی ضرورت باقی نہیں رہی اور مقصدِ تنقید حاصل ہو گیا، حق یہ ہے کہ اگر مولوی ظفیر صاحب سفارش نہ کراتے تب بھی میں اشتہارات بند کیے جانے کی صورت میں تنقید کرنے والا نہ تھا، لیکن اب باوجود سفارش کے مجھے ان کی کتاب پر تنقید کرنی ہوگی، کیونکہ نہ صرف اشتہارات کا سلسلہ برابر جاری ہے بلکہ اگست کے "دارالعلوم" میں ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ظفیر صاحب نے پھر نہایت کھل کر "جماعتِ اسلامی" کے خلاف دل کے بخارات نکالے ہیں۔

افسوس جس مکروہ طرز عمل اور بدکرداری کی توقع اوسط درجہ کے شرفا سے

بھی مشکل سے ہو سکتی ہے، اسی کو آج ان معزز لوگوں میں دیکھا جارہا ہے جو اپنے نام کے ساتھ مولوی اور مولانا لگا کر مقتدا اور رہنما ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، نہ خدا کا خوف نہ دنیا کی شرم، نہ اخلاق و دیانت کے تقاضوں کا پاس، نہ معقولیت و سنجیدگی کا لحاظ، لڑائی دو پڑھے لکھوں میں بھی ہوتی ہے اور دو تانگہ چلانیوالوں میں بھی، دونوں جگہ اظہار غیظ و غضب کے اسلوب جدا ہوتے ہیں، دونوں جگہ انداز کلام اور الفاظ میں اتنا عظیم فرق ہوتا ہے کہ ایک ناواقف آدمی بلا تامل بتا سکتا ہے کہ لڑنے والے کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، عبرت کی جا ہے کہ ظفیر صاحب نے اپنی کتاب مین بھی ایسا ہی طرز تحریر اختیار کیا جو ادنیٰ طبقے کے لوگوں تک کے لیے شاید موزوں نہ ہو اور یہ تازہ گلفشانی بھی انھوں نے ایسی ہی کی ہے کہ سنجیدگی و دیانت سر پیٹ کے رہ گئے ہیں، میں زیادہ تبصرہ کیا کروں ناظرین خود ملاحظہ فرمالیں، عبارت یہ ہے:

> "جماعت اسلامی کی بے اعتدالی پورے "ہندوستان و پاکستان" میں آشکارہ ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ "ہندوپاک" کے سارے وہ علماء جو مسلمانوں میں مقبول ہیں جماعت سے بیزاری کا اعلان کر چکے ہیں، اور عوام و خواص کو بھی اس جماعت سے علیحدگی کا مشورہ دے چکے ہیں، کہ دراصل یہ جماعت چند ایڈیٹروں کی کاوش کا نتیجہ ہے جن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ساڑھے تیرہ سو سال کی تمام تر دینی خدمتوں کو مسلمانوں کی نگاہ میں بے وقعت کر کے رکھدیں، اور پھر اہل کتاب (۱) کی طرح کتاب و سنت کا نام لے کر دین میں تحریف کرتے رہیں، اور اسی منحرف دین کو مسلمانوں میں مقبول بنائیں۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ حق یہ ہے کہ جس قوم میں ایسے بلید الذہن، ہٹ دھرم، کوتاہ بیں، تنگ نظر اور سفیہ لوگ مولوی بن کر قوم کی رہنمائی کا کام انجام دے رہے ہوں، وہ زوال و انحطاط کی جس سطح پر بھی پہنچ جائے کم ہے، دنیا دیکھ رہی ہے کہ "جماعت اسلامی" پر کیے گئے تمام بڑے بڑے اعتراضات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر چکیں، یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ معترضین میں سے کوئی بھی اپنے اقوال و آراء پر کی گئی

---

(۱) گویا یہود و نصاریٰ کی طرح!

تنقیدوں کا ٹوٹا پھوٹا جواب بھی نہ لا سکا، یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ "مہتمم دارالعلوم" نے بہت بڑے اختلافی مسئلہ یعنی "معیاریت صحابہ و انبیاء" کے باب میں کھلے بندوں اعتراف کرلیا کہ ہماری بدگمانیوں اور اعتراضوں کی بنیاد غلط فہمی پر تھی، اور اب کوئی وجہ اختلاف اس موضوع پر باقی نہیں رہ گئی ہے، لیکن ظفیر صاحب ہیں کہ جماعتِ اسلامی کی بے اعتدالیوں کو آشکارا کہہ رہے ہیں، اور یہ احساس کئے بغیر کہ میرے قلم سے کیا ہفوات نکل رہی ہیں بد سے بدتر باتیں لکھے چلے جا رہے ہیں۔

واقعۃً ظفیر صاحب اس لائق تھے ہی نہیں کہ ان کی تحریروں پر کوئی سنجیدہ آدمی توجہ کرتا، ایک ایسا غیر مکلّف شخص جو برسرِ منبریوں کہے کہ دس اور دس پچھتر ہوتے ہیں، اور سورج رات کو بارہ بجے نکلتا ہے، وہ کیونکر سنجیدہ لوگوں کی توجہ کا اہل ہوسکتا ہے، مگر آفت یہ آگئی ہے کہ معاملہ ظفیر صاحب کی ذات کا نہیں بلکہ مہتمم صاحب جیسے ذمہ دار انسان کی ذمہ داریوں کا ہے، کیونکہ یہ سب کچھ انھی کے زیرِ سایہ انھی کے اذن پر لکھا جارہا ہے، اور بدقسمتی سے عامۃ الناس کی بے علمی و بے شعوری کو اندھی اور جامد تقلید نے اس قدر پتھر بنادیا ہے کہ وہ زہر اور قند کے درمیان اکثر و بیشتر تمیز نہیں کرپاتے، اگر انھیں متنبہ نہ کیا جائے تو ظفیر صاحب جیسوں کی پست اور بے حقیقت تحریریں بھی انھیں خاصا گمراہ کرسکتی ہیں، جبکہ ان کا انتساب "دارالعلوم" جیسے معروف ادارے سے ہو۔

اسی لیے میں مجبور ہوا ہوں کہ نقد و نظر کے ناگوار فرائض حتی المقدور پورے کروں، ظفیر صاحب کی کتاب سے پہلے میں چند اشاعتوں میں کچھ ایسے نمونے پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے صریح طور پر یہ واضح ہوجائے کہ ہمارے علمائے کرام کی فتوے بازی اور ہنگامہ آرائی کم سے کم جماعت اسلامی کے معاملہ میں تو ایمان و تقویٰ اور متانت و معقولیت کی حد سے گذر کر افترا، غلط بیانی، تحریف اور کھلے ظلم و طغیان تک پہنچی ہوئی ہے، علماء کے معتقدین میرے اس طرح کے الفاظ پر بہت غضب ناک ہوتے ہیں، اور مجھے گستاخ، بے ادب اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں لیکن میں اپنی کم حیثیتی اور بے بضاعتی

تسلیم کر لینے کے بعد ان کرم فرماؤں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ حقائق اور واقعات غصہ کرنے، جھنجھلانے، ناراض ہونے اور آنکھیں بند کر لینے سے ہوا میں تحلیل نہیں ہو جاتے، میں علماء کی جن کارگزاریوں اور کارناموں کا ذکر کرتا رہتا ہوں یا آگے کروں گا وہ چاہے علماء کی شان سے کیسے ہی بعید ہوں، اور آپ کا کتنا ہی جی چاہے کہ کاش یہ بدنما داغ علماء کے دامن پر نظر نہ آئیں، لیکن جس طرح شتر مرغ کے زمین میں منہ چھپا لینے سے آیا ہوا طوفان کالعدم نہیں ہو جاتا اسی طرح جو حقائق و واقعات تاریخ کے صفحات پر ثبت ہو چکے ہیں وہ کسی طرح معدوم نہیں سمجھے جا سکتے، آپ بے شک مجھے برا بھلا کہیے بلکہ دنیا کا بدترین آدمی مانیے اور علمائے کرام سے اپنی عقیدتوں کو بدستور باقی رکھیے لیکن خدا کے لیے اس کی بھی تحقیق کیجیے کہ جو احوال میں پہلے کہیں کہیں بیان کر چکا ہوں یا آئندہ کروں گا ان میں رتی بھر بھی غلط بیانی شامل ہے، یا واقعی وہ سچے ہیں، اگر میں نے کبھی کسی شخص کے بارے میں ایک لفظ جھوٹ لکھا ہو، یا کسی کی عبارت کو توڑ مروڑ کر لے دے کی ہو، یا کسی کتاب کا حوالہ غلط دیا ہو، یا قرآن و حدیث اور اقوالِ سلف کے بیان میں کمی بیشی کی ہو، تو خدارا خلوق خدا کو اس سے مطلع فرما دیجیے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ فیصلہ کیجیے کہ جو لوگ افترا، بہتان، تحریف اور جعل و تلبیس تک کا ارتکاب جوش مخالفت میں کر ڈالتے ہوں، ان کی باتوں کو آنکھیں بند کر کے قبول کرتے رہنا دانشمندی، ایمانداری اور معقولیت کی آخر کونسی قسم ہے؟

۵۶ء میں تین ماہ تک مسلسل میں نے جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھیے، پھر فروری و مارچ ۵۷ء کے خاص نمبر میں جو مضامین ہیں ان کا مطالعہ کیجیے، پھر اب جو میں واقعات و حقائق آپ کے آگے ہر ماہ رکھتا جاؤں گا انھیں دیکھیے، آج کی صحبت میں صرف دو نمونے ایسے پیش کرتا ہوں جنھیں دیکھ کر آپ شاید آنکھیں ملیں کہ کہیں ہم غلط تو نہیں دیکھ رہے، لیکن مطمئن رہیے آپ دس دفعہ آنکھیں مل کر دیکھیں گے تب بھی یہی نظر آئے گا کہ نمونے اپنی جگہ موجود ہیں، اور زبان حال سے پوچھ رہے ہیں کہ اب کیا کہتے ہو؟

یہ نمونے کسی زمین دوز تہ خانے سے نہیں نکالے گئے، بلکہ انھیں اہل نظر بہت پہلے دیکھ چکے ہیں اور دیکھنے ہی کے بعد یہ حال ہوا ہے کہ جن بزرگوں کے بارے میں بد دیانتی اور فریب کا وہم تک مشکل تھا انھی کی خوش کرداریوں کے چرچے گلی گلی ہونے لگے ہیں۔

نمونہ نمبر ا: ایک فتویٰ جسے کتابی شکل میں "آئینۂ تحریک مودودیت" کے نام سے شائع کیا گیا تھا اور بعد میں جسے ایک ناشر نے اسی نوعیت کی چند اور کتابوں کے ہمراہ شامل کر کے شائع کیا ہے، "دارالعلوم" کے صدر مفتی صاحب اور دیگر پندرہ بیس علماء کے دستخطوں سے مزین ہے، افسوس اس پر مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ کے بھی دستخط نظر آتے ہیں، گویا اس کے تمام مواد اور مشتملات کی ذمہ داری ان میں سے ہر شخص نے خدا اور مخلوقِ خدا کے سامنے اپنے اوپر لی ہے، اس کا صفحہ نمبر ۳۴ کھولیے اور صدر مفتی صاحب کی یہ عبارت پڑھ ڈالیے:

> "بانی تحریک (مولانا مودودی) نے ایک اصول اور بھی ایجاد کیا ہے جو سب سے زیادہ خطرناک ہے جو ذیل میں درج ہے ملاحظہ ہو:
>
> "بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارہ کرلیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ (ترجمان القرآن بابت رمضان و شوال ۱۳۶۴ھ")

مولانا مودودی کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد اللہ کے شیر مندرجہ ذیل گل افشانی فرماتے ہیں:

> "اس قانون کی بنا پر ہر ایمانی اصول وقتی مصلحت پر قربان ہو سکتا ہے، اس اعتبار سے اصول دین کی جو صورت ہونی چاہیئے وہ ظاہر ہے، نئے مجتہد و مجدد کا اجتہاد اور اسکی تجدید دین کا ثمرہ یہی ہے۔" (آئینہ تحریک مودودی)

یہ تو ہوا صدر مفتی دارالعلوم کا قیمتی شہ پارہ، اب دوسری کتاب "فتنہ مودودیت" کا صفحہ نمبر ۲۷ کھولیے، اس کتاب کے مصنف مودودیت شکن، فکر مجاہدین کے خیمہ بردار کوئی صاحب مولوی نذرالدین ہیں، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ واقعی مولوی ہیں یا مودودیت شکنی کے انعام میں یہ اعزازی لقب انھیں عطا کیا گیا ہے، بہر حال یہ لکھتے ہیں۔

"بانی تحریک (مولانا مودودی) نے ایک اصول ایجاد کیا ہے جو نہایت ہی خطرناک ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شیعہ حضرات کے تقیہ سے اخذ کیا گیا ہے۔"

اس کے بعد مولانا مودودی کی وہی عبارت نقل کی گئی ہے جو ابھی آپ نے مفتی صاحب کی کتاب سے پڑھی، یعنی

"بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارہ کرلیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں
(ترجمان القرآن بابت رمضان و شوال ۶۴ھ)"

یہاں تک کی عبارات سے ناظرین تجلی چکر میں ہوں گے کہ ایڈیٹر تجلی کہنا کیا چاہتا ہے، کیا وہ اب یہ ثابت کریگا کہ مولانا مودودی کا ارشاد برحق اور معترضین کا اعتراض غلط ہے، کیا وہ یہ بتائے گا کہ وقتی مصلحتوں کے خاطر ان اصولوں کی قربانی کو ممکن تصور کرنا جن پر ایمان لایا گیا ہے مولانا مودودی کا سخت قابل اعتراض طرز فکر نہیں؟

نہیں میرے دوستو اس طرح کا کوئی ارادہ میں نہیں رکھتا بلکہ معترضین کی طرح میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ اعتراض حق بجانب ہے اور نقل کردہ عبارت نہایت شرمناک ہے، لیکن صرف ذرا سا نکتہ معترضین کرام اور مفتیان عظام کی فن کاری و شعبدہ گری کی داد دینے کے لیے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ان بیچاروں نے کچھ زیادہ جھنجھٹ نہیں پھیلایا، کوئی لمبا چوڑا جرم تحریف نہیں کیا بلکہ صرف "ناممکن" کو

"ممکن" بنا دیا ہے! سمجھے آپ؟ یعنی مولانا مودودی نے "ناممکن" لکھا تھا اور باقی عبارت وہی تھی جو نقل کی گئی، بس ان خدا ترس اور دیانت پیشہ لوگوں نے "نا ممکن" کا سر کاٹ کر جھولی میں چھپا لیا اور "ممکن" آگے رکھ دیا، اب بات بالکل الٹی ہو گئی اور اعتراض کی شاندار عمارت اٹھانے کا موقع مل گیا۔

ہوشمند لوگ تو بات کا مطلب پوری طرح سمجھ گئے ہوں گے، لیکن مشکل یہ ہے کہ جو لوگ علمائے کرام کے فتووں اور کتابوں سے اثر پذیر ہوتے ہیں، ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنھیں علم و فہم کے اعتبار سے بمشکل تیسری اور چوتھی صف کے لوگ کہا جا سکتا ہے، سمجھانا چونکہ زیادہ تر انھی کو مقصود ہے اس لیے پھر انھیں ایک بار سمجھانا چاہتا ہوں۔

دیکھو بھائیو! مولانا مودودی صاحب نے تو یوں لکھا تھا کہ وقتی مصلحتوں کی خاطر دین و ایمان کے اصولوں سے ہٹ جانا ہمارے لیے ناممکن ہے، علمائے کرام نے "ناممکن" کا "نا" چھوڑ کر باقی عبارت نقل کر دی جس کے نتیجہ میں مفہوم بالکل الٹ گیا، گویا مولانا نے تو ٹھیک وہی بات لکھی تھی جو دینداروں کو لکھنی چاہیے، لیکن معترضین نے "ناممکن" کو "ممکن" نقل کر کے چاندماری شروع کر دی۔

تم خیال کرو گے کہ معلوم ہوتا ہے "نا" چھپنے سے رہ گیا ہو گا اور علماء کے اعتراض کے بعد جماعت اسلامی والے یہ صفائی پیش کر رہے ہوں گے کہ "نا" چھپنے سے رہ گیا ہے اور مولانا مودودی نے "ممکن" نہیں "ناممکن" لکھا تھا، واقعی اگر ایسا ہوتا تو معترضین کی پوزیشن کچھ زیادہ خطرے میں نہ تھی، گو کہ للّٰہیت اور شرافت کا تقاضا تو اس صورت میں بھی یہی ہوتا کہ عذر داری کے بعد فتوے اور اعتراض سے رجوع کر لیا جاتا، لیکن چھوڑو للّٰہیت اور شرافت جیسی اونچی چیزوں کو، یہاں تو تم خوب کان کھول کر یہ سن لو کہ ایسا کوئی قصہ نہیں ہوا، یعنی "نا" چھپنے سے نہیں رہا ہے بلکہ خود علمائے کرام نے جس پرچہ کا حوالہ دیا ہے یعنی "ترجمان القرآن" اسی کو اٹھا کر دیکھو صاف "ناممکن"

لکھا ہے اور یہی عبارت مولانا مودودی کی کتاب ”رسائل و مسائل“ حصہ اول میں نقل ہوئی ہے تو وہاں بھی ”ناممکن“ ہی موجود ملے گا۔

اب انصاف کرو ظالم کون ہے مظلوم کون ؟ کیا دین اور دنیا کی کسی بھی عدالت میں اس ستم ظریفی کا فیصلہ اس کے سوا کچھ ہو سکتا ہے کہ معترضین نے ظلم صریح کیا ہے، تم کہو گے علماء نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہوگا بلکہ ”ترجمان القرآن“ کو خود دیکھے بغیر کسی اور کے نقل واقتباس پر بھروسہ کرلیا ہوگا، میں کہتا ہوں کہ اول تو اپنی اس خوش گمانی کے لیے دلیل لاؤ، آخر محض تمھارے حسن ظن سے تو ٹھوس واقعات افسانہ نہیں سمجھے جاسکتے، دوسرے چلو میں تمھاری ہی بات مانے لیتا ہوں لیکن جرم اب بھی ختم نہیں ہوجاتا بلکہ صرف نوعیت جرم بدل جاتی ہے، یہ تو تم بھی مانو گے کہ ذمہ دار بزرگوں کو کسی فرد یا جماعت کے خلاف ہنگامہ برپا کرنے میں کم سے کم معمولی سی تحقیق اور متانت سے تو کام لینا چاہیے ”ترجمان القرآن“ کسی نادر قلمی کتاب کا نام نہیں تھا کہ جس کا صرف ایک نسخہ ”جرمنی“ یا ”ترکی“ کے کتب خانے میں ملتا ہو، وہ ایک ماہوار رسالہ ہے، معترضین پر لازم تھا کہ آسانی سے مہیا ہو جانے والے اس پرچہ کو خود دیکھ کر تصدیق کرتے کہ مولانا مودودی نے کیا لکھا ہے، اس کے علاوہ سوچو تو واضح ہوگا علمائے کرام اگر اپنی قابلیت وفراست کا دسواں حصہ بھی مذکورہ قابل اعتراض عبارت پر صرف کرتے تو بلا ”ترجمان القرآن“ دیکھے ہی وہ سمجھ جاتے کہ عبارت میں ”ممکن“ کا لفظ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ جملہ کے شروع میں جب یہ الفاظ آگئے کہ :

”ایک بااصول جماعت کی حیثیت سے“

تو آگے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ”وقتی مصلحتوں“ کی خاطر اپنے اصولوں کو قربان کر دینا ہمارے لیے ممکن ہے“ —— ظاہر ہے کہ لکھنے والے کو اگر یہی بات لکھنی ہوتی تو وہ ”بااصول جماعت“ کے عوض ”مصلحت کوش“ یا ”ابن الوقت“ یا ”مفاد

پرست" جیسا کوئی لفظ لکھتا، آخر مولانا مودودی جیسے صاحب قلم کے بارے میں کوئی بھی ہوشمند، خواہ وہ ان کا دوست ہو یا دشمن یہ کیسے گمان کر سکتا ہے کہ وہ ایک ہی جملہ میں دو متضاد باتیں لکھ دیں گے، معترضین نے جو فقرے نقل کیے ہیں انکا ملخص تو مختصر لفظوں میں یہ ہوتا ہے کہ:

"ایک بااصول جماعت کی حیثیت سے ہمارے لیے بے اصولی عین ممکن ہے!"

کہو کیا ایسا بے تکا جملہ دیکھ کر دیانتدار اور سنجیدہ علما کو چونک نہیں جانا چاہیے تھا؟ لیکن وہ نہیں چونکے اور اس لیے نہیں چونکے کہ جب کسی کے بارے میں انسان کے قلب وذہن تعصب، عناد اور نفرت سے بھر جاتے ہیں تو اس کی سوجھ بوجھ کم سے کم اس کے معاملہ میں تو مفلوج اور قطعاً یک رخی ہو کر رہ جاتی ہے۔

اندازہ کرو جو کم فہم اور معصوم عوام علمائے کرام پر اعتماد رکھتے ہیں، ایسی بے بنیاد تحریر سے کتنے گمراہ ہوئے ہوں گے، اور ان کی گمراہی کا کتنا وبال خود علماء کی گردن پر پڑا ہوگا، احادیث میں جہاں علمائے کرام کے عظیم فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں وہیں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ان کی سزائیں بھی بہت سخت ہیں، کیونکہ جہاں وہ صحیح تعلیم وتبلیغ سے مخلوق خدا کو اچھی باتوں پر مائل کرتے ہیں وہیں اگر ان سے لغزش اور غلطی ہو جائے تو بے شمار لوگ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں، اور سب کی گمراہی کا تھوڑا حصہ ان کے سر پڑتا ہے۔

تم نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ اہل بدعت ہمارے محترم اکابر اہل سنت والجماعت پر طرح طرح کے واہیات الزامات تراشتے ہیں، اور ان کی عبارتوں کو کاٹ چھانٹ کر من گھڑت معانی پہناتے ہیں، لیکن ایسا چکمہ شاید ان میں سے بھی کسی نے مشکل ہی سے دیا ہو کہ ناممکن کو ممکن بنا دیا ہو۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اور ہاں یہ بھی لطیفہ دیکھتے چلیے کہ "فتنہ مودودیت" کے ہی مصنف صاحب

جنھوں نے علما کے تتبع میں ناممکن کو ممکن لکھ دیا ہے اپنی اسی کتاب کے مقدمہ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ :

"مودودی صاحب کا لٹریچر بندے نے بغور دیکھا اور حسب استطاعت خوب سمجھا۔"

یہ بغور دیکھنے پر حال ہے کہ ناممکن کو ممکن باور کر لیا، اگر خدانخواستہ بغور نہیں سرسری دیکھتے تو ممکن ہے یہ بھی نظر آجاتا کہ مودودی صاحب خدا کے قائل نہیں، اور فرعون کو سب سے بڑا پیغمبر سمجھتے ہیں!۔۔۔۔ میں اپنا ذاتی تجربہ تو یہ عرض کرتا ہوں کہ ایسے بعض لوگ جنھوں نے دوران گفتگو میں بڑے طمطراق سے دعویٰ کیا کہ ہم نے مودودی صاحب کی تقریباً تمام کتابیں پڑھی ہیں، ان کے اس دعوے کی تصدیق کے لیے جب بعض فیصلہ کن سوالات کیے گئے تو اندازہ ہوا کہ انھوں نے غالباً کسی فہرست کتب میں مودودی صاحب کی کتابوں کا اشتہار پڑھ کر یہ طے کر لیا ہے کہ ہم نے سب کتابیں پڑھ لیں ورنہ مودودی صاحب کی مشہور ترین کتابیں بھی انھوں نے حقیقتاً نہیں پڑھی ہیں۔

پھر مانے لیتے ہیں کہ موصوف کا دعویٰ صحیح اور انھوں نے واقعی مودودی صاحب کا لٹریچر خوب دیکھا اور سمجھا ہے، لیکن اس سے دو ہی نتیجے اخذ کیے جا سکتے ہیں، یا تو موصوف کی عقل ضرورت سے زیادہ موٹی ہے، یا عناد و تعصب کی عینک لگا کر انھوں نے لٹریچر دیکھا ہے، تفصیل یوں سمجھیے کہ لٹریچر کی ساری عمارت ہی اس بنیاد پر قائم ہے کہ اسلام کے جن اصولوں پر ایمان لایا گیا ہے وہ کسی صورت پس پشت نہیں ڈالنے چاہئیں، یہی نظریہ پوری قوت و وضاحت کے ساتھ لٹریچر میں جگہ جگہ نمایاں ملے گا، گویا "اقامت دین" کی دعوت ہی اصول پرستی و عزیمت کے ان خطوط پر چلائی جا رہی ہے جو خلیفۂ ثانی عمر ابن الخطابؓ نے اپنے لاثانی اقوال و افعال سے تاریخ میں کھینچے ہیں، یہی وجہ ہے کہ متعصب اعتراض کرنے والوں نے جہاں اور بے تکے اعتراضات جماعت اسلامی پر کیے ہیں وہیں اس کی قابل تعریف اصول پرستی اور عزیمت کو بھی اس

افسوسناک اندازِ تعبیر سے نوازا ہے کہ یہ جماعت متشدد ہے، بے لچک ہے، ہمہ گیر کفر کی ظلمتوں میں خالص اسلام کی سحر طلوع کرنے کے خبط میں مبتلا ہے، وغیرہ۔

جب ایک جماعت کی اصول پرستی اس حد تک معروف ہو، اور اس کا سارا لٹریچر اس سے بھرا پڑا ہو تو جو شخص اس لٹریچر کو خوب پڑھنے اور سمجھنے کا دعویٰ کر رہا ہے، وہ عقل سے کورا نہیں تو اسے لازماً ایک ایسی عبارت کو مولانا مودودی کی طرف منسوب دیکھ کر چونک جانا چاہئے تھا، جس میں اصول پرستی کے بالکل بر عکس بات کہی گئی ہو، چونکنے کے بعد تحقیق کرنی چاہئے تھی کہ حقیقت کیا ہے؟ جب وہ نہیں چونکا اور نہیں تحقیق کی تو یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ عقل سے کورا ہے ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ سخت تعصب اور جانبداری میں گرفتار ہے، تعصب، جانبداری اور خوف آخرت سے بے نیازی آدمی کو کس طرح بے عقل اور اندھا، بہرا بنا دیتی ہے اسے قرآن کی زبان سے سنئے:

لهم قلوب لايفقهون بها ولهم اعين لايبصرون بها ولهم آذان لايسمعون بها، اولئك كالانعام بل هم اضل (الاعراف)

ان کے دل ہیں لیکن ان سے نہیں سمجھتے اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے نہیں دیکھتے اور انکے کان ہیں مگر ان سے نہیں سنتے یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

نمونہ نمبر ۲: لیجیے صدر مفتی دارالعلوم کی اسی کتاب "آئینہ تحریک مودودی" میں جو حضرت مولانا مدنی اور دیگر علمائے دیوبند کے دستخطوں سے مزین ہے، دوسرا شگوفہ ملاحظہ فرمائیے، صفحہ نمبر ۱۶ پر مندرجہ ذیل عبارت یہ لکھ کر نقل کی ہے کہ یہ "حقوق الزوجین" کی عبارت(۱) ہے، "حقوق الزوجین" مولانا مودودی کی مشہور کتاب ہے۔

---

(۱) کتاب کے الفاظ ہیں "حقوق الزوجین کا اقتباس" میں نے اقتباس کی جائے "عبارت" کا لفظ یوں لکھ دیا ہے کہ بے چارے بہت سے عوام "اقتباس" کا مطلب مشکل سے سمجھیں گے۔

نقل کردہ عبارت ملاحظہ ہو:

"فقہا کا قانون نہایت سخت ہے اور وہ اپنی سختیوں کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کو تباہ کرنے والا، ان کو بداخلاقیوں کا پتلا کرنے والا اور ان کو مرتد کرنے والا ہے، اس لیے وہ خدا کا قانون نہیں ہو سکتا۔"

اس عبارت کو نقل کرنے کا مقصد ظاہر ہے کہ مولانا مودودی کو خوب خوب رسوا کیا جائے، چنانچہ مرید بے بیعت مولوی نذر الدین صاحب نے بھی اپنی کتاب "فتنہ مودودیت" میں اس عبارت کو نقل فرمایا اور عنوان رکھا:

"فقہ عورتوں کو بداخلاق اور مرتد بناتا ہے"

اس سے قطع نظر کہ اس طرح کے اشتعال انگیز عنوانات قائم کرنا سنجیدہ اہل علم کا نہیں مطلب پرست اخبار نویسوں کا کام ہے، ذرا آپ حقیقت سنیں کہ کیا ہے اور فتویٰ نویس حضرات دیانت و تقویٰ کے کس کوہ ہمالیہ پر کھڑے ہیں۔

مگر ہاں حقیقت سننے سے پہلے ایک اور بزرگ کا نام نامی بھی سنتے جایئے جو کچھ دنوں انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل رہے ہیں، یعنی مولانا عبدالرشید محمود گنگوہی مدظلہ العالی، آپ پہلے تو جماعت اسلامی سے اختلاف کرنے میں کافی سنجیدہ تھے، اور اسی لیے آپ کے بعض اختلافی مضامین خود "ترجمان القرآن" میں مولانا مودودی نے شائع کیے (حالانکہ کوئی شخص اگر مثلاً ماہنامہ "دارالعلوم" میں اپنا ایسا مضمون شائع کرانا چاہے جس میں متعلقین دارالعلوم سے انتہائی سنجیدہ علمی اختلاف کیا گیا ہو تو سر پیٹ کر مر جائے گا مگر مضمون نہ چھپوا سکے گا) پھر رفتہ رفتہ حضرت موصوف کے اختلاف میں بھی وہی غالی اور جانبدارانہ رنگ آگیا جو یک رخے فکر اور علم و عقل کے زعم کا لازمی نتیجہ ہوا کرتا ہے، بھول جایئے وہ زمانہ جب بیشۂ دین کے شیر فارق حق و باطل عمر ابن الخطابؓ کا یہ آواز فضائے "حجاز" میں گونج رہا تھا کہ اے لوگو! آدمیوں کے نماز و روزوں پر مت جاؤ، بلکہ ان کی سچائی اور عقل کو دیکھو (لاتنظروا الی صلوة امرء ولاصیام

ولکن انظروا الی صدقه وعقله) بھول جایئے وہ دور زر نگار جب راستے میں کمر اور گردن خم کرکے مسکینوں کی طرح چلنے والوں کی پیٹھ پر عمر ابن الخطاب کا کوڑا پڑا کرتا تھا، اور وہ کہا کرتے تھے کہ زہد و تقویٰ اس نمائش انکسار کا نام نہیں بلکہ اچھے کاموں میں مسابقت اور سرگرمی کا نام ہے، بھول جایئے وہ عصر زریں جب مسائل کا فیصلہ اندھی تقلید سے نہیں قرآن و سنت کے دلائل سے ہوا کرتا تھا، اب تو اس کا زمانہ ہے کہ ہمارے بڑے بڑے ذمہ دار علماء بھی دوسروں کی پگڑی اچھالنے اور انھیں رسوا کرنے میں ذاتی تحقیق و تلاش کی پروا نہیں کرتے، چنانچہ مولانا عبدالرشید محمود صاحب نے بھی اپنے خطوط "مکتوبات ثلاثہ" میں بلا ادنیٰ تحقیق اس عبارت کو شامل فرمالیا جسے "حقوق الزوجین" کے اقتباس کے نام سے مفتی "دارالعلوم" نے نقل فرمایا تھا۔

اب ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر کہیئے کہ فتوے کی یہ ساری عمارت، بیسیوں پرہیزگار علماء کے شوقِ فتویٰ نویسی کا یہ سارا محل، محض ہوا، جی ہاں بالکل ہوا پر کھڑا ہے، یقین نہ آئے تو "حقوق الزوجین" اٹھا کر دیکھ ڈالیئے، یہ عبارت کہیں بھی اس میں نہ ملے گی، اور ملے کیسے مولانا مودودی کی ہو تو ملے، اصل میں یہ عبارت مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کے اس مضمون کی ہے جو انھوں نے "حقوق الزوجین" پر تنقید کرتے ہوئے "صدق" میں لکھا تھا، خدا جانتا ہے کہ مفتی "دارالعلوم" نے جان بوجھ کر اسے مولانا مودودی کی بنایا ہے یا ان پر "حقوق الزوجین" اور مولانا مودودی کا نام پڑھتے ہی وہ عالم وجد و جذب طاری ہو گیا تھا جس کی رو میں ابھی کچھ دن ہوئے "دارالعلوم" ہی کے مفتیان کرام نے مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو نعوذباللہ کافر ٹھیرا دیا تھا۔ (دیکھو خاص نمبر تجلی ۵۷ء)

صورت دونوں میں سے بہر حال کوئی ہو، قرآن کی اس آیت کو ضرور یاد دلا دیتی ہے کہ:

ومثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة اجتثت من فوق الارض مالها من قرار (ابراہیم) اور مثال ناپاک بات کی جیسے درخت گندا، اکھاڑ لیا اس کو زمین کے اوپر سے، کچھ نہیں اس کو ٹھیراؤ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عامر کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے اساتذہ واکابر کے خلاف واویلا کیے چلا جاتا ہے؟ میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ انصاف کا تقاضا اور شریعت حقہ کا حکم یہی ہے کہ اسطرح کے عبرت ناک ناٹک دیکھنے والا شخص چند دنیاوی علائق کا لحاظ کر کے چپ بیٹھا رہے؟ یا شریعت یہ کہتی ہے کہ ظلم وطغیان کو رسوا کرنے اور ظالموں کو ترک ظلم کی ترغیب دینے کی جو استطاعت زبان و قلم کی حد تک اس کو اللہ نے عطا فرمائی ہے اس کا حق ادا کر کے کم سے کم آخرت کی جوابدہی کا تو سامان کر لے؟ میں جانتا ہوں آجکل غلط تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں عام طور پر مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے کہ قیامت کے دن صرف نماز روزے جیسے اعمال مشروعہ اور سرقہ و زنا جیسے افعال ممنوعہ ہی کا محاسبہ ہو کر جنت و دوزخ تقسیم ہو جائیں گے، اور باقی جملہ شعبہ ہائے زندگی میں وہ جو کچھ جس انداز میں کرتے رہے ہیں اس کی کچھ باز پرس نہیں ہو گی، اس قطعاً غلط خیال کے باعث بے شک ان کے لیے میرے سوال کا یہ جواب دینا آسان نہیں ہے کہ اس شخص کو دوسری راہ اختیار کرنی چاہیئے، لیکن میں خدا اور اسکی تمام عظمتوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حساب آخرت کے بارے میں یہ عامیانہ تخیل سخت گمراہ کن ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہوش سنبھالنے سے آخری سانس تک کے ہر معاملہ کی جانچ رب اکبر کے حضور ضرور ہو گی، زندگی کے ایک ایک شعبے اور ہر شعبے کے ایک ایک معاملے کے بارے میں اللہ کے قانون نے حدیں کھینچ دیں ہیں کہ یہ حد انصاف کی ہے اور یہ ظلم کی، اعمال ناموں میں یہ سب کچھ بے کم وکاست لکھا جا رہا ہے اور حساب والے دن نکل کر سامنے آجائے گا کہ کس شخص نے کس معاملہ میں کس حد تک انصاف کی حد کو ملحوظ رکھا اور

کس حد تک ظلم کی حد میں داخل ہو گیا، علاوہ ازیں یہ بھی لکھا جائے گا کہ کون شخص ظلم و طغیان کے خلاف اپنی ممکنہ قوتیں صرف کرنے میں کس حد تک سرگرم رہا، اور کون بے حس و بے حمیت بن کر خاموش ہو بیٹھا، کس نے دین کے مفاد پر دنیاوی مصالح کو ترجیح دی، اور کس نے دین کے مفاد پر اپنا کیا کچھ قربان کر دیا۔

میرے دینی بھائیو! یہی عقیدہ حق ہے اور اسی کا تقاضا یہ ہے کہ میں دنیاوی رشتوں سے قطع نظر کر کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائے جاؤں، اعمال و افعال تو ایک طرف رہے قرآنی الفاظ ان بعض الظن اثم (۱) تو بتاتے ہیں کہ قلوب کے بعض غیر مرئی و غیر مجسم گمانوں پر بھی سزا دی جائے گی، تب سوچو تم نے اگر ذاتی تحقیق کے بغیر محض دوسروں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کسی جماعت یا اشخاص کے خلاف دل میں بدگمانیاں اور کدورتیں پال لیں تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اگر تم سچ مچ اس دن سے ڈرو جس دن میزان عدل لگائی جائیگی، اعمال نامے کھل جائیں گے اور مالک الملک ذوالجلال والاکرام انسانوں کے فیصلے کرے گا تو یہ بہت بڑی بات ہے، موت دور نہیں ہے، ہر سانس قبر کو قریب لا رہا ہے، زندگی اڑی جا رہی ہے، جہنم کے شعلے خطاکاروں کا انتظار کر رہے ہیں۔

واتقوا یوما لاتجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها شفاعة ولا یوخذ منها عدل ولا هم ینصرون ۝

اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور ہوگی اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ لوگ (کسی اور طرح مدد حاصل کر سکیں گے۔ (مزید نمونوں کے لیے اگلی اشاعت کا انتظار کیجیے۔)

(تجلی، دیوبند، اکتوبر ۱۹۵۷ء)

آوازدو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟

(۲)

واضح رہے کہ اکتوبر ۵ء کے تجلی میں جو دو نمونے پیش کیے گئے یا آئندہ جو پیش کیے جارہے ہیں، وہ سب کے سب ایسے ہیں کہ جماعت اسلامی عوام وخواص کو ان کی طرف توجہ دلا چکی ہے، اس کے باوجود معترضین نے انھیں سنا ان سنا کردیا اور پشیمان و نادم تو کیا ہوتے اتنا بھی اثر نہ لیا کہ آئندہ اعتراض و مخالفت میں احتیاط، تحقیق، متانت اور انصاف سے کام لیں، ہم قند مکرر کے طور پر انھیں شائع نہیں کررہے بلکہ دو فائدے ان سے مقصود ہیں، ایک یہ کہ ممکن ہے پہلی توجہ دہانیوں کو نظر انداز کرجانے کے باوجود تازہ یاد دہانی کسی التفات کے قابل سمجھی جاسکے اور معترضین محسوس فرماسکیں کہ جماعت اسلامی کو ذلیل ورسوا کرنے کے شوق فراواں میں وہ خود اپنے آپ کو رسوا کیے لے رہے ہیں اور ان کا حال اس شخص کا سا ہے جو پرائے شگون میں اپنی ناک کاٹ لیتا ہے، دوسرے یہ کہ جن عوام کو ابھی تک ان عبرتناک نمونوں سے آگاہی نہیں ہوسکی ہے انھیں آگاہی ہوجائے اور معترضین کے مضامین اور کتابیں پڑھتے ہوئے وہ خیال رکھیں کہ آیات واحادیث کی آڑ لیکر انھیں فریب دیا جارہا ہے اور ان کی کم علمی سے ناجائز فائدہ اٹھانیکی سعی ہورہی ہے اور انھیں سونے کے نام سے ملمع کیا ہوا رانگ عطا فرمایا جارہا ہے۔

نمونہ نمبر ۳ : ہر شخص کو معلوم ہے کہ بریلوی اور دیوبندی اور قادیانی وغیرہم کسی بھی اسٹیج پر متفق الخیال اور متحد نہیں ہیں، ان میں سخت اختلافات ہیں اور یہ اختلافات آئے دن تحریر و تقریر کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں لیکن جماعت اسلامی کے خلاف جو اسٹیج بنا ہوا ہے اس پر آپ ان سب کو یک جان دو قالب دیکھیں گے

دوست اور رفیق محسوس کریں گے۔

غور کیجیے کیوں ؟۔۔۔۔ صرف اس لیے کہ جماعت اسلامی جس راستے پر چلنے کی دعوت دیتی ہے وہ ایسا خاردار اور دشوار گزار راستہ ہے کہ آج کی عشرت پسند، تن آسان اور مفادات دنیوی کی پرستش کرنے والی دنیا میں اس پر چلنے کے لیے کوئی بھی گروہ تیار نہیں ہے، یہ راستہ وہ ہے جس پر اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کچھ لوگ چلے تھے اور اس چلنے کی پاداش میں انھیں سخت مصائب اور امتحانات اور شدائد سے گزرنا پڑا تھا، پھر جس پر امت کے متعدد مصلحین اور داعیان حق چلے اور جراحتوں پر صبر کرتے تکلیفوں پر مسکراتے اور آواز حق اٹھاتے اپنے رب سے جا ملے، یہ راستہ وہ ہے جس میں کام ودہن کی لذتیں اور نفس کی آسودگیاں نہیں بلکہ ایک بلند مقصد کو پانے کے لیے ترک ماسوا کا پیغام ہے، مسلسل کشمکش ہے، تھکا دینے والی تگ ودو ہے، بستر راحت سے محرومی ہے اور وہ سب کچھ ہے جو سرور انس وجن رسول اللہ ﷺ کے لیے ”مکہ وطائف“ کی وادیوں اور ”احد وخندق“ کے معرکوں میں مقسوم ہو چکا تھا، اس راستہ پر چلنے والوں کو عطر بیز گلزاروں اور فردوس نظر وادیوں سے نہیں، دلدلوں، کوہستانوں اور خارزاروں سے گزرنا پڑتا ہے، چوٹیں کھانی پڑتی ہیں، مفادات عاجلہ اور لذائذ حاضرہ کی قربانی دینی ہوتی ہے۔

اگر دوسرے گروہ اس راستہ کی دعوت کو پھلنے پھولنے کی آزادی دیدیں اور امت مسلمہ عام طور پر یہ سمجھنے لگ جائے کہ یہی راستہ صحیح ہے اور باقی راستے گمراہ کن ہیں تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان تمام دوسرے راستوں کی رونق ماند پڑ جائے گی جنھیں دوسرے گروہوں نے اپنا رکھا ہے، کیونکہ ان راستوں پر جو لوگ ازراہ غلط فہمی چل رہے ہیں ان میں سے بہت سے ٹوٹ کر راہ حق پر آجائیں گے، اور اس طرح دوسرے گروہوں کے وہ تمام مفادات متاثر ہوں گے، جن کا تعلق جاہ واقتدار اور رزق ومعاش وغیرہ سے ہے، یہ محض امکانی خطرہ نہیں ہے بلکہ رنگ وبو کی حقیقی دنیا میں واقع

ہو چکا ہے، اور اسی وقوع کے نتیجے میں ان باہم مختلف گروہوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا ہے کہ ہمیں آپس میں چاہے کتنا ہی اختلاف ہو لیکن جماعت اسلامی کو کچلنے اور اس کی دعوت کو پسپا کرنے میں یک زبان و یک رنگ ہو جانا چاہیے، ورنہ اس جماعت کی دعوت تو ہم سب ہی کے عیش و راحت کو کرکلا کر دیگی ہماری شکارگاہیں سونی ہو جائیں گی۔

ذرا بریلوی گروہ کی مخالفت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرماتے چلیں "رضوان" ایک ماہنامہ لاہور سے نکلتا ہے، اس کے مدیر جناب سید محمود احمد رضوی کس انداز کے بریلوی ہیں، پہلے اسے بھی دیکھ لیجیے، "رضوان" بابت ماہ جون ۷۵ء کے اداریہ میں صفحہ نمبر ۵ پر وہ لکھتے ہیں:

> "ہم بریلوی ـــــ مثلاً حضور اکرم ﷺ کے لیے علم ماکان و مایکون مانتے ہیں یعنی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی تمام ممکنات حاضرہ وغائبہ کا علم عطا فرمایا ابتدائے آفرینش سے دخول جنت و دوزخ تک اس دنیا میں جو کچھ ہوگا اور ہو گیا سب کا علم آپ کو عطا فرمایا، اسی کو لوگ علم غیب کلی سے موسوم کرتے ہیں گویا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے "علم غیب کلی" کے قائل ہیں۔"

اسے جانے دیجیے کہ قرآن، حدیث، عقل، قیاس، مشاہدہ اور تاریخی حقائق سے آنکھیں بند کر کے شرک جلی اور بدعت صریح پر مشتمل ایسا دیومالائی عقیدہ رکھنے والے کسی شخص یا گروہ کی سلامتی ہوش و حواس کے بارے میں اہل علم و عقل کیا رائے قائم کریں گے، اسے بھی جانے دیجیے کہ جس ذہن نے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ دنیا گائے کے سینگ پر قائم ہے یا سورج کو دیوتا ہر شام سمندر میں غسل دیتے ہیں، اس میں اور اس علم غیب والے عقیدے کے موجد ذہن میں سطح اور معیار کے لحاظ سے آخر کیا فرق ہے؟ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ بریلوی حضرات عقائد میں کس درجہ ہم دیوبندیوں سے مختلف ہیں اور اس کے باوجود جماعت اسلامی کی مخالفت میں کس قدر اتحاد و ہم آہنگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

۲۶ جون ۵۵ء کے "نوائے پاکستان" لاہور میں مدیر رضوان جناب سید محمود رضوی کا ایک مضمون چھپا، جسکا عنوان ہے:

"جماعت اسلامی کا لٹریچر خلاف اسلام تصورات پر مشتمل ہے۔"

پہلے تو اس بوالعجبی کی داد دیجیے کہ جو لوگ "علم غیب کلی" جیسے لایعنی اور شرمناک عقیدے کے حامل ہیں، جنھیں یہ بھی شعور نہیں کہ یہ عقیدہ انھیں اہل عقل و ہوش کی نگاہ میں کس قدر اضحوکہ اور تماشا بنا دے گا، جو اضافہ و بدعت کے بغیر کسی سنت رسول کو قبول کرنے کے قائل نہیں، جو اللہ سے زیادہ اولیاء اللہ کی کارسازیوں کے معتقد ہیں، جو خاک کے ڈھیروں پر سر نیاز خم کر کے توحید ربانی اور تعلیم نبوی کا مذاق بناتے ہیں، جو قوالی کی تانوں سے روحانیت کی شراب کشید کر کے اہل سنت والجماعت ہونے کے مدعی ہیں، جو قرآن تک سے اس بناء پر ناراض ہیں کہ اس میں رسول اللہ کو "بشر" کہا گیا ہے اور کلمۂ شہادت تک کو اس لیے نامرغوب سمجھتے ہیں کہ اس میں رسالت سے پہلے محمد ﷺ کی عبدیت ثابت کی گئی ہے، جو ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے اسلاف کو گمراہ اور وہابی اور اس سے بھی بدتر الفاظ سے یاد کرتے ہیں، جو سید اسماعیل شہیدؒ کو فتنہ پرداز اور ان کی موجود تحریروں کو قابل ضبطی قرار دیتے ہیں، یہی لوگ خیر سے جماعت اسلامی کے لٹریچر پر نقد کرنے بیٹھے ہیں، اور خلاف اسلام تصورات کا رونا رونے چلے ہیں، اللہ اکبر، دراز دستی کوتاہ آستینیاں تیں۔

خیر ذرا کارگذاری ملاحظہ فرمایئے، ایک طویل تمہید کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

"مولانا مودودی صاحب اپنے رسالہ "جبر و قدر" میں لکھتے ہیں۔

"ہر چند کہ میرے نزدیک "مسئلہ جبر و قدر" جزو ایمان نہیں ہے اور اس کی حیثیت ایک مسئلہ کی ہے (مسئلہ جبر و قدر صفحہ ۱۳")

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد موصوف نے مسئلہ "قضا و قدر" کی شاندار بحث فرمائی اور مولانا مودودی کو مجرم قرار دیا، اب بیچارے قارئین کے پاس اس کے سوا

کیا چارہ رہ جاتا ہے کہ مولانا مودودی کو گمراہ، خارج از اسلام، بے دین سمجھیں اور پانی پی پی کر کوسیں کیونکہ اتنا انھوں نے بھی سن رکھا ہے کہ ایمان بالقدر ایمان کی شرط لازم ہے۔

لیکن جانتے ہیں آپ پیاز کے ان چھلکوں کے اندر مغز کیا ہے؟

ملاحظہ فرمایئے، ایک معترض نے اپنے خط میں یہی الزام قائم کیا تھا جسکا ذکر ہوا، اس کا جواب مولانا مودودی ترجمان القرآن ۳۶،۳۵ / ۶،۵ میں دیتے ہیں۔۔۔ پڑھیے اور سر دھنیے۔

"آپ نے میری کتاب "مسئلہ جبر و قدر" کے جس فقرے کا حوالہ دیکر مجھ پر یہ الزام لگایا ہے کہ تم "قضاء و قدر" کو جزو ایمان نہیں سمجھتے، وہ فقرہ میری عبارت کا نہیں ہے بلکہ اس شخص کی عبارت کا ہے جس کے سوالات کے جواب میں، میں نے یہ کتاب لکھی ہے، آپ کے اس سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپ نے میری اس کتاب کو خود نہیں پڑھا یا پھر آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ایک شخص اپنی کسی تحریر کے درمیان جس عبارت کو حاشیہ چھوڑ کر واوین کے درمیان نقل کرتا ہے وہ اس کی اپنی عبارت نہیں ہوتی بلکہ دوسرے شخص کی عبارت ہوا کرتی ہے، اگر آپ نے یہ کتاب خود نہیں پڑھی بلکہ کہیں سے سن سنا کر اس فقرے کے حوالے سے مجھ پر ایک الزام چسپاں کر دیا ہے تو آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ یہ حرکت کر کے آپ کیسی سخت بے انصافی کے مرتکب ہوئے ہیں، اور اگر آپ نے اس کتاب کو خود پڑھا ہے اور پھر بھی آپ یہ نہیں سمجھ سکے کہ جس عبارت کا ایک فقرہ آپ نقل کر رہے ہیں، وہ میری عبارت نہیں بلکہ سائل کی عبارت ہے جس کا جواب دینے کے لیے میں نے اسے نقل کیا ہے تو آپ فرمائیں اس قابلیت اور سمجھ بوجھ کے آدمی کو آخر کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اتنے بڑے بڑے مسائل کے متعلق دوسروں کے عقائد کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائے (ترجمان القرآن جلد ۳۶،۳۵ صفحات ۳۵،۳۴)

اس جواب کے بعد اگرچہ ہمارے کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن یہ بات بھی ناظرین کو سن لینی چاہیئے کہ کنذ ہنی یاد جل وفریب کے اس واقعہ پر اور ان دو واقعات پر جن کا بیان ہم نے قسط اول میں کیا متعلقہ حضرات کو متوجہ بھی کیا جا چکا ہے، اور ظاہر ہے کہ مفتی مہدی حسن صاحب ہوں، یا نذرالدین صاحب یا سید محمود رضوی صاحب ان پیش کردہ نمونوں سے جو جرم یقینی اور حتمی طور پر ان کے اعمال نامے میں شامل ہوتا ہے، اس سے انکار کسی طرح ممکن نہیں لیکن شریف خدا شناس اور ایماندار انسانوں کی طرح انھوں نے نہ تو اس پر اظہار ندامت وافسوس کیا نہ پچھتائے نہ آئندہ کو احتیاط وحزم پر مائل ہوئے، اس سے ان حضرات کے اخلاق وکردار اور ظرف وضمیر کا اندازہ کر لیجیے۔

(تجلی، دیوبند، ستمبر ۱۹۵۷ء)

ایک ثقہ عالم

سوال : از عبداللطیف عبدالعزیز ماسٹر۔ "مالی گاؤں"۔

معتزلہ فرقہ کے عقائد کیا ہیں؟ کیا یہ فرقہ گمراہ فرقوں میں سے تھا؟ اس عقیدے کے لوگ کیا اب بھی پائے جاتے ہیں؟

ان سوالات کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ چند روز ہوئے یہاں "مالیگاؤں" میں ایک مدرسے کے جلسۂ تقسیم اسناد کے سلسلے میں "دارالعلوم دیوبند" کے صدر المدرسین مولانا محمد ابراہیم تشریف لائے تھے، انھوں نے اجتماع عام میں مدرسہ کے طلباء کو درس حدیث دیتے ہوئے "معتزلہ فرقے" کا بھی ذکر کیا اور ان کے عقائد کی گمراہی واضح کی، نیز "بخاری" کی حدیث کلمتان خفیفتان علی اللسان کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ "اگر اکابرین دیوبند کسی سے خوف کھاتے یا ڈرتے تو آج "دارالعلوم" اس مقام پر نہیں ہوتا، میں صاف طور سے کہدوں کہ یہ فرقہ (معتزلہ) ابھی مرا نہیں ہے، اس دور میں مودودی کی جماعت بھی "معتزلہ" گروہ میں سے ہے، یہ (جماعت اسلامی والے) اپنے آپکو عقلاء کی جماعت کہتے ہیں مگر دراصل ہیں اکلاء، "عقلاء" اور "اکلاء" کا فرق کچھ طالب علم ہی بہتر طور پر سمجھتے ہوں گے یعنی کھانے والوں کی جماعت" یہ ہیں مولانا کے وہ الفاظ جنھیں مولانا نے ایک جلسۂ عام میں طلبہ کو درس حدیث دیتے ہوئے فرمایا۔

دریافت طلب باتیں یہ ہیں کہ کیا اس قسم کی تشریح اس درس کے لیے ضروری تھی؟ اور کیا "دارالعلوم" کے مدرسین، حدیث کی ایسی ہی بے تکی تشریح کرتے ہیں کہ بلا کسی دلیل اور ثبوت کے کسی کی بھی برائی کردی جائے، اہم تر سوال یہ ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو "معتزلی" کہا جاسکتا ہے؟ کیا "جماعت

اسلامی" والے واقعی اسی قسم کے عقائد رکھتے ہیں؟ تمام باتیں آپ کے سامنے ہیں امید کہ جواب دیں گے۔

جواب:

"جماعت اسلامی" اور مولانا مودودی پر اگر "اعتزال" کا الزام سنجیدگی کے ساتھ علم و تحقیق کی روشنی میں لگایا جاتا، تب تو ہم یہ دردسری گوارا کرتے کہ پہلے "معتزلہ" کے باطل عقائد سپرد قلم کرتے پھر بتاتے کہ "جماعت اسلامی" اور مولانا مودودی کے عقائد وخیالات کیا ہیں؟ لیکن آپ کا بیان کردہ واقعہ اگر صحیح ہے اور واقعی مولانا ابراہیم صاحب مدظلہ نے یہی گل افشانی کی ہے تو یہ اس لائق نہیں کہ اس پر سنجیدگی سے توجہ کی جائے، پھر "عقلاء" اور "اکلاء" کا جو لطیفہ بیان ہوا ہے اس نے تو مولانا موصوف کی گل افشانی کو انتہائی عامیانہ بلکہ بازاری سطح پر پہنچا دیا، ایسے لطیفے فٹ پاتھ کے دوا فروشوں اور میخانے کے مغبچوں کی زبان سے تو مزا دے سکتے ہیں، لیکن ایک اونچے درجہ کے عالم کی زبان سے ان کا صدور شرفاء کے لیے سر پیٹ لینے کے قابل ہے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ ہمارے بھی "صحیح مسلم" کے استاد ہیں اور ان کے علمی تبحر پر ہمیں ہمیشہ یقین رہا ہے، خدا کے لیے کہہ دیجیے کہ جو کچھ ہم نے ان کی طرف منسوب کیا وہ مذاق ہے، اور ان کے دہن مبارک سے ایسی کچی باتیں ہرگز نہیں نکلی ہیں۔

لیکن اگر آپ ایسا نہیں کہتے اور اصرار ہی کرتے ہیں کہ بیان کردہ واقعہ تمام و کمال درست ہے تو ہم اس سے زیادہ کیا کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے استاد محترم کو معاف فرمائے، اور طنز و مزاح کا کچھ اونچا مذاق عطا کرے، یہ اور بھی ستم در ستم ہے کہ اس طرح کی خوش گپیاں درس حدیث میں کی جائیں، "جماعت اسلامی" والے خوش قسمت ہیں کہ عوام کا انعام ہی نہیں بلکہ بہت سے خواص اور علماء و صلحاء اپنی نیکیوں کا

بہت سا حصہ غائبانہ ہی انکی جھولی میں ڈالتے رہتے ہیں، اسلامی تعلیمات نے بتایا ہے کہ جو شخص کسی پر غلط اور ناروا الزام لگائے گا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ مظلوم ملزم کو اجروثواب عطا فرمائیں گے اور اسی نسبت سے الزام لگانے والے کی نیکیوں میں کٹوتی ہو جائے گی۔

مانناچاہیے کہ خالی علم ودانش ہی آدمی کو اونچے درجہ کا مومن نہیں بناتے، اصل چیز ہے قلب کی کیفیت ایمان، تقوٰی اور صفائے باطن، جو شخص صحیح معنی میں اللہ سے ڈرتا ہو اور اسلام اس کے رگ و پے میں رچ بس گیا ہو، وہ کبھی بھولے سے بھی کسی شخص یا جماعت پر بے سروپا الزام نہیں لگا سکتا، تفنن طبع کے طور پر کسی کو رسوا نہیں کر سکتا، وقتی واہ واہ کی خاطر یاوہ گوئی کی سطح پر نہیں اتر سکتا۔

اعتزال و خارجیت کی علمی بحثوں کو چھوڑیے کہ ذکر کردہ اتہام علمی انداز کا ہے ہی نہیں، ذرا ''عقلاء'' اور ''اکلاء'' والے لطیفے پر غور فرمائیے، سب جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی نے اپنے آغاز کے پہلے دن سے آج تک نہ کوئی چندہ سسٹم جاری کیا، نہ جماعتی فنڈ کے لیے خیرات کی اپیلیں کیں، نہ ممبری فیس جمع کیں، فعال جماعتوں میں شاید بلکہ یقیناً یہی واحد جماعت ہے جس نے مانگنے کھانے کے ہر راست اور بالواسطہ طریقے سے از اول تا آخر کلیتاً پرہیز کیا، اس کا بڑے سے بڑا دشمن بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ پیسہ جمع کرنے کے جو نوع بہ نوع طریقے جماعتوں اور اداروں میں رواج پائے ہوئے ہیں، ان میں سے کوئی سا بھی کبھی اس نے اختیار کیا ہو۔

اس کے برخلاف دوسری جماعتوں اور اداروں کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، استاد محترم مولینا محمد ابراہیم صاحب ''دارالعلوم دیوبند'' سے منسلک ہیں، یہ مدرسہ سب جانتے ہیں کہ قوم کے صدقات وخیرات پر چلتا ہے۔

ہم ''دارالعلوم'' پر طعن نہیں کر رہے، مدرسے خیرات وصدقات پر ہی چلا کرتے ہیں اور یہ کوئی بری بات نہیں، لیکن بری بات یہ ہے کہ صدقات و خیرات ہی

کے مال سے تنخواہ پانے والا کوئی فرد اس جماعت اسلامی پر ”اکل وشرب“ کی پھبتی کسے جس کی پوری تاریخ کا دامن چندے بازی اور سوال وطلب کے ایک بھی داغ سے آلودہ نہیں۔

ہم ایک بار پھر اپنی اس دلی خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ خدا کرے سائل کا بیان کردہ واقعہ غلط ہو اور ہمارے استادِ محترم نے درس حدیث کے دامن مقدس کو یاوہ گوئی اور نعرہ ہائے مستانہ کی آلودگیوں سے ملوث نہ کیا ہو، ایسی صورت میں ہم اپنے پورے تبصرے پر بارگاہِ ایزدی میں مغفرت چاہیں گے، لیکن اگر واقعہ صحیح ہے تو پھر ہمیں اپنی سخت کلامی پر کوئی شرمندگی نہیں، ظالم کو ظالم کہنے سے ہم کبھی باز نہیں آسکتے چاہے وہ ہمارا ممدوح اور امام واستاد ہی کیوں نہ ہو۔ (تجلی دیوبند اپریل ۱۹۶۰ء)

جماعت اسلامی اور عامر عثمانی

سوال : از مولانا ضیاء النبی عباسی فاضل دیوبند، "مدراس"

کرم فرمائے بندہ مولانا عامر عثمانی زادلطفہ

پس از سلام مسنون، کل ہند اجتماع "دہلی" کے موقع پر خیال تھا کہ آپ سے کچھ بالمشافہہ گفتگو کر سکوں لیکن بجز چند منٹوں کی سرسری ملاقات کے اور کوئی بات نہ ہو سکی، جہاں تک کاغذی گفتگو کا تعلق ہے آپ جانتے ہیں کہ پورے شرح صدر کے ساتھ ممکن نہیں، نہ مجھ کو وہ سلیقہ ہی ہے کہ اپنے پورے مافی الضمیر کو سمیٹ کر آپ کے سامنے رکھ سکوں، تاہم جیسے بھی بن پڑے گا کچھ نہ کچھ ضرور آپ کے سامنے پیش کر سکوں گا۔

یہ بات تو بالکل بداہت کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ "جماعت اسلامی" کی دعوت اور اس کا مقصد آپ ہی کے گوشۂ دل کی آواز ہے، جس کا اظہار آپ خود بھی بارہا اپنی تحریروں میں کر چکے ہیں، میں خود ایک مدت سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے دل و دماغ کی ساری صلاحیتیں اسی نیک مقصد کی راہ میں صرف ہو رہی ہیں، حتی کہ بعض اوقات آپ اس دینی دعوت حق کی حمایت میں اپنے محترم اساتذۂ کرام کی ناراضگی اور ان کی دل شکنی تک کا خیال نہیں کرتے، اور ان پر کڑی سے کڑی تنقیدیں کر جاتے ہیں جس سے ان بزرگوں کے جذبات تک مجروح ہو جاتے ہیں اور ضمناً "دارالعلوم" کی پوزیشن بھی زد میں آجاتی ہے، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ "دارالعلوم" سے آپ کا تعلق ایک عام فاضل دیوبند جیسا ہے، بلکہ جہاں تک میرا علم ہے میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کے بزرگوں نے ہی اس شجر طیبہ کو اپنے خون جگر سے سینچ سینچ کر سرسبز و شاداب کیا تھا، اور اس سدابہار چمن کو ہرا بھرا رکھنے کے لیے اپنے آخری سانس تک ساعی و کوشاں رہے، آپ کے تائے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی

عزیز الرحمٰن اور آپ کے چچا حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے کون ناواقف ہے؟ انھی بزرگوں کے اخلاص و تقویٰ نے ”دارالعلوم“ کو ”دارالعلوم“ بنایا، اور اس دور میں جو بھی اس چشمہ فیض سے سیراب ہو کر نکلا، وہ آسمانِ علم وہدایت کا ایک روشن اور چمکتا ہوا ستارہ نکلا، زہد و تقویٰ، اخلاص وللّٰہیت کا مجسمہ ہو کر نکلا، ایمان واحسان کی کسوٹی پر یہ کسا ہوا اصلی سونا ہر طرف ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور دنیا نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔

آپ کا تعلق ”دارالعلوم“ سے اس نقطۂ نظر سے جتنا گہرا ہو سکتا ہے ہم جیسوں کو کہاں نصیب! لیکن اس کے باوجود ”دارالعلوم“ کی طرف سے جہاں کہیں کوئی کتابچہ یا جماعت اسلامی کی دعوت کے خلاف کوئی فتویٰ وغیرہ نکلا تو آپ نے پورے طور پر اس کا رد ”تجلّی“ کے ذریعے شائع کر دیا، جس کے لیے ”تجلّی“ کے گذشتہ فائل خود گواہ ہیں، لیکن ان باتوں کے باوجود آج تک میں سمجھنے سے قاصر رہا ہوں، اور بھی میرے جیسے نہ جانے کتنے لوگ ہوں گے جو یہ سمجھنا چاہتے ہوں گے، کہ آخر آپ نظم جماعت سے علیحدہ کیوں ہیں، اور انفرادی حیثیت سے وہی جماعتی کام کر رہے ہیں، اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض اوقات آپ کا تنہا کام پوری جماعت کی کوششوں سے مضاعف نظر آتا ہے، مثلاً گذشتہ دنوں حضرات علماء کی یلغار اپنی پوری قوت و شدت سے جاری تھی، جوابات دیے جا رہے تھے، لیکن پھر بھی فتاویٰ پر فتاویٰ نکلتے ہی آرہے تھے، اسی دوران میں آپ کا خاص نمبر شائع ہوا، بلا مبالغہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ”تجلّی“ کے ”خاص نمبر“ نے وہی کام کیا جو ”عصائے موسیٰ“ نے ”ساحرانِ مصر“ کے ساتھ کیا، بات تو ذرا سخت ہو گئی، لیکن اسکے بعد سے تو پھر حضرات علماء نے کھل کر کوئی بات نہ کی اور نہ آئندہ ان شاء اللہ بے بنیاد الزامات کی جرأت کر سکتے ہیں، اس لیے دریافت طلب یہ امر ہے کہ آپ جیسے صاحب بصیرت عالم دین سے یہ بات کسی طرح پوشیدہ نہیں ہے کہ انفرادی زندگی کی اسلام میں کیا پوزیشن ہے؟ اور مسلمان ہونے کے بعد ایک مسلمان کے لیے اجتماعی زندگی گذارنا کس قدر ضروری ہو جاتا ہے،

خدانخواستہ اس تحریر سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ "جماعت اسلامی" کا دائرہ کار ہی اہل حق کا دائرہ ہے، اس کے باہر حق نہیں ہے، اس بات کو اکابر جماعت بارہا اپنی تقریروں اور تحریروں میں واضح کرچکے ہیں، کہ انبیاء علیہم السلام کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے اس میں تو لازماً حق کا انحصار اس کے ہی دائرہ میں ہوتا ہے، اور اس کے باہر کفر ہی کفر ہے، لیکن غیر نبی کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے ہو سکتا ہے کہ بیک وقت اہل حق کی کئی جماعتیں ہوں، میرا مقصد یہ ہے کہ اگر موجودہ "جماعت اسلامی ہند" آپ کے نزدیک خواہ کسی وجہ سے بھی اس لائق نہیں ہے کہ آپ اس کے ساتھ مل کر کام کریں یا اس کے موجودہ دستور کی نوعیت صحیح نہیں ہے تو پھر آپ کسی اور جماعت سے تعاون واشتراک کے ساتھ کام کرسکتے ہیں، یا پھر اگر آپ کے معیار کے مطابق کوئی جماعت اس لائق نہیں ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کیا جائے تو پھر ایک نئی جماعت کی تشکیل کیوں نہیں کرتے؟ اور اس کے قیام سے کیا چیز مانع ہے؟ آپ جیسے علماء کا اس طرح انفرادی طور پر دینی خدمت کرنا سخت تعجب انگیز بات ہے، براہ کرم آپ اس الجھن کو دور فرمائیے۔

جواب:

مجھ ناچیز کا ذکر آپ نے جس توصیفی انداز میں کیا، اور میری حقیر خدمات کو جس فراخ دلی سے سراہا ہے، وہ آپ کی فیاضی وذرہ نوازی کے علاوہ کچھ نہیں، من آنم کہ من دانم، اللہ جل شانہ جب چاہتا ہے تو بھگے بھی بہت کچھ کر گذرتے ہیں۔۔۔۔ مگر پھر بھی وہ شیر نہیں بن جاتے، بھگے ہی رہتے ہیں، میں اپنے اساتذہ واکابر کے مقابلہ میں جتنا کمتر اور بے حیثیت پہلے تھا اتنا ہی آج بھی ہوں، "تجلی" کے مقابلہ میں ہار دراصل علمائے کرام اور شیوخ دیوبند کو نہیں ہوئی، بلکہ اس شیطان کو ہوئی ہے جو ان کے اندر گھس کر رنگ برنگی بولیاں بول رہا تھا، اس شیطان کا مقابلہ اللہ کی دی ہوئی خصوصی توفیق اور طاقت ہی سے ممکن تھا، اس نے دی، تنکا طوفان کے آگے ڈٹ گیا۔

بہر حال میں جناب کی حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ شرکت جماعت میں متعدد موانع اور مصالح میرے سامنے تھے اور ہیں۔

نمبر ایک یہ کہ جو دفاع میں نے جماعت کی طرف سے کیا ہے اس کا یہ وزن اور یہ اثر کبھی محسوس نہ کیا جاتا اگر پڑھنے والوں کو معلوم ہوتا کہ میں جماعت کا رکن ہوں، قدرتی بات ہے کہ کسی نزاع میں اس شخص کا محاکمہ زیادہ توجہ اور حسن ظن کا مستحق ہوتا ہے جو غیر جانبدار ہو، فریقین میں سے کسی کا ساتھی نہ ہو، اگر میں شامل جماعت ہوتا تو بحث ونزاع میں میری حیثیت فریق ہی کی ہوتی، خود ایک فریق اپنی صفائی میں کیسے بھی دلکش دلائل پیش کرے، لیکن قاری وسامع کا ذہن انھیں اس انداز میں قبول نہیں کرتا جس انداز میں کسی تیسرے شخص کے دلائل قبول کرتا ہے، گویا جماعت سے الگ رہتے ہوئے میرے دفاع کو ایک زائد نفسیاتی وزن حاصل تھا اور اس وزن نے جتنا نمایاں کام کر دکھایا وہ آپ کے سامنے ہے۔

نمبر دو یہ کہ "جماعت اسلامی" پر کیے جانے والے لغو ولا طائل اعتراضات کا استیصال میں نے چاہے کتنی ہی گرم جوشی واستقامت سے کیا ہو، لیکن یہ حقیقت مجھ پر پوشیدہ نہ تھی کہ جماعت ابھی تک جن مراحل میں ہے ان مراحل میں میرا اس میں شریک ہونا خود جماعت کے لیے بھی اور میرے لیے بھی اتنا مفید نہیں ہو سکتا جتنا باہر رہتے ہوئے ہو سکتا ہے، دین وملت کی جو چھوٹی موٹی خدمت میں آزادی کامل کے ساتھ "تجلی" میں کر رہا ہوں وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ میری گردن میں کسی خاص جماعت کا قلادہ نہ پڑے، قلادہ پڑ گیا تو نہ یہ خدمت کسی قابل لحاظ درجہ میں ادا ہو سکے گی، نہ جماعت ہی کو کوئی خاص فائدہ پہنچ سکے گا۔

نمبر تین یہ کہ جماعت میں شریک ہونے کے بعد اطاعت ایک فریضۂ شرعی بن جاتی ہے، اسے میرے حالات کی خامی کہیے یا میرے مزاج کا نقص مجھے کچھ ایسا

اندازہ تھا اور ہے کہ فریضۂ اطاعت سے عہدہ برآ ہونا میرے بس کا نہیں، اگر معاملہ ''خندق'' کھودنے اور بوجھ اٹھانے کا ہو تو اطاعت بہت آسان ہے، لیکن ذہنی و فکری انقیاد کا مسئلہ کافی ٹیڑھا ہوتا ہے، میں اپنے خیالات کو صاف صاف پیش کرنے میں بہت منہ پھٹ ہوں، اور جماعت کا سنجیدہ مزاج ایسی بے قید بے باکی سے بمشکل ہی نباہ کر سکتا ہے۔

یہ تین باتیں مصالح کے انداز کی ہوئیں، اب مانع بھی سن لیجیے، لوگ تحریروں اور سرسری ملاقاتوں سے میرے بارے میں اونچے تصورات قائم کر لیتے ہیں، یہ دراصل ایک طرح کا مغالطہ ہے، اگر مغالطہ نہ ہوتا بلکہ یہ تصورات جوں کے توں درست ہوتے تب تو بے شک کہا جا سکتا کہ ''جماعت اسلامی'' جیسی مثالی جماعت کا رکن بننے کی اہلیت مجھ میں ہے، لیکن میں اقراری مجرم کی حیثیت میں بلا تصنع اعتراف کرتا ہوں کہ کردار و عمل کے پہلو سے واقعۃً یہ اہلیت مجھ میں نہیں ہے، میں ایک دنیا دار آدمی ہوں جسے زہد و تقویٰ کی ہوا بھی نہیں لگی، مجھ میں وہ حسن عمل، وہ ذوق عبودیت' وہ رکھ رکھاؤ، وہ رنگ و بو مفقود ہے جو ''جماعت اسلامی'' جیسی معیاری جماعت کے رکن میں ضرور ہونا چاہیے، میں جماعت سے الگ ہوں تو میرے عیوب میرے عیوب ہیں، جماعت کے دامن پر ان کے چھینٹے نہیں جاتے، لیکن شامل ہو جاؤں تو میری ہر خامی، ہر عیب، ہر بے توفیقی کا ادبار جماعت کے سر جائے گا اور میرے دامن کے دھبے دامن جماعت کے دھبے کہلائیں گے۔

یہ بے کم و کاست حقیقت تھی، ویسے جماعت کے اس نظریاتی موقف سے مجھے تھوڑا سا اختلاف بھی ہے، جو اس نے غیر دینی حکومتوں سے اشتراک عمل اور ان کی ملازمت وغیرہ کے بارے میں اپنا رکھا ہے، میری رائے میں --- بشرطیکہ میری رائے، رائے کہلانے کی مستحق ہو --- یہ تخیل شدت پر مبنی ہے کہ حکومت الٰہیہ کے سوا تمام قسم کی حکومتیں طاغوت کے زمرے میں شامل ہیں، اور ان کی ملازمت

طاغوت کی چاکری کہلانے کی مستحق ہے، میرے چھوٹے سے دماغ میں یہ بات آج تک نہیں سما سکی ہے کہ بھارت جیسے ملک میں خدا پرستی کی کاغذی دعوت اور غلبہ اسلام کی کتابی تحریک کس طرح اس قلعۂ کفر و طغیان کے چند ستون گرا سکتی ہے جس کی سنگین دیواریں لفظ و بیان اور دلیل و برہان کی زبان سننا نہیں جانتیں، کفر و فسق سے نفرت بجا، اسلام کی حقانیت مسلم، غلبۂ اسلام کی امنگ مبارک، "خلافتِ راشدہ" قائم کرنے کا ارادہ مرحبا، لیکن اسباب و وسائل کے بغیر ساتویں آسمان پر نہیں پہنچا جا سکتا، سیاست میں حصہ لینے اور لادینی نظام سے مقاطعہ کرنے کے بنیادی فکر کو جب تک کسی مثبت اور قابل عمل نظریہ میں تبدیل نہیں کیا جائے گا، اقتدار کا چھوٹا سا تخت بھی اسلام کے زیر پا آنا محال ہے چہ جائیکہ "خلافت و حکومت"، یہ بجا ہے کہ جتنا اونچا آئیڈیل ہو اتنا ہی زیادہ صبر و انتظار ناگزیر ہے، اور جلد بازی نادانی کی علامت ہے، لیکن صبر و انتظار کے لیے بھی ٹھوس بنیادیں چاہئیں، کوئی شخص گز گز بھر کی سیڑھیاں رسیوں سے جوڑ رہا ہو تو توقع کی جا سکتی ہے کہ کبھی نہ کبھی ہزارویں منزل تک پہنچ ہی جائے گا، لیکن جو شخص سیڑھی پر قدم رکھنے ہی کو گناہ قرار دے اس کے بارے میں کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ صرف وعظ و استدلال کے پروں سے اڑنے لگے گا،" جماعت اسلامی" کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ سدھے ہوئے ذہنوں، تربیت پائے ہوئے مزاجوں اور جاگتے ہوئے دلوں کی ایک مضبوط تنظیم کے بغیر آج کی ناپاک سیاست کے میدان میں کود پڑنا منفعت سے زیادہ خسارے کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے، لیکن یہ بات بہر حال اسے صاف کر دینی چاہئیے کہ لادینی سیاست سے بالکلیہ محترز رہنے کو وہ ایک اصول کی حیثیت سے اختیار نہیں کیے ہوئے ہے، بلکہ موجودہ دور انقطاع ایک عبوری دور ہے جس میں وہ اپنے نوک پلک درست کر رہی ہے، جب خاطر خواہ تیاری ہو جائے تو ضرور وہ سیاسی لائنوں پر بھی قدم زن ہوگی، اگر ابھی سے وہ اس نقطۂ نظر کو واضح نہیں کر دے گی تو غالب گمان ہے کہ جب سیاست کے ایوان میں قدم رکھنے کا وقت آئے گا تو یہاں بھی کئی اصلاحی اور

حکیم ظہور میں آجائیں گے، جو نئے ہرے سے طریق انبیاء کے اسرار سمجھانے اٹھ کھڑے ہوں گے، اور اس وقت تک کے کیے دھرے کو ہو و لعب باور کرانے کی کوشش کریں گے۔

ابھی نومبر میں جماعت نے اپنے دستور میں کچھ ترمیمیں بھی کی ہیں لیکن ان سے عاجز کا وہ گوشۂ ذہن روشن نہ ہو سکا جو تاریک پڑا ہے۔ "عقائد اور نصب العین" پر کوئی کلام نہیں، دونوں ہی ماء کوثر میں ڈھلے ہوئے ہیں لیکن "طریق کار" کے ذیل میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اصولی و نظری اعتبار سے صحیح تر اور محمود ترین ہونے کے باوجود اس حد تک مجمل ہے کہ عمل کی کوئی تکنیک سامنے نہیں لاتا۔ "اصول و عقائد" غیر مرئی چیزیں ہیں، ان کی نمود کے لیے افعال و اعمال کے قالب چاہئیں، اقامت دین ان وسیع معنوں میں جن کی تصریح "نصب العین" کے ذیل میں کی گئی ہے عمل و حرکت کا ایک واضح منصوبہ چاہتی ہے، یہ کہنا کہ جماعت تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعہ ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی، ایک مژدہ جانفزا ضرور ہے مگر حصول مقصد کے لیے کوئی عقلی تصور اور منطقی شعور دینے سے معذور ہے، اور ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامہ کی تربیت کو صرف تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار تک محدود رکھنے کا مطلب یہ محسوس ہوتا ہے کہ جماعت کے نزدیک زبان و قلم کے وعظ ہی رائے عامہ کو مطلوب حد تک متاثر کرنے کا کافی ذریعہ ہیں اور سیاسی دائروں میں شیطان کی پوری عملداری کے باوجود وہ خالی اشاعت افکار سے عوام کی ذہنیت کو اس حد تک صالحیت کے رنگ میں رنگ دے گی کہ منزل مقصود ـــــ الٰہی نظام کی طرف مارچ کرنا ممکن ہو جائے گا۔

نیز یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ بعض اور اہل علم و دانش کی طرح اس امر کی قائل ہے کہ پہلے معاشرے کی تطہیر کر لو، الٰہی نظام آپ سے آپ قائم ہو جائے گا ـــــ یا کم سے کم "الٰہی نظام" کا قیام سہل تر ہو جائے گا، گویا وہ سیاسی اثر و اقتدار کو ایک

عظیم تر وسیلۂ تطہیر و تربیت ماننے کے عوض ایک ایسا آئیٹم خیال کرتی ہے جسے رائے عامہ کی تربیت اور عوامی ذہن کی تطہیر کے ہفت خواں طے کرنے کے بعد منہ لگانا چاہیے۔

لیکن مجھ بے بضاعت کی کوتاہ عقلی اس ترتیب کو کماحقہ مفید مطلب نہیں سمجھتی، سیاسی اثر و اقتدار سے بڑھ کر ان زہریلی ہواؤں کا زور گھٹانے کا کوئی ذریعہ نہیں جن کے روز افزوں تھپیڑوں میں خدا پرستی کی کاغذی تبلیغ و تلقین مطلوبہ اثر پیدا نہیں کر سکتی، دنیا کردار و عمل کا اثر لیتی ہے، اس دفتر میں جہاں رشوت، کام چوری، فرائض سے غفلت اور دروغ و دغا عام ہو، آپ چند ایسے افراد کو پہنچا دیجیے جو ان معائب سے پاک رہتے ہوئے کردار صحیحہ کا عملی نمونہ پیش کریں، اس کا فائدہ و اثر اتنا ہوگا جتنا ہزار مواعظ اور ہزار ایڈیشنوں کا بھی نہیں ہو سکتا، یہ ایک سرسری اور چھوٹی سی مثال ہے جسے پھیلا کر آپ اقتدار و سیاست کے تمام کلیدی اداروں تک لے جا سکتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ یہ اشارے تشریح کے طالب ہیں لیکن فی الوقت زیادہ کہنا میرے لیے مشکل ہے، کبھی ضرورت ہوئی تو ایک مستقل مضمون ہی کی صورت میں یہ موضوع زیر بحث آسکے گا۔

تاہم یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ عاجز کے عدم شمولیت میں اس طرح کے ٹھنڈے اختلافات کو بھی دخل ہے، نہیں یہ تو محض ایک دوستانہ اظہار خیال ہے ورنہ نہ شامل ہونے کے وجوہ تو حقیقت میں وہی ہیں جنکا اوپر ذکر ہوا۔

اب شاید کسی اور جماعت میں شریک ہونے یا نئی جماعت بنانے کے سوال کا جواب ضروری نہیں رہا۔

(تجلی دیوبند، فروری، مارچ ۱۹۶۱ء)

بے چاری جماعت اسلامی

سوال : از عبد اللہ (بی۔اے) "بنگلور"

یہاں ۱۲ تا ۱۴ مئی "جماعت اسلامی" بنگلور سرکل کے سالانہ اجتماعات کا سلسلہ شروع ہوا تھا جس کو ناکام بنانے کی بعض احباب نے کوششیں کیں، ان میں سے ایک کوشش مولانا عبد الجمیل صاحب باقوی سابق مدیر "روشنی" نے بھی کی ہے، یعنی ایک اشتہار جو جماعت کے اجتماع کے اشتہارات کے قریب ہی ہر جگہ چپکا دیا گیا ہے، آنجناب کی خدمت میں مرسل ہے آپ ہی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ آپ کا بے لاگ قلم ہی اس معمہ کی عقدہ کشائی کر سکے گا، میں ابھی چند ہی دن ہوئے جماعت کے لٹریچر وغیرہ کا تعارف حاصل کر سکا ہوں، چند ہی دنوں کے مطالعۂ لٹریچر اور رفقاء جماعت کے ساتھ نشست وبر خاست نے مجھے اپنی ایک ایک خرابی پر نظر ثانی کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے، اور اب میں اپنے اندر ایک ایسی تبدیلی پاتا ہوں جو تدریجاً مجھے کسی اچھے انجام کی طرف لے جانے والی ہو، غرض

"من بندہ شرم سارم تو رحم کن رحیما"

والا معاملہ ہے جس کی وجہ سے میری نظر میں جماعت اسلامی اور اس کے رفقاء کی بہت ہی اہمیت اور احترام ہے، لیکن اس اشتہار کو دیکھ کر کچھ متردد سا ہوں، براہ کرم آپ میرے ریب وتردد کو اس اشتہار کے جوابات مرحمت فرما کر دور فرمائیں، نہ معلوم میری طرح اور کتنے لوگ ہوں گے جو اس قسم کی اشتہار بازیوں سے ریب وشک میں مبتلا ہو کر جماعت اسلامی سے دور یا غلط فہمیوں کے شکار ہوں گے، اور اسلام سے قریب ہونے کی بجائے پھر اپنے سابق اعمال میں زندگی کی طرف لوٹ جائیںگے، امید کہ آپ میری اس گذارش کو قابل اعتباز سمجھ کر ضرور اس پر مدلل خامہ فرسائی فرمائیں گے،

میں ابھی چند ہی ماہ سے یہاں کے ایک ایجنٹ سے رسالہ "تجلی" کا خریدار بنا ہوں، بے حد پسند آیا، شرک وبدعات وخرافات پر آپ نے واقعی قلمی محاذ جنگ قائم کر رکھا ہے، اور مدافعت کا پورا حق ادا فرمایا ہے، خدا آپ کو احقاق حق اور ابطال باطل کی مزید قوت عطا فرمائے اور لوگوں کے سمع وقلوب کو حق کے سننے اور باطل سے بچنے کی پوری توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جواب:

جماعت اسلامی کی مخالفت کا زور اب تو ہلکا پڑ گیا ہے، ماضی قریب میں جس شدومد اور کروفر کے ساتھ یہ مخالفت برپا تھی غالباً اس کا آپ کو کماحقہ علم نہیں ورنہ اس طرح کا ایک آدھ پوسٹر آپ کی نظر میں کوئی اہمیت نہ رکھتا، اس پوسٹر کی حیثیت تو اس پس خوردے کی سی ہے جو کھانا چکنے کے بعد برتنوں میں بچ جاتا ہے، مکروہ اور حقیر، اگر اس میں کچھ بھی نیا پن ہوتا تو ہم ضرور اس پورے کو نقل کر کے اظہار خیال کرتے لیکن بار بار کے چبائے ہوئے لقموں اور چچوڑی ہوئی ہڈیوں سے ناظرین "تجلی" کے کام و دہن پر قہر ڈھانے سے کیا فائدہ؟!

ہماری نظر میں تو اس نوع کے اشتہاروں کی حیثیت "ظرافت" سے زیادہ کچھ نہیں، ظرافت بھی وہ جن پر چھچھورے ہنسیں اور بردبار روئیں، برائے نقد نہیں بلکہ عبرت کی خاطر اس کا ایک سوال نقل ہے، ادارۂ روشنی پوچھتا ہے:

"جماعت اسلامی ہند کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان سے جماعت اسلامی ہند کس قسم کا ربط و تعلق رکھتی ہے؟"

تیور اور لب ولہجہ دیکھیے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی ہند مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی ہے، اور کوئی سرکاری وکیل یا جگڑے دل تھانیدار یا انٹیلی جنس بیوریو کا کوئی غضبناک آفیسر آنکھیں نکال کر سوال کر رہا ہے، ادارۂ روشنی سے کوئی پوچھے کہ بازاری نوع کے پوسٹروں میں اس طرح کے سوالات اٹھانا مسخرے پن

کے علاوہ کیا ہے؟ ایسا مسخرہ پن جس میں دجل و عناد شامل ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا جواب ذمہ داران جماعت کی طرف سے تحریراً اور تقریراً کئی بار دیا جاچکا ہے، لیکن اگر نہ بھی دیا جاچکا ہو تو ہر متین آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ سوال اس حکومت کے کرنے کا تھا جو جن سنگھ اور سیوک سنگھ جیسی جماعتوں کے تو پیر دھو دھو پیتی ہے لیکن جماعت اسلامی کے نام تک سے بدکتی ہے، اور اس کے سی آئی ڈی اس کی ان سادہ و معصوم نشستوں کو بھی ایٹمی خطرات سے لبریز قرار دیتے ہیں جن میں قرآن و حدیث کے درس اور معاد و آخرت کے فکر و ذکر کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا، اگر کوئی مسلمان ادارہ ہی یہ سوال گھٹیا قسم کے پوسٹروں میں اٹھاتا ہے تو اس کے سوا کیا سمجھا جائے کہ وہ پرلے سرے کا کینہ توز ہے، اور جماعت اسلامی سے اس کا اختلاف فکری و عملی نہیں، بلکہ جذباتی ہے جسکے تحت وہ اسے دار پر لٹکا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔

اس پوسٹر کے تقریباً تمام ہی مندرجات پست قسم کی مخالفت اور فتنہ پردازی کے مظہر ہیں، سب سے پہلا ہی سوال افلاس علم و فہم اور فقدان بصیرت کا بھیانک نمونہ ہے، سنیے، سوال ہوتا ہے:

"جماعت اسلامی کی ضرورت کیوں پیش آئی جب کہ تحریر و تقریر کے ذریعے مساجد اور مدارس وغیرہ میں اصلاحی خدمات جاری ہیں؟"

کنوے کے مینڈک بھی شاید اس سے زیادہ وسیع نظر رکھتے ہوں جس کا مظاہرہ اس سوال میں ہو رہا ہے، ذرا غور کیجیے اسلام آج تمام دنیا میں کس طرح مغلوب و مظلوم ہے، کار فرمائی و اقتدار کی مسندوں سے اسے مدت ہوئی مستعفی کردیا گیا ہے، کوئی ایک بھی ملک نہیں جہاں اسے مکمل طور پر حکمراں تسلیم کیا جاتا ہو، اپنے ہندوستان ہی میں اسلام اور مسلمانوں پر جو بیت رہی ہے اسے اندھے تک دیکھ سکتے ہیں، اسلام کی سر فرازی و تسلط تو کجا یہاں تو یہی خونخوار سوال اپنے بھیانک جبڑے کھولے کھڑا ہے کہ جو بچا کھچا برا بھلا اسلام باقی رہ گیا ہے وہ بھی دس بیس سال بعد کہیں نظر آئے گا یا نہیں؟ اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرف سے یلغار ہے، شرک و زندقہ کے ریلے انھیں پوری

قوت سے اندھیرے غاروں میں دھکیلے جارہے ہیں، مسلمانوں کے پاس بحیثیت مجموعی نہ کیریکٹر رہا ہے نہ اخلاقی سرمایہ، نہ پائدار اخلاق ہے نہ عزم و عمل، وہ دینی، سیاسی، معاشرتی، معاشی ہر لحاظ سے پس ماندہ، مقہور و مغلوب، خوار و زبوں ہیں، ان کی ہوا اکھڑ چکی ہے، انکا ملی شیرازہ بکھر چکا ہے، مساجد و مدارس کی جن اصلاحی خدمات کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے ان کا عالم یہ ہے کہ کسی مدرسے کے ہزار طالبعلموں میں دس طالب علم بھی ایسے نہیں ملتے جن میں اعلاء کلمۃ الحق کا سچا جذبہ، نصرت اسلام کی حقیقی تڑپ، ایثار و قربانی کا ولولہ، حالات کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت، خدا کی راہ میں مرمٹنے کی امنگ، اور دین و دنیا میں توازن قائم کرنے کی استعداد ہو، جن ملاؤں کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے\
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

ٹھیک ایسے ہی ملا ہماری درسگاہیں پیدا کر رہی ہیں، اس شخص یا گروہ سے بڑا احمق، بے بصیرت اور بوالفضول کون ہوگا جو بحالات موجودہ یہ سوال کرے کہ اسلام کو سربلند و غالب دیکھنے کی آرزو کرنے والی جماعت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اقبال نے غلط نہیں کہا تھا:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت\
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم احمقوں کی جنت میں رہنے کی اسی ذہنیت میں گرفتار رہے جو ادارہ "روشنی" کے پوسٹر سے ظاہر ہے تو یہ سجدے کی اجازت بھی آگے کو مشکل ہی سے باقی رہ سکے گی۔ وذلک جزاء الظلمین۔

اس پوسٹر میں ایک اور سوال کیا گیا ہے:

"جماعت اسلامی کے نصاب و دستور کے بعض دفعات پر "دارالعلوم دیوبند" اور "مظاہر العلوم سہارنپور" "مدرسہ باقیات صالحات ویلور" "مدینۃ العلوم عربی کالج پلیکل"

اور کیا ائمہ و مجتہدین کی کتب وغیرہ سے مفتیان نے جو تنقیدیں کر کے حق کو ثابت کیا ہے اس میں جماعت اسلامی ہند کی پوزیشن کیا ہے؟"

اس سے وہ لوگ تو ضرور گمراہ ہو جائیں گے جنھیں علم نہیں کہ "دستور" کی کون سی دفعہ پر کیا کیا اعتراضات کیے گئے تھے اور ان کے کیا کیا جوابات دیے گئے، لیکن جو لوگ ماضی کے اس قلمی ہنگامے سے باخبر ہیں، اور ان کی نظر سے "تجلی ۵۹ء کا خاص نمبر" بھی گذرا ہے وہ گمراہ ہونے کی بجائے ان لوگوں کی دیدہ دلیری اور بے حیائی پر عش عش کریں گے، "اللہ اور رسول کے سوا کوئی "معیار حق" نہیں۔" یہ تھی وہ دفعہ جس پر حشر اٹھایا گیا تھا، یہ دفعہ جماعت اسلامی کے بدلے ہوئے تازہ دستور میں بھی موجود ہے اور ہونی ہی چاہیے، اس عقیدے پر اجماع امت ہے، سوائے شیعوں کے کوئی مومن یہ نہیں مانتا کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی کوئی معصوم ہے، معصوم ہی "معیار حق" ہو سکتا ہے، جو معصوم نہیں وہ معیار حق نہیں اور جو معیار حق نہیں وہ تنقید کی زد سے باہر نہیں، صحابہؓ تک کے اقوال و آراء میں نقد و نظر سے کام لیکر ایک کو دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے تو صحابہؓ سے بڑھ کر امت میں کس کا درجہ ہوگا؟ سلف و خلف میں کوئی ایک بھی مستند عالم ایسا نہیں ہوا ہے جس نے اس عقیدے سے انحراف کیا ہو، تمام فقہ، تمام دین کی عمارت ہی اسی بنیادی عقیدے پر اٹھی ہے، کہ "اللہ اور رسول معیار حق" ہیں، ان کے سوا کوئی "معصوم" ہے نہ "معیار حق"۔ "دارالعلوم"، "مظاہر العلوم" اور دیگر جن مدارس کے نام لکھ کر پوسٹر بازوں نے عوام کو یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ جماعت اسلامی کا کوئی عقیدہ بہت سے علماء اور مفتیوں کی رائے کے خلاف ہے ان کے افاضل واکابر بھی بلاریب و شک وہی عقیدہ رکھتے ہیں جس پر یہ چاند ماری کی جارہی ہے، بس بات اتنی سی ہے کہ شیطان کی دسیسہ کاری نے ایک بے حقیقت نزاع لفظی کو معرکہ کی شکل دیدی، اور عناد و تعصب کی وہ آندھی چلی کہ اچھے اچھے اساطین و افاضل کی عقلیں غبار آلود ہو گئیں، خالی ہوا سے لڑنے کی شاندار مثال دیکھنی ہو تو اس

جنگ کو دیکھیے جو "دستور جماعت" کی مذکورہ دفعہ پر لڑی گئی ہے، زوال آمادہ قوموں کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ شیطانی فتنے اس میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتے ہیں، پھر یہ بھی آپ جانتے ہی ہیں کہ کیمرے کے "لینس" کا ذرا سا زاویہ بدل دیجئے پھر نا ممکن ہے کہ کوئی تصویر صحیح آجائے، قصور تصویر کا نہیں "لینس" کا تھا، خرابی مذکورہ دفعہ میں نہیں تھی اس زاویۂ فکر و نظر میں تھی جس سے اس کا جائزہ لیا جارہا تھا، ورنہ یہ حقیقت تو کل بھی اٹل تھی اور آج بھی اٹل ہے اور قیامت تک اٹل رہے گی کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی "معیار حق" نہیں کوئی تنقید سے بالاتر نہیں، کسی کی "اطاعت مطلقہ" مومن پر فرض نہیں، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسے اعاظم واکابر بھی اگر اپنی کوئی رائے پیش فرما گئے ہوں تو عین ممکن ہے کہ ایک امام و مجتہد ان کے مقابلہ میں ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے قبول کرلے، یہ قبول کرنا ظاہر ہے نقد و نظر ہی کی راہ سے ہوگا، دماغ کے سوراخ بند کر کے تو متقابل آراء میں انتخاب ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر جماعت اسلامی پر کیے گئے اعتراضات کی نوعیت و حیثیت کا نظارہ کرنا ہے تو ان جوابات کے علاوہ جو جماعت کے ذمہ داروں کی طرف سے وقتاً فوقتاً دیے جاتے رہے ہیں "تجلی کا خاص نمبر ۵۷ء" بھی ضرور دیکھیے، بڑی شرم اور بے حسی کی بات ہے کہ بعض کوتاہ اندیش آج بھی جماعت اسلامی سے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہیں جب کہ شرک و زندقہ کا عفریت پوری ہندوستانی امت مسلمہ کو نگل جانے کے لیے اپنا دہان آز کھولے کھڑا ہے اور بیچاری جماعت اسلامی بھی سر در گریباں ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے، آپ ایسے بو الفضولوں کی سرگرمیوں پر توجہ نہ دیں اور بہت غنیمت سمجھیں کہ کوئی تو جماعت ایسی ہے جس سے رشتہ جوڑ کر مومن کو اپنا جائزہ لینے اور اصلاح کرنیکا داعیہ نصیب ہو جاتا ہے۔ (تجلی، دیوبند، جنوری ۱۹۶۲ء)

اقتداء امام

سوال : از محمد عثمان۔ ضلع چمپارن (بہار)

میری بستی میں "جماعت اسلامی" کے نصاب کے تحت ایک مدرسہ ہے، اس میں "جماعت اسلامی" کے ایک رکن ہی صدر مدرس ہیں، وہ "جماعت اسلامی" کا پرچار برابر کرتے ہیں، لوگ ان کی تقریر سے کافی متاثر ہو رہے ہیں اور جماعت کی طرف بہت تیزی سے لوگوں کا جھکاؤ ہو رہا ہے، معدودے چند ان کے خلاف بھی ہیں، وہ جمعہ میں امام بھی بنائے جاتے ہیں، اور وہ مسلکاً اہل حدیث (وہابی) بھی ہیں، جب نماز کے اندر انھوں نے آمین بالجہر کہا تو نماز ختم ہونے پر ایک مولانا صاحب نے اعلان کیا کہ اے نمازیو! تمھاری نماز نہیں ہوئی اور دلیل میں انھوں نے کہا جب مقتدی کہتا ہے کہ اقتدیت بھذا الامام (مقتدی پر امام کی اقتداء ضروری ہے) جب امام بلند آواز سے آمین کہتا ہے تو مقتدی کو بھی ایسا کرنا چاہیے ورنہ نماز درست نہیں ہوگی، معترض نے یہ بھی کہا کہ مسئلہ بلند آواز سے آمین کا کہنا بھی درست ہے، لیکن صرف اقتداء میں فرق واقع ہو رہا ہے، اس لیے انھوں نے لوگوں کو کہا کہ "نماز دہرا لیجیے"۔

دریافت طلب ہے کہ جماعت اسلامی کے مولانا سے بہتر کوئی دوسرا نماز پڑھانے والا بھی نہیں ہے اور مقتدی سب کے سب سنت والجماعت ہیں صرف مولانا وہابی ہیں، ہم لوگ مذبذب ہیں کہ ان کے پیچھے نماز درست ہوتی ہے یا نہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیجیے۔

یوں تو آپ (مدیر تجلی) کے متعلق بھی لوگوں کا خیال ہے کہ وہابی ہیں، اس لیے اپنے مسلک کے متعلق بھی وضاحت کریں۔

جواب :

جہاں تک عاجز کو علم ہے امام کا صرف وہی فعل و عمل مقتدی کی نماز کو فاسد کرتا ہے جو مقتدی کے مسلک کی رو سے مفسد صلوۃ ہو، یہ تو معترض کو بھی تسلیم ہے کہ آمین بالجہر درست ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آمین بالجہر بلا ادنی کراہت درست ہے، بلکہ جو لوگ آمین بالجہر والے مسلک کے پیرو ہوں انھیں بلا جھجک اس پر عمل بھی کرنا چاہیے، تو امام کی آمین سے مقتدیوں کی نماز میں کیا خلل واقع ہوگا؟ یہ استدلال صحیح نہیں کہ اقتداء امام کے تحت مقتدی پر بھی آمین بالجہر لازم ہوگی، اول تو یہی کہنا غلط ہے کہ ہر مقتدی اقتدیت بھذا الامام کہتا ہے، شریک جماعت ہوتے ہوئے لفظانیت کرنا ہی شرعا ضروری نہیں قلبی نیت کافی ہے، چنانچہ کتب حدیث میں کہیں آپ کو نہیں ملے گا کہ مقتدیوں کو لفظانیت کرنے کی تعلیم دی گئی ہو، بعد میں فقہاء نے از راہ احتیاط لفظی نیت بھی شامل فقہ کی تو اگرچہ اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اقتدیت بھذا الامام کے الفاظ اس کا لازمی جز نہیں ہیں، اگر یہ الفاظ نہ کہے جائیں جب بھی شریک جماعت ہونا ہی اس اعتراف کا عملی مظہر ہے کہ میں اس امام کی اقتداء کر رہا ہوں۔

تاہم یہ الفاظ کہنا بھی یہ لازم نہیں کرتا کہ جو کچھ امام کہے اسے مقتدی دہرائیں ورنہ اقتداء ناقص رہے گی، آپ دیکھتے ہیں امام "سورۂ فاتحہ" اور دیگر آیات قرأت کرتا ہے لیکن مقتدی خاموش کھڑے رہتے ہیں حتی کہ جو حضرات امام کے پیچھے "فاتحہ" پڑھنے کے قائل ہیں وہ بھی دیگر آیات پڑھنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ "الحمد" کے بعد جب امام قرآن پڑھے تو ساکت وصامت رہو، اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ اقتداء امام کا مطلب ہر اس فعل میں امام کا ساتھ دینا نہیں ہے جو اس سے صادر ہو، امام قرأۃ کرتا ہے مقتدی چپ رہتے ہیں، کوئی نہیں کہتا نہ کہہ سکتا ہے کہ امام و مقتدی کے افعال کا یہ فرق اقتداء امام کے خلاف

ہو بلفظ تو امام کا بہ آواز "آمین" کہنا اور مقتدیوں کا چپ رہ جانا کیوں خلاف اقتداء ہوگا۔

اقتدیت بھذا الامام کا ترجمہ آپ نے جزیکٹ میں غلط دیا ہے، اس کا ترجمہ ہے "میں اس امام کی اقتداء کرتا ہوں۔"

لن الفاظ کا عربی یا اردو میں دہرانا ضروری نہیں ہے، نہ دہرائے جائیں تب بھی شریک جماعت ہونے کا مطلب اسکے سوا کچھ نہیں کہ آدمی بہ ہوش و حواس ایک امام کی اقتداء کر رہا ہے، امام اپنے مسلک کی رو سے آمین بالجہر کہتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، مقتدیوں کا اپنے مسلک کی رو سے خاموش رہنا اسی طرح اقتداء میں فرق نہیں ڈالتا جس طرح قراۃ امام کے وقت انکا سکوت، یہاں تک کہ امام جب رکوع و سجود کے لئے "تکبیریں" کہے تو مقتدیوں کا اس کے ساتھ رکوع و سجود میں چلا جانا ہی اقتداء کی تکمیل کر دیتا ہے چاہے وہ تکبیر کو دہرائیں یا نہ دہرائیں۔

اصل یہ ہے کہ "چاروں مذاہب فقہیہ" کا برحق ہونا اب صرف زبانوں اور کتابوں تک رہ گیا ہے ورنہ منافست اور پست خیالیوں نے گروہ بندیوں میں ایسا تعصب اور عناد پیدا کر دیا ہے کہ احناف کا دل کسی شافعی کو "آمین بالجہر" اور "رفع یدین" پر عمل کرتے دیکھ کر گھٹن محسوس کرنے لگتا ہے اور علی ہذا القیاس شوافع کے قلوب بھی احناف کے بارے میں ایسی ہی کیفیت کا شکار ہیں، حالانکہ اسلام اگر قلوب میں جاگزیں ہونے کی طرح جاگزیں ہوتا اور گروہی تعصبات فکر و نظر کے زاویوں کو بگاڑ نہ گئے ہوتے تو اس طرح کے فروعی اختلافات پر جن کا ماخذ و منبع حدیث و قرآن ہی ہیں ہم سب کے قلوب اسی طرح صاف اور مطمئن ہونے چاہئیں تھے جس طرح پانچوں انگلیاں دیکھ کر ہمارے اندر کبھی یہ گھٹن یہ خلش یہ کراہت پیدا نہیں ہوتی کہ یہ چھوٹی بڑی کیوں ہیں برابر کیوں نہیں ہیں، ذلك تقدير العزيز الحكيم۔

حاصل جواب یہ ہے کہ پیش فرمودہ صورت میں نماز دہرانے کا فیصلہ دینا یکسر غلط ہے، اور اس طرح کے غیر متین فیصلے سوائے افتراق و کشمکش کے اور کچھ نہیں

دے سکتے، عاجز بالکلیہ حنفی ہے فقہ میں احناف ہی کی پیروی کرتا ہے لیکن مالکی، شافعی، حنبلی اور اہل حدیث حضرات کو صرف زبانی نہیں دل و روح کی پوری طمانیت کے ساتھ راہ نجات ہی کا رہرو سمجھتا ہے، یقیناً میری نگاہ میں ان کے مذاہب "مذہب حنفی" کے مقابلہ میں عقلی و علمی سطح پر کمزور ہیں، استدلال کی قوت امام اعظمؒ کی طرف ہے مگر نجات و مغفرت اور فلاحِ آخرت کا مدار جذبۂ انقیاد اور عبادت و اطاعت پر ہے نہ کہ خالی علمی و عقلی برتری پر، ایک حنفی عالم جہنمی ہے اگر وہ عصیان و طغیان میں غرق ہے، اور ایک شافعی، اہل حدیث، حنبلی عالم ان شاء اللہ یقیناً جنتی ہے اگر انقیاد و اطاعت کا جذبۂ فراواں لیے اپنے رب کی چوکھٹ پر سر ٹیکے ہوئے ہے۔

اہل حدیث کے آگے آپ نے بریکٹ میں "وہابی" کا لفظ لکھا ہے، پھر خود عاجز کی وہابیت پر بھی استفہام فرمایا ہے، عرض یہ ہے کہ جس طرح آج سیاسی دنیا میں جمہوریت، سوشلزم، بقاء باہم اور جارحیت وغیرہا کی اصطلاحیں کھلونا بن چکی ہیں اسی طرح مذہب کی دنیا میں "وہابیت" اور "اہل سنت والجماعت" وغیرہا کی اصطلاحیں اب تماشے سے کم نہیں ہیں، اصلاً "وہابی" ہونا کوئی عیب نہیں تھا نہ ہے، لیکن قبوری شریعت کے متوالوں نے اسے ایک اصطلاحی گالی کا رنگ دیکر ان لوگوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا جو ان کی مشرکانہ حرکات، اشغال اور واہی عقائد پر نکیر کرتے تھے، چنانچہ آپ کسی بھی بریلوی خیال کے آدمی سے پوچھ دیکھیے وہ اہلحدیث کو نہیں دیوبندی علماء کو بھی "وہابی" ہی بتائے گا، بلکہ ذرا بے تکلفی پر اترا تو "وہبڑا" کہہ کر آپ کی سماعت پر شہد ٹپکا دے گا۔

"وہابیت" کیا ہے یہ خود ان لوگوں کو بھی ادراک نہیں جو برملا اس پھبتی کو دوسروں پر کستے رہتے ہیں، لب لباب اس پھبتی کا یہ رہ گیا ہے کہ جب کوئی شخص آپ کے کسی فعل و عقیدے کو قرآن و سنت کی رو سے غلط ثابت کرنے لگے، اور آپ سے معقول جواب بن نہ آئے تو فوراً اسے "وہابی" قرار دے ڈالیے، یہ سستا سا نسخہ آپ کی

جہالت وحماقت کے لیے بڑا کارگر نقاب ثابت ہوگا اور آپ کے ہم خیال حضرات اس شخص کی "وہابیت" کے انکشاف پر اپنے دماغ کے سوراخ اس طرح بند کر لیں گے کہ اب قرآن کی کوئی آیت، حدیث کا کوئی پیغام، علم و تفقہ کی کوئی روشنی اس کے اندر کسی قیمت پر داخل نہ ہو سکے گی۔

"وہابی" اگر شریعت تیموری کا رد کرنے والوں کو کہتے ہیں تو علی الاعلان سن لیجیے کہ بندہ "وہابی" ہے، سوبار "وہابی" ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اسی "وہابیت" پر میرا خاتمہ کیجیے گا، "وہابی" اگر اسے کہتے ہیں جو چاروں مذاہب فقہ کو صرف زبان سے ہی نہیں دل سے بھی برحق سمجھے، اور اہلحدیث حضرات کی فکری خطاؤں کو گمراہی کا نام نہ دے تو عاجز ہزار بار اعلان کرتا ہے کہ ہاں میں "وہابی" ہوں، "وہابی" اگر اس شخص کا نام ہے جو "حنفی" ہوتے ہوئے بھی "شوافع" اور "حنابلہ" وغیرہا کے پیچھے بہ اطمینان نماز پڑھ لے، اور اس کے قلب میں ذرا بھی بھچاوٹ نہ ہو تو نوٹ کر لیجیے کہ عامر عثمانی پکا "وہابی" ہے، "وہابی" اگر اس آدمی کا نام ہے جو امام ابوحنیفہؒ کا غلام ہونے کے باوجود ان کی رائے کو "معیار حق" نہ مانے، اور قرآن و سنت ہی کو اصل الاصول سمجھتا ہے تو "تجلی" کا ایڈیٹر بلا ریب وابہام "وہابی" ہے۔

لیکن اگر وہابی کسی اور مخلوق، کسی اور جنس کا نام ہے تو عاجز کو اس کی تفصیل بتائی جائے، مدرسے میں تو کسی کتاب میں پڑھا نہیں کہ "وہابی" کس چیز کا نام ہے، بعد کا مطالعہ بھی نہ بتا سکا کہ وہابیت کا جغرافیہ کیا ہے، بس اتنا معلوم ہے کہ ایک مصلح محمد ابن عبدالوہاب نجدیؒ گذرے ہیں انھوں نے شرک و بدعت کے خلاف شدید جنگ کی تھی، وہ قبر پرستی کا صفایا کر دینا چاہتے تھے کہ "توحید" کا بول بالا ہو، انھی بزرگ کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ گالی ایجاد کر لی گئی ہے، ہو سکتا ہے موصوف کے بعض عقائد ایسے بھی ہوں جنھیں میں یا آپ نادرست خیال کرتے ہوں تو یہ کوئی تشویشناک بات نہیں، ہاں اگر کوئی ایسا عقیدہ ان کے بارے میں ثابت کر دیا جائے جو "ضلال

مبین" اور "کفر و زندقہ" کے زمرے میں آتا ہو تب بیشک تشویش لاحق ہو سکتی ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ بندے نے تو اصطلاحوں کے چکر میں پڑنا ہی چھوڑ دیا ہے، دین کی راہ صاف و سادہ ہے، اصطلاحیں فتنوں اور گمراہیوں کو جنم دینے لگیں تو انھیں طلاق ہی دینا اچھا، پہلے "اہل سنت والجماعت" کی اصطلاح بڑے عمدہ مفہوم میں استعمال ہوتی تھی، اور اس کا تقابل "رفض و تشیع" اور "خروج واعتزال" سے تھا، لیکن اب وہ عبرتناک زمانہ آیا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو "حاضر و ناظر" اور "عالم غیب" قرار دیں (نعوذ باللہ من ذلك) جو لوگ مردہ بزرگوں کو "غوث و دستگیر" مانیں، جن کی توحید شرک وبدعت کے آستانے پر گھٹنے ٹیک چکی ہو، وہ تو اہل سنت والجماعت، خالص حنفی، اصلی خوش عقیدہ، اور جو لوگ قرآن کی یہ واضح تنبیہ دہرائیں کہ الا للہ الدین الخالص وہ "وہابی" "بد عقیدہ، گمراہ، ذرا دیکھیے تو اللہ نے کیا کہا ہے:

والذین اتخذوا من دونه اولیاء مانعبدهم الا لیقربونا الی الله زلفی. ان الله یحکم فیما هم فیه یختلفون۔

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو (اس خیال سے) حمایتی بنا رکھا ہے کہ ہم تو انھیں اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے "قرب خاص" کا درجہ دلوا دینگے تو اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دیگا اس کا جسکے بارے میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔

اور فرمایا:

فاعبد الله مخلصاً له الدین۔

پس پرستش کرو اللہ کی اسی کے لیے خالص کر کے دین کو۔

اور ایسے ہی گمراہوں کے بارے میں جنھوں نے ذیلی خدا گھڑ لیے تھے، بزرگوں کو حریم عبادت میں سجالیا تھا، فرمایا:

وما امروا الا لیعبدو الله مخلصین له الدین حنفاء

انھیں تو بس یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ ہی کی بندگی کریں، اسی کے لیے

اطاعت کو خالص کر کے ابراہیم حنیف کی راہ چلتے ہوئے۔

اور ہم تو "وہابیت" کی پھبتی کسنے والوں کو وہی جواب دیں گے جو باری تعالیٰ عزاسمہ نے اہلِ شرک کو پیارے رسول ﷺ سے دلوایا تھا:

قل اللہ اعبد مخلصاً لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ

کہدے میں اپنے دین کو آمیزش سے پاک رکھتے ہوئے اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں تم اللہ کے سوا جس کی چاہے بندگی کرتے رہو۔

الا ذلک ھو الخسران المبین۔

(تجلی، دیوبند، جنوری ۱۹۶۲ء)

عناد و تعصب

سوال: یکے از باشندگان "سوروال" (راجستھان)

مولانائے محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجھے آپ سے کچھ زیادہ واقفیت نہیں ہے، اور نہ ہی میں نے کبھی آپ کا رسالہ "تجلی" بغور پڑھا ہے، مگر مجھے باوثوق ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے اور مجھے اس پر پورا پورا اطمینان بھی ہے کہ آپ جماعت اسلامی کے آدمی نہیں ہیں، اور نہ ہی آپ "کٹر دیوبندی" ہیں، آپ بلاشبہ ایک غیر جانبدار عالم دین ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج میں چند مسائل میں آپ کی رہنمائی کا خواہش مند ہوں، مجھے پوری پوری توقع ہے کہ آپ ان درج ذیل مسائل میں میری رہنمائی "قرآن و سنت" کی روشنی میں فرمائیں گے، اور میں پوری خندہ پیشانی کے ساتھ آپ کے مشوروں کو قبول کرونگا، ان شاء اللہ العزیز۔

ہمارے یہاں اس وقت دو مدرسے مسلمانانِ قصبہ کی طرف سے چل رہے ہیں، ایک مدرسہ جو بہت پہلے سے چل رہا ہے، اس میں تقریباً چالیس بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں مگر افسوس کہ مدرس صاحب خود علم دین سے کورے ہیں، نماز باجماعت کے تارک اور لوز کیر کٹر ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس مدرسے کے بچے بھی نماز سے بے تعلق ہیں، یہ بچے صرف قاعدے اور سپارے و قرآن مجید کی تعلیم اور معمولی اردو کی غیر درجہ وار تعلیم حاصل کرتے ہیں، قرآن کی تعلیم بھی انتہائی افسوسناک حد تک ناقص ہے، یعنی بے شمار غلطیوں کے ساتھ ہوتی ہے، اس مدرسے کا یہ افسوسناک پہلو ہے، دوسرا مدرسہ کوئی سال ڈیڑھ سال سے قائم ہوا ہے، اس میں "اعظم گڑھ" کے ایک نو عمر مدرس کام کرتے ہیں، اس مدرسے میں "جماعت اسلامی" کا مکمل کورس داخل ہے، کلاس وار تعلیم ہوتی ہے، مگر بچے تقریباً ۲۵، ۳۰ تک ہیں، اور مدرس صاحب بھی باعلم انتہائی نیک اور خوش اخلاق ہیں، نماز باجماعت کے پابند اور ہم سب

میں برائیوں سے زیادہ محفوظ اور عمدہ کیریکٹر کے مالک ہیں، مگر یہ صاحب "جماعت اسلامی" کے آدمی، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس قصبے کی جماعت کے امیر بھی ہیں، ان کی عمدہ تعلیم کے اثرات اور انکے اخلاق و پاکیزہ کیریکٹر کے باعث جہاں مدرسے کے بچے بشوق نماز کے پابند ہیں، وہیں بڑوں پر بھی ان کا سکہ جمتا جارہا ہے، اس وقت خوش قسمتی یا بد قسمتی سے یہی ہماری مسجد کے امام بھی ہیں، رمضان میں تراویح بھی انھوں نے ہی پڑھائی ہے، مگر چند افراد (جن کی تعداد تین ہے) ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، نماز باجماعت مسجد میں ہورہی ہوتی ہے اور یہ چند افراد مسجد ہی کے اندر کبھی صف میں، کبھی پیچھے الگ سے نماز پڑھتے ہیں، ان چند افراد کے علاوہ بقیہ نمازی جن کا اوسط ۲۰ کے قریب ہے، اور جمعہ میں پچاس ساٹھ کے قریب ہو جاتا ہے، امام پر بالکل مطمئن اور خوش ہیں، جو لوگ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ان کا کہنا یہ ہے کہ (۱) یہ امام جماعت اسلامی کا آدمی ہے اور علماء کا فتویٰ ہے کہ جماعت اسلامی والوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے (۲) پنج وقتہ نماز اور جمعہ کی نماز یہ ٹوپی پہن کر پڑھاتا ہے، صافہ (دستار) نہیں باندھتا (۳) فرض اور سنتیں تو پابندی سے پڑھتا ہے مگر نوافل مسجد کے اندر پابندی سے نہیں پڑھتا، بلکہ اکثر نہیں پڑھتا، اکثر یہ "ظہر" کی دس "مغرب" کی پانچ اور "عشاء" کی نو رکعتیں پڑھتا ہے، فجر اور عصر پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اس میں نوافل نہیں ہیں، (۴) نیاز، فاتحہ، سوئم، چالیسواں وغیرہ کے سلسلے میں یہ خود ان کا قائل نہیں ہے، اور نہ ہی ان کاموں میں شریک ہوتا ہے، تقریر اور وعظ وغیرہ میں لوگوں سے درود شریف نہیں پڑھواتا، "میلاد شریف" کو بھی پسند نہیں کرتا، (۵) اس کے سر پر اگرچہ انگریزی بال تو نہیں ہیں، مگر ہیں اسی کے مشابہ یعنی استرے کے اور مشین کے بجائے یہ پیچھے کے کچھ بال کنگھی کے ذریعہ قینچی سے کٹواتا ہے، لہذا اس کے پیچھے نماز کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ (۶) نمازوں میں یہ مسنون سورتیں نہیں پڑھتا، قرآن حکیم سے جہاں سے چاہتا ہے پڑھ دیتا ہے، (۷) سردیوں

تب یہ چادر اوڑھ کر نماز پڑھاتا ہے اور چادر کا کچھ حصہ اس کے سر پر بھی ہوتا ہے، حالانکہ چادر سر پر اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ بتایا گیا ہے (۸) جمعہ کے خطبہ میں علمی خطبے کے اشعار نہیں پڑھتا اس کے بجائے قرآن واحادیث سے کچھ باتیں بتاتا ہے۔

یہ ہیں وہ وجوہ جن کی موجودگی میں یہاں کے چند حضرات اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے حتی کہ ان سے سلام وکلام بھی بند کر رکھا ہے، جب یہ امام مسجد میں ہوتے ہیں تو یہ چند حضرات مسجد میں بھی سلام کر کے نہیں داخل ہوتے، اور دوسروں کو ان کی مخالفت پر اکساتے رہتے ہیں۔

ہمارے یہاں پہلے جو امام رہتے ہم سب ان کو اناج دیتے اور تراویح کے پیسے بھی، مگر یہ امام صاحب صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ "میں روپے لے کر اس کی امامت کو جائز نہیں سمجھتا" امسال تراویح کے سلسلے میں لوگوں نے غالباً ۲۹ روپے پیش کیے تھے، انھوں نے صاف انکار کر دیا، خود لینے کے بجائے اس رقم کو دینی تعلیم کی مد میں یہ کہہ کر عنایت کر دیا کہ "ایسا رویہ آئندہ میرے ساتھ نہ ہونا چاہیے"۔

براہ کرم آپ ہمیں واضح لفظوں میں بتائیں کہ ہم کیسا رویہ اختیار کریں، جہاں تک نیاز، فاتحہ، سوئم وغیرہ کا تعلق ہے یہ رسمیں ہمارے باپ دادا سے ہوتی چلی آئی ہیں، اور "بریلی شریف" کی کتابوں کے اندر انھیں بالکل جائز قرار دیا گیا ہے، ٹوپی پہن کر تو واقعی ہمارے راجستھان میں شاید ہی کوئی نماز جمعہ پڑھاتا ہو، جیسا کہ میں نے بتایا کہ میں بالکل تیار ہوں جو مشورہ آپ مجھے دیں گے میں اسے قبول کروں گا، اور مجھے توقع ہے کہ یہ چند حضرات بھی اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں گے، کیونکہ انھیں بھی تو اپنی نماز محبوب ہی ہوگی، اگر قرآن وسنت کی روشنی میں آپ کوئی بات کہیں گے تو مجھے امید نہیں ہے کہ یہ حضرات اسے ٹھکرا دیں گے، کیونکہ خدا اور رسول سے انھیں بھی بے حد محبت ہے، ان پڑھ یا کم پڑھے ہونے کی وجہ سے شاید کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں، معاف کیجیے گا میرا یہ استفسار ایک مضمون بن گیا اور بیشتر سوالات آپ کی

نگاہ میں بے وزن بھی ہوں گے، مگر کیا کیجئے یہی ہم لوگوں کی نگاہوں میں بہت وزنی ہیں، آپ یہ عبارتیں بھی بے کم وکاست شائع فرمادیں۔

واضح رہے کہ یہاں پر امامت کا مسئلہ بڑا سنگین انھی اسباب کی بناء پر بنتا جارہا ہے، اس لیے اگر آپ اپنے اپریل کے "تجلی" میں شائع فرمادیں تو ہمیں نوازش ہوگی، ورنہ پھر مئی کے "تجلی" میں تو ضرور ہی۔

جواب:

قارئین شاید بدمزا ہو گئے ہوں گے کہ اتنا طویل لاحاصل خط ہم نے کیوں نقل کیا اور کونسا مسئلہ اس میں ایسا ہے جس پر ہم داد تحقیق دینے بیٹھیں گے۔

لیکن ہم نے بحث و نظر کی خاطر نہیں بلکہ اس نیت سے یہ خط نقل کیا، کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے جواب میں جو معروضات ہم پیش کریں وہ ان لوگوں پر کچھ اثر کر جائیں جو اپنی جاہلانہ معصومیت کے باعث اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ الفتنۃ اشد من القتل۔

اسی وجہ سے ہم براہ راست انھیں ہی مخاطب کرتے ہوئے کچھ کلمات کہیں گے، اثر ہونا نہ ہونا اللہ کے ہاتھ ہے۔

اے دینی بھائیو! تم جو کچھ کر رہے ہو ہمیں معلوم ہے کہ وہ نیک نیتی ہی سے کر رہے ہو، تمھیں علماء پر اعتماد ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمھارے سینوں میں دین کی محبت زندہ ہے، یہ مبارک بات ہے لیکن تم یہ بھی ضرور جانتے ہو گے کہ علماء انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان خطاو نسیان کا پتلا ہے، معصومیت تو بس انبیاء علیھم السلام ہی کی شان ہے، تم اگر ہمہ شما پر نہیں بلکہ اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہو تو دینی معاملات میں تمھیں یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں؟ قرآن اور حدیث کے اردو ترجمے موجود ہیں، مسائل بتانے والی کتابیں بھی نایاب نہیں، تمھاری نظر میں اگر عاقبت اور رضائے الٰہی کی کچھ بھی قدر و قیمت ہے، تو

اردو ہی کی کسی معتبر کتاب "فقہ" میں یہ دیکھنے کی زحمت ضرور اٹھاؤ، کہ جن مہمل اور لایعنی وجوہات کو تم نے ترک جماعت اور افتراق ونزاع کا وسیلہ بنایا ہے، کیا ان میں سے کوئی بھی اس لائق ہے کہ اس کی بنیاد پر جماعت جیسی ضروری چیز چھوڑی جائے، اور عین مسجد میں جو اخوت اسلامی کا سب سے بڑا مظہر ہے وہ نفرت انگیز حرکتیں کی جائیں جنکی اطلاع یہ خط دے رہا ہے، ہم یقین دلاتے ہیں کہ کسی بھی معتبر کتاب میں ایسی کوئی چیز نہیں ملے گی جو تمھاری غلط فہمی کا جواز پیش کر سکے، تمھیں شاید معلوم نہیں کہ نماز باجماعت کس قدر ضروری چیز ہے، سن لو کہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار تارکین جماعت کے لیے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

اور شاید تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ نماز فاسق وفاجر کے پیچھے بھی ادا ہو جاتی ہے، حدیث میں آیا ہے صلوا خلف کل بر وفاجر (ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہو)، جب یہ بات ہے تو اس شخص کے پیچھے نہ پڑھنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ جس کے بارے میں تم نے ایک بات بھی ایسی نہیں بتائی جو گناہ کی فہرست میں آتی ہو، یہ جتنے اعتراضات تم نے اٹھائے ہیں ان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ شیطان نے تم پر قابو پالیا ہے، شیطان ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ نیکی اور اطاعت الٰہی کے ہر محاذ پر جہاں تک ہو سکے جہالت وطغیان کا غبار پھیلائے اور جس ناپاک مقصد کے لیے اس نے اللہ سے قیامت تک کی زندگی مانگی تھی اسے پورا کرتا رہے، تم تو عوام میں داخل ہو، شیطان تو بڑے بڑے علماء اور زہاد وعباد کو بہکا لیتا ہے، بلکہ انھیں وہ زیادہ بہکاتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ یہ بہکے تو ان پر بھروسہ کرنے والے ہزاروں مسلمان خود بہک جائیں گے، اور مجھے فرداً فرداً گمراہ کرنے کی دردسری مول لینی نہیں پڑے گی۔

یہ جو تم دیکھتے ہو کہ علماء نے مولانا مودودی اور "جماعت اسلامی" کے خلاف طرح طرح کے فتوے صادر کر دیئے، اور دین کو غالب کرنے کا جو ارادہ لے کر

یہ جماعت آگے بڑھی تھی اسکی راہ میں اس طرح روڑے اٹکائے کہ کیا کوئی غیر مسلم اٹکائے گا، تو یقین کرو کہ یہ بھی شیطان ہی کی دسیسہ کاری ہے، ہم خدائے وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے پیچھے نماز درست نہ ہونے کے فتوے اتنے ہی غلط اور لایعنی ہیں جتنی یہ بات کہ سورج رات میں نکلتا ہے اور چاند دن میں روشن ہوتا ہے، ہماری مولانا مودودی سے کوئی رشتے داری نہیں، ہم نے انھیں صرف دیکھا ہے، ان سے گہرے روابط بھی نہیں رکھے ہیں، ہم جماعت اسلامی کے ممبر بھی نہیں ہیں، لیکن ہم نے مولانا موصوف اور جماعت اسلامی کے دیگر رہنماؤں کی کتابیں پڑھی ہیں، ان پر غور وفکر کیا ہے، انھیں قرآن وسنت کی روشنی میں جانچا ہے، ہم تم سے اللہ کو گواہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ فتوے دینے والے علماء جو غلط سلط عقائد ان کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بالکل درست نہیں ہیں، اور ان کی تہہ میں وہی تعصب اور جہل کام کر رہا ہے، جس کے بھرے بھرے پیالے شیطان اچھے اچھے عالموں اور دانش مندوں کے حلق میں انڈیلتا رہتا ہے تعصب اور جہالت کا اندازہ اس سے کرو کہ ایک مرتبہ "دارالعلوم دیوبند" ہی کے ایک فارغ التحصیل نے مفتی دارالعلوم کو کسی کتاب کی ایک عبارت نقل کر کے بھیجی اور دریافت کیا کہ اسکے لکھنے والے پر شریعت کیا حکم لگاتی ہے؟ اس نے کتاب اور مصنف کا نام نہیں لکھا تھا، یہ زمانہ وہ تھا کہ پست فطرت لوگ مولانا مودودی کی کتابوں میں سے اسی طرح کے فقرے تراش خراش کر جس طرح یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں میں تراشتے خراشتے رہے ہیں علماء کے پاس بطور استفتاء بھیج رہے تھے اور بعض ایسے علماء بھی جن کے زاہد ومتقی ہونے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں دھوکے میں آکر گمراہی کے فتوے صادر کر رہے تھے، ان علماء کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ اصل کتاب کو پڑھیں اور بعد میں، رہنے سننے سے پڑھا بھی تو اسی طرح جانب دارانہ ذہن سے پڑھا جس طرح غیر مسلم قرآن وحدیث کو اعتراض کی خاطر پڑھتے ہیں، اور ان کی عبارتوں میں انھیں کیڑے ہی کیڑے نظر آتے ہیں، تم

پہلے سے طے کرلو کہ فلاں کتاب بالکل لغو ہے، پھر اسے پڑھو تو اکثر و بیشتر یہی ہوگا کہ اس میں تمھیں لغویت ہی لغویت نظر آئے گی، تم جس سے محبت کرتے ہو، اس کی چال تو تمھیں قیامت کی نظر آتی ہے، لیکن جس سے نفرت کرتے ہو اسکی رفتار میں لنگ اور بھدے پن کے سوا کچھ نہیں دیکھ پاتے، یہی حال دوسرے معاملات کا ہے۔

تو "دارالعلوم دیوبند" کے مفتی صاحب نے یہ سمجھا کہ ہو نہ ہو یہ عبارت مولینا مودودی ہی کی ہے، اور انھی کی کسی کتاب سے نقل کر کے بھیجی گئی ہے بس پھر کیا تھا؟ دیدیا فتویٰ کہ اس عبارت کا لکھنے والا اسلام سے خارج، کافر و مرتد ہوا، اس کی بیوی پر طلاق پڑ گئی، وغیرہ وغیرہ، اس افسوسناک داستان کی پوری تفصیل مع تاریخ اور مصدقہ نقول کے "تجلی" میں آچکی ہے، اب جو بعد میں حال کھلتا ہے تو یہ کھلتا ہے کہ وہ عبارت مولینا مودودی کی نہیں تھی، بلکہ ان مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جو "علمائے دیوبند" کے سرتاج اور مقتدا گذرے ہیں، اسے انکی کتاب "تصفیۃ العقائد" سے نقل کیا گیا تھا اور نقل بھی اس طرح نہیں کیا گیا تھا کہ مصنف کے خلافِ مقصد مطلب ظاہر ہو، پوری کتاب پڑھ کر بھی اسی مقصد کی تصدیق ہوتی تھی جو اس پیش کردہ عبارت سے ظاہر ہو رہا تھا، اس کے باوجود مفتی صاحب نے اتنا سخت فتویٰ داغ دیا، اسے کہتے ہیں تعصب اور خدا کے خوف سے لاپروائی، جب تعصب دماغ پر چھا جاتا ہے تو عقل بیچاری مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔

اب سوچ لو کہ جب شریر لوگ مولانا مودودی کی کتابوں سے اس طرح عبارتیں کاٹ کاٹ کر پیش کریں گے کہ مفہوم کچھ سے کچھ ہو جائے، تو الا بلا فتوے صادر کرنا کیا مشکل، اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جو اپنی غلطی واضح ہو جانے پر کھلے بندوں اس کا اعتراف کر سکیں، اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ جب ان جلدباز مفتیوں کو اطلاع دی گئی کہ آپ نے عبارت کا جو مطلب سمجھ کر فتویٰ دیا ہے وہ مطلب مصنف کا ہے ہی نہیں، تو ان مفتیوں نے اصل کتاب کو دیکھا اور بجائے اس کے

کہ دیانت وصداقت سے کام لیتے، ان کے نفسوں نے انھیں اکسایا کہ جس طرح بھی ہو اپنی بات کی پچ کرو، ورنہ دنیا کے آگے ہیٹی ہو جائے گی، ایسی حالت میں انصاف کا تو کیا سوال تھا؟! انھوں نے کھینچ تان کر وہی مطلب نکال لیا جس سے ان کے فتوے کی صحت ثابت ہو جاتے، اور مزید خود نمائی کے لیے اور بھی عبارتوں سے ایسے ایسے مطالب اخذ کر کے دکھا دیئے جو لکھنے والے کے حاشیۂ خیال تک میں نہ آئے ہوں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر تم اسلام اس لیے لائے ہو کہ آخرت میں نجات پاؤ، اگر نماز اور روزے کی زحمت اس لیے اٹھا رہے ہو کہ اللہ راضی ہو، تو اندھے تعصب اور احمقانہ ضد بازی سے بلند ہو کر تحقیق کرو کہ ایک دیندار امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور فضول قسم کے اعتراضات کی بنیاد پر عین مسجد میں نفرت و نزاع کے بیج بونا، کس قدر ناراضگی رب کا موجب ہے۔

ہم تمھاری ذہنی سطح کا لحاظ کر کے چند کلمات براہ راست تمھارے اعتراضات کے بارے میں بھی عرض کرتے ہیں۔

(۱) جماعت اسلامی کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کا فتویٰ تمام مستند علماء کا نہیں، بلکہ گنے چنے چند علماء کا ہے، ان علماء میں بعض نے یہ فتویٰ جلد بازی میں دیا، بعض نے فرط نفسانیت میں، بعض نے کم عقلی میں دیا، تم یہ مت سمجھو کہ جس کے سر پر بڑا سا صافہ اور جس کے نام کے ساتھ لمبے چوڑے القاب ہوں وہ عقل بھی اسی پیمانے کی رکھتا ہے، یقین کرو کتنے ہی بڑے صافے اور لمبے القاب والے پرلے سرے کے کم عقل بھی ہوتے ہیں، اور بعض عقلیں کچھ ایسی دھان پان ہوتی ہیں کہ جتنا جتنا ان پر علم کا بوجھ پڑتا ہے اتنی ہی وہ پچکتی اور برباد ہوتی چلی جاتی ہیں۔

بریلوی علماء کو دیکھو انھیں خود اللہ تعالیٰ تک یہ یقین دلانے میں کامیاب نہیں ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "بشر" تھے، نہ یہ باور کرا سکے کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر صرف "میں" ہوں، نہ یہ اطمینان دلا سکے کہ قبروں میں سونے

والے بے بس ہیں، وہ تمھیں کچھ نہیں دے سکتے۔

اب یا تو نعوذ باللہ، اللہ کو غلطی پر مانو یا پھر وہی تسلیم کرو جو ہم کہتے ہیں کہ علم نے ان کی عقلوں کو روشن کرنے کے عوض توڑ پھوڑ کے رکھ دیا ہے۔

(۲) پڑھانے کے لیے دستار باندھنا نہ باندھنا سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، تم دیوبندی علماء کے معتقد ہو یا بریلوی فضلاء کے، ان میں سے اکثر کو بلا دستار ہی نماز پڑھاتے دیکھو گے، اور ان کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لو کہیں نہیں ملے گا کہ "صافہ و دستار" کا امامت سے کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی ہے۔

(۳) نوافل بجائے مسجد کے گھر میں پڑھنا مسنون ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عموماً گھر ہی میں "نوافل" پڑھا کرتے تھے، اب کیا تم یہ بھی کہو گے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غلطی کرتے تھے۔

پھر نوافل مسجد یا گھر میں پڑھنے کا آخر امامت سے کیا تعلق ہے، تمھیں سوائے شیطان کے اور کس نے اس لایعنی نکتہ سنجی پر ابھارا ہے، "نوافل" اصطلاح میں کہلاتی ہی وہ نمازیں ہیں جن کی پابندی ضروری نہ ہو، جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ایک چیز کا پابند نہیں بنایا تو سوائے شیطان کے اور کون اس شخص کو امامت کے ناقابل قرار دے سکتا ہے جو اس چیز کا پابند نہیں ہے۔

(۴) نیاز، فاتحہ، سوئم، چالیسواں سب بدعات و خرافات ہیں، مگر چلو تمھارے نقطہ نظر سے ہم فرض کئے لیتے ہیں، ان میں کوئی خرابی نہیں، بلکہ ان میں ثواب ملتا ہے، لیکن کیا تم قرآن وحدیث سے کسی بھی درجے میں ثابت کر سکتے ہو کہ ان کا قائل نہ ہونا ایسا جرم ہے کہ اسکے مرتکب کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے؟ توبہ استغفر اللہ، ہمارے اپنے نزدیک تو ان بدعات کی مخالفت ہی کار ثواب ہے، اور جو ان سے بیزاری کا اظہار نہیں کرے گا گناہ گار ہوگا، لیکن امام مذکور تو اظہار بیزاری بھی نہیں کرتے، پھر آخر شیطان کے علاوہ یہ کس کی کارروائی ہو سکتی ہے کہ تمھیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے

سے بدکا دیا۔

درود شریف کا ایک محل ہے اور اگر ریاکاری مقصود نہ ہو تو ہر آدمی دن میں صدہا بار اپنے طور پر درود پڑھ کر ثواب کما سکتا ہے، لیکن وعظ و تقریر میں خواہ مخواہ لوگوں کو درود پڑھوانا اور نمائش کرنا بہت بری بات ہے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی آئے تو بے شک صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہہ لو مگر اس کے لیے بھی گلے پھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے، دکھاوا اللہ کو پسند نہیں، زیر لب کہہ لو یا دل ہی دل میں دہرا لو، وہ اللہ علیم بذات الصدور ہے جس سے اجر و ثواب کی توقع رکھتے ہو، اسروا قولکم اواجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور (تم دل ہی دل میں قول کرو یا زور سے اللہ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے)۔

رہا "میلاد"، تو "میلاد مروجہ" کو ہم "بدعت" قرار دیتے ہیں، اس کے ہزاروں دلائل بھی ہم نے اور دیگر علمائے حق نے دیئے ہیں، تاہم تم اسے کارِ ثواب سمجھتے ہو تو کم سے کم یہ زبردستی تو مت کرو کہ جو تمھارا ہم خیال نہ ہو اس کے پیچھے نماز ہی چھوڑ دو، نماز اس شخص کے پیچھے چھوڑی جا سکتی ہے جو واضح طور پر کفر و شرک کا عقیدہ رکھے، اور کفر و شرک کو اللہ اور رسولؐ نے خوب خوب واضح کر دیا ہے، میلاد کا ذکر تک تم قرآن و حدیث میں نہیں دکھلا سکتے، یہاں تک کہ صحابیوں اور تابعیوں اور قرون اولیٰ کے کسی بھی مسلمان نے میلاد کا تصور تک نہیں کیا۔

(۵) اگر تم اپنے آپ کو پیغمبر نہیں سمجھتے تو ذرا تلاش کرو کہ قرآن یا حدیث میں کس جگہ یہ نادر مسئلہ بیان ہوا ہے کہ جو شخص پیچھے کے بال کنگھی کے ذریعہ قینچی سے کٹوائے اسکے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی، قرآن و حدیث تمھاری دسترس سے باہر ہیں تو اپنے علماء و فقہاء ہی کی کسی کتاب میں ڈھونڈو کہ یہ مسئلہ لکھا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لکھا اور یقیناً نہیں لکھا تو آخر دل سے مسئلہ گھڑتے ہوئے خدا سے کیوں نہیں ڈرتے؟

(۶) نمازوں میں مسنون سورتیں کونسی ہیں یہ تم بتاؤ اور پھر یہ بتاؤ کہ جو ان کا پابند

نہ ہو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے؟ اگر نہیں بتا سکتے تو کیوں لایعنی باتوں سے اپنی عاقبت خراب کرتے ہو؟ اللہ اجازت دیتا ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن (پڑھو قرآن میں سے جو کچھ تمھیں آسان معلوم ہو) لیکن تمھارا اعتراض ثابت کرتا ہے کہ اللہ تک پر تمھیں اطمینان نہیں، اطمینان ہوتا تو جس چیز کی اس نے اجازت دی ہے اس پر اعتراض نہ جڑتے، خوب سمجھ لو، علمائے حق نے اس بات کو پسندیدہ سمجھا ہے کہ امام پارہ "عم" ہی تک محدود نہ رہے بلکہ وقتاً فوقتاً خصوصاً صبح اور عشاء کی نماز میں دوسرے پاروں میں سے بھی رکوع آدھ رکوع پڑھ لیا کرے، امام موصوف یہی کر رہے ہیں لیکن تمھیں تو ان کا ہنر بھی عیب ہی نظر آرہا ہے، یہ دراصل ایسا ہی ہے جیسے کیمرے کا فوکس بگڑ جائے تو تصویر خراب ہی آتی ہے، اللہ نے جس چیز کو قلب کے زیغ (دل کی کجی) سے تعبیر کیا ہے وہ یہی چیز ہے۔

(۷) تم کہتے ہو چادر سر پر اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ سنا گیا ہے، ہم عرض کرتے ہیں کہ تم نے سب کچھ سنا ہی سنا ہے یا کچھ پڑھا اور دیکھا بھی ہے؟ اگر یوم قیامت کا کچھ بھی لحاظ ہے تو سنی سنائی پر فیصلے کرنے کے عوض خود پڑھو، دیکھو، تدبر کرو۔

(۸) حد ہو گئی، تمھیں قرآن و حدیث کی باتوں پر اعتراض اور اشعار کی چاٹ ہے، اس سے بڑی دلیل تمھاری کج فکری کی اور کیا ہو گی کہ بعد کا ترتیب دیا ہوا ایک خطبہ تمھیں اللہ اور رسول کے ارشادات سے بہتر معلوم ہو رہا ہے، اسے کہتے ہیں ضلال مبین یعنی واضح گمراہی، توبہ کرو، خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عفو طلب ہو، رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الهدی هدی محمد و شر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة

بہترین باتوں کی کتاب کتاب اللہ ہے، اور بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور بدترین چیزیں وہ ہیں، جو دین میں نئی نکالی گئیں ہیں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔

(تجلی دیوبند اپریل، مئی ۱۹۶۲ء)

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی وغیرہ

سوال : از۔ مولانا غلام رسول، ساکن میرے شاہ (پاکستان)

(۱) مولانا مودودی کی ذات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، وہ علم و عمل کا پیکر ہے یا محض تحریری ید طولیٰ رکھنے کی وجہ سے لوگوں کو اندھی عقیدت میں مبتلا کر رکھا ہے ؟

(۲) "تحریک اسلامی" کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ سیاسی یا مذہبی حیثیت سے علماء کرام کی جانب سے اس تحریک میں جو خامیاں اور غلطیاں واضح کی جارہی ہیں وہ کس حد تک صحیح ہیں ؟

(۳) کیا آپ "دارالعلوم دیوبند" کے خلاف جو مضامین لکھتے رہتے ہیں یا "مسجد سے میخانے تک" کے زیر عنوان جو مضامین شائع ہوتے ہیں وہ اس بات کی تو غمازی نہیں کرتے کہ آپ نے یہ سارا مسئلہ خاندانی چپقلشوں کی وجہ سے تو نہیں چھیڑ رکھا، ہمارے اکثر حلقہ میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے۔

جواب :

(۱) مولانا مودودی کی نجی زندگی سے ہمیں تفصیلی واقفیت نہیں ہے لیکن اتنی واقفیت ضرور ہے کہ ان کے اقوال و اعمال میں نفاق و تخالف نہیں ہے، کسی سخت سے سخت دشمن نے بھی آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مولانا موصوف کی بے عملی اور منافقت کو ثابت کر سکتا ہے، مولانا کسی کنج عزلت میں نہیں رہتے، ان کے شب و روز کا مطالعہ کرنے والے بے شمار افراد ہیں، اگر ان میں سے کوئی مولانا پر اعمالِ شرعیہ میں غفلت و تساہل کا الزام نہیں رکھتا تو آخر اس کا کیا جواز ہے کہ ہم بیٹھے بٹھائے ایک سوال کھڑا کریں اور عیاش قسم کے ذہنوں کو چنیں چناں کا موقع دیں۔

اندھی عقیدت جہلاء میں تو چل جاتی ہے، لیکن اس جماعت کا امیر جس میں پڑھے لکھے لوگ ہی شریک ہیں، زیادہ دنوں تک اپنے ساتھیوں کو مصنوعی زہد و تقویٰ کے جال میں نہیں پھانسے رکھ سکتا۔

(۲) کسی فرد یا جماعت کی خامیوں کی نشاندہی اگر متانت، حلم اور انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی جائے جب تو اس پر غور کر کے یہ فیصلہ دیا جا سکتا ہے کہ کونسی خامی کس درجے میں واقعتاً موجود ہے اور کونسی خامی خود نشاندہی کرنے والوں کے غلط انداز نظر کی زائیدہ ہے۔

لیکن جہاں حال یہ ہو کہ مخالفتوں نے بازاری شکل اختیار کر رکھی ہو، علماء اپنے مقام کو فراموش کر کے معاندین کی سطح پر اتر آئے ہوں، لغو و لاطائل اعتراضات واتہامات کی گرم بازاری ہو اور جہل مرکب نے طوفان بد تمیزی اٹھا رکھا ہو، وہاں کون یہ فیصلہ دے کہ کونسی خامی حقیقی ہے اور کونسی فرضی، اور فیصلہ بھی دیدے تو سننے اور دیانت کے ساتھ غور کرنے والے ایسے معترضین کے انبوہ میں کہاں سے آئیں گے جن کا پیشہ ہی یہ ہو کر رہ گیا ہو کہ جماعت اسلامی کو ہر قیمت پر ذلیل و رسوا کیا جائے۔

ہمارے پاس سو سے زائد اخبارات و رسائل آتے ہیں اور کتابوں کا مطالعہ بھی بقدر فرصت جاری رہتا ہی ہے ہم اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اور حساب آخرت کا پورا احساس رکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ کوئی ایک بھی اعتراض ایسا آج تک ہماری نظر سے نہیں گذرا جس کی رو سے جماعتِ اسلامی کی مخالفت کارِ خیر قرار دی جا سکے، زیادہ تر اعتراض تو ایسے اذہان کی تراوش ہیں جنھیں نفس امارہ اور ابلیس کی سازش نے کج فکری، کینہ پروری اور جہل مرکب کا گنجینہ بنا کر رکھ دیا ہے، کچھ اعتراض ایسے ہیں جو معترضین کی قلتِ فہم پر مبنی ہیں، کچھ ایسے ہیں جو بنیاداً تو درست ہیں مگر انھیں بفرقِ مراتب انلارج اور المضاعف کر کے پیش کیا گیا ہے، کچھ ایسے ہیں جو بنیاداً ہی نہیں تفصیلاً بھی درست ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر جماعت اسلامی کو ضال و مضل قرار دینا، اسکی مخالفت

کرنا اور اسے بیخ و بن سے اکھیڑ پھینکنے کے جذبے کی نمائش فرمانا جائے خود گمراہی اور کوتاہ اندیشی ہے، اصلاح کا طریقہ یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ عمارت کا اگر ایک ستون کج یا ایک دیوار کمزور ہے تو پوری عمارت ہی کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے، آدمی کی ایک انگلی میں زخم ہو تو اس کا مرہم ڈھونڈنے کی بجائے خود بچارے آدمی ہی کو ذبح کر دینے کا مشورہ دیا جائے۔

آپ صاحب علم ہیں اگر آپ کے سامنے واقعتاً کچھ ایسی خامیاں جماعت اسلامی کی آئی ہوں جنھیں امر واقعہ کے طور پر تسلیم کیا جاسکے تو براہ کرم کھل کر انھیں منکشف فرمائیں ہم انکا خیر مقدم کریں گے، اور اپنے ناقص علم و فہم کے مطابق اظہار خیال سے بھی نہیں چوکیں گے۔

(۳) ہر شخص آزاد ہے جو چاہے سوچے اور جیسا چاہے فیصلہ دے، دل ایسی چیز تو ہے نہیں جو کسی کے آگے چیر کر رکھدی جائے، ہم تو صرف اتنا ہی عرض کر سکتے ہیں کہ خاندانی چپقلشوں سے کسی بھی قسم کی دلچسپی ہمارے مزاج و طبیعت سے اتنی بعید ہے کہ شاید آسمان بھی زمین سے اتنا بعید نہ ہو، یہ بات کبھی کبھار یہ سوء ظن رکھنے والے کرم فرما ہی یاد دلا دیتے ہیں کہ ہمارے اور کسی اور کے خاندان میں کبھی کوئی کشمکش اور چپقلش بھی رہی ہے، ورنہ علام الغیوب جانتا ہے کہ یہاں تو ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی اس مرحوم چپقلش کا کوئی زندہ تصور پایا ہی نہیں جاتا، نفسیات اگر کوئی چیز ہے تو اسی ایک بات سے ہمارے ذہن و مزاج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کچھ روز ہوئے پاکستان کے ایک پروفیسر صاحب نے "تجلیات عثمانی" کے نام سے ہمارے حقیقی چچا مولانا شبیر احمد عثمانیؒ پر ایک ضخیم کتاب شائع کی تھی، اس کتاب میں جس شد و مد اور جوش و خروش کے ساتھ علامہ عثمانیؒ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر و بیان ہوا ہے اس کا بدیہی تقاضا تھا کہ اگر خاندانی عصبیت کا معمولی سا جذبہ بھی ہمارے اندر ہوتا تو اس کتاب کو "مکتبہ تجلی" کے ذریعے خوب خوب اشاعت دیتے لیکن "تجلی" کا فائل اٹھا کر دیکھ لیجیے کہیں اتفاق سے ہی اس کا معمولی سا اشتہار نظر آجائے گا۔

دوسری بات یہ بھی سن لیجیے کہ اگر خاندانی چپقلش سے ہمیں دلچسپی ہوتی تو سب سے پہلے ہم اس "سوانح قاسمی" پر مفصل تنقید کرتے جو تاریخی حقائق کے لحاظ سے بد دیانتی کا شاہکار ہے، جس میں خاندانِ عثمانی کو خصوصاً نظرانداز کرنے اور واقعات کو مسخ کر کے تمام امتیازات کسی اور خاندان کو عطا کرنے کا وہ فن استعمال کیا گیا ہے کہ صداقتیں منہ دیکھتی رہ گئیں ہیں لیکن قارئین تجلی گواہ ہیں کہ اس بکھیڑے میں بھی ہم نہیں پڑے۔

تیسری بات یہ بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ ہمارے والد محترم مولانا مطلوب الرحمنؒ ایک معروف مرشد تھے، ان کے ہزاروں مرید "ہندوپاک" میں پائے جاتے ہیں، ہمارے ذہن و مزاج کا معمولی سا بھی جوڑ خاندانی عصبیت کے ساتھ ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ "تجلی" کے صفحات والد مرحوم کے اذکارِ مسلسل سے خالی رہتے، خصوصاً جب کہ "دیوبند" کے ایک خاندان نے یہ اسوہ بھی سامنے رکھدیا ہے کہ سعادت مند بیٹا باپ کی زندگی ہی میں باپ کو سقراطِ زماں اور طبیبِ دوراں بنا دے سکتا ہے تو ہمارے لیے کیا دشوار تھا کہ "تجلی" جیسے مقبول (بفضلہ تعالی وبا حسانہ) پرچے کو باپ اور چچا اور دادے (فضل الرحمنؒ جو بانی دار العلوم کی حیثیت رکھتے تھے) کی تصویر کشی اور شہرت دہی کے لیے استعمال کریں، مگر ہم سے کچھ نہ ہوا، ہم پر تو فی الحقیقت خاندانی عصبیت کا سوءِ ظن "برعکس نہند نام زنگی کافور" کا مصداق ہے، سچا اعتراض اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یہ ہو سکتا ہے۔۔۔۔ کہ ہم خاندانی عصبیت کے معاملہ میں ناخلف اور مغفل رہے ہیں۔

الحاصل علمائے دیوبند پر نقد و تعریض کو خاندانی چپقلش سے جوڑنا اتنا ہی مطابقِ واقعہ ہے جتنا مولانا مودودی کو خارجی کہنا، یا ان کی طرف اسلامی تعزیرات کو ظالمانہ قرار دینے کا انتساب کرنا، یا حضرت عثمانؓ کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے سارا خزانہ اپنے عزیزواقربا کو بانٹ دیا۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

(تجلی، دیوبند، جنوری ۱۹۶۳ء)

کارِ زمانہ

سوال : از ضیاء الحق۔ "احمد پور شرقیہ"۔

"لاہور" سے ایک ہفت روزہ اخبار "ترجمان اسلام" شائع ہوتا ہے، جس کے نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ناظم اعلیٰ "جمعیۃ العلماء اسلام" پاکستان ہیں، اس اخبار میں عموماً مولانا مودودی صاحب کے عقائد و نظریات پر تنقیدی مضامین چھپتے رہتے ہیں، ۱۴ دسمبر ۱۹۶۲ء کے شمارے میں جناب والا کو بھی ہدفِ طعن بنایا گیا ہے، ملاحظہ کے لیے شمارہ مذکور ارسال کیا جارہا ہے۔

صفحہ ۱۰ و ۱۱ قابل مطالعہ ہے، جس میں آنجناب کو مودودی صاحب کا "کٹر امتی" کہا گیا ہے، مولانا مودودی و جماعت اسلامی کے اراکین کو گمراہ کہا جاتا ہے، یہ تمام الزامات کس حد تک درست ہیں؟ جواب بذریعہ "تجلی" عنایت فرمائیں۔

جواب :

جب ہم دوسروں پر تنقید کرتے ہیں تو دوسرے کیوں نہ ہم پر تنقید کریں گے، میدان میں جو اترے گا وہ خود بھی وار کرے گا اور دوسروں کے بھی وار سہے گا، "ترجمان اسلام" کا مبینہ شمارہ تو ہمیں ملا نہیں، لیکن مل ہی جاتا تو ضروری نہیں تھا کہ ہم نوٹس لے ہی لیتے، آئے دن طرح طرح کے طنز و طعن ہم پر تنقید کے نام سے کیے جاتے ہیں، کوئی شرعی قسم کی گالیاں دیتا ہے کوئی تضحیک و تمسخر کی مشق کرتا ہے، کوئی فقط منھ چڑانے اور انگوٹھا دکھانے پر ہی قناعت کرلیتا ہے، دنیا اسی کا نام ہے، ہم اگر ہر مبارز سے دو دو ہاتھ کرنے لگیں تو عمرِ نوح بھی کفایت نہ کرسکے گی، لہذا خیریت اسی میں ہے کہ صبر جمیل کیا جائے، ہر شخص اپنی فرد عمل تیار کررہا ہے، لطف قیامت کے دن آئے گا، وہاں نہ افترا پردازیاں کام آئینگی نہ کج بحثیاں، جس نے جو کچھ کیا ہوگا بھگتے گا۔

آپ نے معلوم نہیں کن الزامات کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ وہ کس حد تک درست ہیں؟ جہاں تک مودودی صاحب کے "کثر امتی" ہونے والی بات کا تعلق ہے اسے الزام نہیں، ادا کہیں گے، اور جہاں تک مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے گمراہ ہونے کا تعلق ہے اسے بھی الزام نہیں بلکہ نعرۂ مستانہ کہا جائے گا، پھر بتایئے ہم کس بات کا جواب دیں، بازار میں قلم روشنائی اور کاغذ کی کمی نہیں، جس کا جی چاہے یہ چیزیں چند پیسوں میں خرید کر لا سکتا ہے اور پھر پونے چودہ سو برسوں کے سارے ہی علماء وفضلا کو وہ گمراہ، نالائق اور بے دین لکھدے تو میں یا آپ اسے پھانسی پر نہیں چڑھا سکتے۔

آپ نے سنا ہو گا مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو غاصب و گمراہ کہتا ہے تو پھر عامر عثمانی یا مولانا مودودی کس نرالی مٹی سے بنے ہیں کہ انھیں گمراہ وبددین کہنے والے کے منہ میں کیڑے پڑجائیں۔ (تجلی، دیوبند، مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء)

جماعت اسلامی کی شرکت

سوال : از نعیم۔ ''پورنیہ۔ بہار''

آپ کی تحریر اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ''ہندوپاک'' میں مسلمانوں میں جتنی تنظیمیں وجود میں آئی ہیں ان میں سے آپ صرف ''جماعت اسلامی'' ہی کو برحق تصور کرتے ہیں، جماعت اسلامی پر جب بھی کسی جانب سے بہتان اور الزام کی یلغار کی گئی تو غیر جانبدار پرچوں میں ''تجلی'' ہی کو یہ فخر ہمیشہ سے حاصل رہا ہے کہ جماعت اسلامی پر کیے گئے تمام اعتراضات کا معقول اور دنداں شکن جواب دیا گیا، حتی کہ اس بیباک حق گوئی کی خاطر آپ نے اپنے اساتذہ پر بھی تنقیدیں کی ہیں اور اپنے بعض احباب وبزرگوں پر بھی تبصرہ فرمایا ہے، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ذہنی حیثیت سے آپ جس طرح امام ابن تیمیہؒ سے متاثر ہیں اسی طرح ماضی قریب کے علماء میں مولانا اشرف علیؒ سے بھی متاثر ہیں، اور اسی طرح دورِ جدید کے علماء میں مولانا مودودی سے بھی متاثر ہیں۔۔۔ ان تمام باتوں کے باوجود میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ کاغذ و قلم کی سطح پر تو آپ کا ذہنی میلان تقریباً سو فیصدی جماعت اسلامی کی جانب ضرور ہے مگر جہاں تک جماعت کے پروگرام میں عملی اشتراک کا سوال ہے اس معاملے میں آپ بھی اتنے ہی بیگانہ ہیں جتنے کہ وہ حضرات جنھیں جماعت اسلامی سے کچھ بھی دلچسپی نہیں ہے، آپ جیسے بیدار مغز، بالغ نظر اور صاحب صلاحیت انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کاغذ و قلم کی سطح پر جس تحریک کی تائید آپ سو فیصدی کریں اسی تحریک کی تائید عملی پروگرام کی سطح پر آپ کچھ بھی نہ کریں، آپ کے چچا بزرگوار (مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم) نے جس نظریہ کو صحیح سمجھا اس کی خاطر انھوں نے جن عملی مشکلات کا سامنا کر کے جو قولی اور عملی جدوجہد کی اس کے نقوش ''ہندوپاک'' کی تاریخ کے صفحات

سے کبھی نہیں مٹ سکتے، مگر اسکے برعکس جماعت اسلامی کے سلسلے میں آپ نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے وہ محض علمی جدوجہد تک محدود ہے اور عملی جدوجہد کچھ بھی نہیں۔۔۔۔ڈاکٹر اقبال کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، انھوں نے بھی کاغذ و قلم ہی کی سطح پر کفر والحاد کا مقابلہ کیا، کفر والحاد اور باطل افکار و نظریات کے سیل رواں کو روکنے کے لیے کاغذ و قلم کی سطح مفید تو ضرور ہو سکتی ہے مگر غالب آنے کے لیے بہر حال میدانِ عمل ہی کی سطح ناگزیر ہے، کاغذ و قلم کے سہارے مدافعت تو کی جاسکتی ہے مگر پیش قدمی کے لیے میدانِ عمل ہی کی سطح درپیش ہے، بند کمرے میں کسی پہلوان سے محض زور آزمائی تو کی جاسکتی ہے مگر غالب و مغلوب کا فیصلہ بہر حال کسی اکھاڑے ہی میں ہو سکتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا محض کاغذ و قلم ہی کے سہارے "فریضۂ اقامت دین" کی راہ ہموار ہو سکتی ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو ایسی صورت میں "بدر و احد" کی تاریخ بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے، میں مسلسل پانچ سال سے "تجلی" کا مطالعہ کر رہا ہوں، اس سلسلے میں چند بار سائل نے آپ سے سوال بھی کیا کہ جب آپ جماعت اسلامی کو برحق تصور کرتے ہیں تو پھر اس کے عملی پروگرام میں آپ شریک کیوں نہیں ہوئے؟ آپ نے ہر بار تقریباً یہی جواب دیا کہ جماعت اسلامی کی شرکت کے لیے جس اعلیٰ کردار اور بلند عزائم کی ضرورت ہے، میں اپنے اندر اس کی خامی پاتا ہوں، ایک بار آپ نے یہ بھی جواب دیا کہ فطری طور پر آزاد طبیعت کا انسان ہوں جس کے باعث کسی مقررہ ضابطے کی پابندیوں کو نبھانا میرے لیے امر محال ہے، اور ایک بار آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ جماعت اسلامی سے باہر رہ کر آزادانہ طور پر میں جو کام کر سکتا ہوں وہ جماعت اسلامی کے اندر رہ کر پابندیوں کے تحت نہیں کر سکتا۔۔۔۔اس سلسلے میں مجھے ایک تاریخی لطیفہ یاد آگیا، مشہور مغربی مفکر جارج برنارڈ شا "اسلام کا، بہت ہی مداح تھا، ایک بار کسی نے سوال کیا کہ جب آپ اس حد تک اسلام کے مداح ہیں تو پھر آپ اسلام قبول کیوں نہیں کرتے؟ اس کا جواب برنارڈ

شانے یہی دیا کہ "اسلام سے اگر تمھاری مراد وہ اسلام ہے جو آج کل کے مسلمانوں کی زندگی میں پایا جاتا ہے تو اس اسلام سے میں پناہ مانگتا ہوں، اور اگر اسلام سے تمھاری مراد وہ اسلام ہے جو قرآن و حدیث میں ہے تو اس اسلام کو برداشت کرنے کی سکت میں اپنے اندر نہیں پاتا ہوں۔"

محترم مولانا! جذبۂ خیر خواہی سے مجبور ہو کر یہ چند معروضات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں؛ ورنہ میں تو عالم ہوں، نہ ادیب ہوں، نہ مضمون نگار ہوں، نہ فلسفی ہوں اور نہ ہی شاعر ہوں، کہ عامر عثمانی جیسے باصلاحیت اور مضبوط اہل قلم سے قلمی مجادلہ کی جرأت کر سکوں، بلکہ ایک ایسا عامی مسلمان ہوں کہ عربی زبان سے بھی ناواقف ہوں، ایک طرف تو اردو تراجم و تفاسیر اور دوسری طرف مولانا مودودی اور آپ جیسے عالم دین کی تحریریں ہی میری معلومات کی بنیاد ہے۔

جواب:

جماعت اسلامی میں اپنے باقاعدہ نہ شامل ہونے کی کچھ توجیہ ہم اسی اشاعت کے کسی جواب میں پیش کر چکے ہیں، آپ کے خط میں چونکہ چند دلچسپ اجزاء ہیں اس لیے تھوڑی سی گفتگو اور کریں گے۔

یہ بات کہ جماعت اسلامی ہمارے نزدیک حمایت کی مستحق ہے یوں کہنے کی نہیں کہ مسلمانوں کی تمام تنظیموں میں صرف جماعت اسلامی ہی ہمارے نزدیک برحق ہے، برحق کے بالمقابل "خلاف حق" ہوا کرتا ہے مگر ہم نے ہر دوسری تنظیم کو خلافِ حق کبھی نہیں کہا، کہنا یوں چاہیے کہ مسلم تنظیمیں سب ہی اپنی اپنی جگہ بعض اچھے مقاصد کے لیے قائم ہوئی ہیں لیکن ایک وسیع، جامع اور اعلےٰ مقصد جماعتِ اسلامی ہی لیکر اٹھی ہے، جو ارفع و اعلیٰ بھی ہے اور ملت مسلمہ کے شایانِ شان بھی، اگر دوسری مسلم جماعتیں اپنے اپنے محدود اور جزوی مقاصد کے لیے خلوص کے ساتھ جدوجہد

کرتی رہیں، اور خواہ مخواہ جماعت اسلامی کے خلاف واویلا مچانا اپنے معمولات میں شامل نہ فرمالیں تو باہمی ٹکراؤ کچھ نہیں بلکہ مختلف محاذوں پر جزوی مقاصد کے لیے کی ہوئی جدوجہد اس ہمہ گیر اور کلی مقصد کے حصول میں معاون ہی ثابت ہوگی جسے جماعتِ اسلامی نے اپنایا ہے، مثال کے طور پر "تبلیغی جماعت" اگر اپنے پروگرام کو خالص ایجابی اور تعمیری انداز میں چلاتی رہے اور اس کے اکابر کسی بھی مسلمان تنظیم کے خلاف جارحانہ ذہنیت اور جذبۂ حقارت کی پرورش نہ فرمائیں تو جماعت اسلامی سے اس کی کوئی ٹکر نہیں بلکہ اس کے اصلاحی پروگرام کی جوئے رواں کسی مرحلے میں جماعت اسلامی کے دریائے مطالب سے مل کر اسی طرح ایک ساتھ بھی بہہ سکتی ہے جس طرح دو ندیاں سنگم سے گذر کر ایک ہی دریا کی شکل میں بہتی ہیں۔

یا مثلاً "جمعیۃ العلماء" ہے، وہ اپنے دائرہ کار میں سرگرم عمل رہے اور "جماعت اسلامی" کی مخالفت کو حرزِ جان نہ بنائے تو اسے بھی ہم یکسر باطل اور بے کار نہیں سمجھتے۔

رہا ہماری عملی شرکت : سوال، تو نہ جانے آپ نے "عملی" کا مفہوم کیا متعین کر رکھا ہے؟ یہ بجا ہے کہ ضابطے میں ہم جماعت اسلامی کے رکن نہیں ہے، لیکن کیا ذہنوں کو اس فکر کے لیے ہموار کرنا جس پر جماعت اسلامی کی ذہنی عمارت اٹھی ہے اور ایسے ہر نظریاتی حملے کو پسپا کرنے کی جدوجہد کرنا جو جماعت کی فکری بنیادوں کو تہس نہس کر دینا چاہتا ہو، آپ کے نزدیک عملی خدمت نہیں ہے؟ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ جماعت اسلامی ایک پر امن، آئین پسند اور اصولی نوع کی جماعت ہے جو تشدد، توڑ پھوڑ، سازش اور عیاری کے ذریعے کسی انقلاب لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، اس کے عین خمیر میں یہ اذعان وایمان سمایا ہوا ہے کہ اقامتِ دین کا مقصد حاصل کرنے کے لیے سب سے مقدم اور سب سے بنیادی کام یہی ہے کہ فکر و نظر کے زاویے بدلے جائیں، دماغوں کو مسخر کیا جائے، اور باطل و فاسد افکار و نظریات کے جس طوفان نے

اسلام کو خود مسلمانوں میں اجنبی بنا دیا ہے اس کا زور توڑا جائے۔ اسی لیے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس جماعت کے افراد نے ایک عظیم الشان لٹریچر پیدا کیا ہے، اس کے یہاں تصنیف و تالیف کا مستقل شعبہ ہے جس میں اہل حضرات شب و روز قرطاس و قلم ہی کے شغل میں منہمک ہیں اور اس کے متعدد افراد نہ صرف اردو اخبار کی مصروفیات میں کھپے ہوئے ہیں بلکہ ایک انگریزی اخبار "ریڈینس" بھی اسی کی تحریک اور کوششوں سے نکلا ہے، "بدر و احد" کے میدانی معرکوں کا ابھی کیا سوال، بدر و احد تو دور کی بات ہے ابھی سرے سے کوئی میدان ہی ایسا موجود نہیں جہاں مادی طاقت کی زور آزمائی اور تیغ و تفنگ کے ٹکراؤ کا سوال پیدا ہو، ابھی تو صرف ایک ہی اکھاڑہ ہے۔۔۔۔ "فکر و نظر کا اکھاڑہ" اور اس اکھاڑے میں بھی فریق اور مد مقابل کوئی غیر نہیں ہے اپنے ہی ہیں، اپنے ہی دست و بازو، اپنے ہی دینی بھائی نعرے لگا رہے ہیں اور اعتراض و مخالفت کے فکری بم برسا رہے ہیں، طاغوتی لشکروں سے "بدر و احد" جیسی ٹکر لینے کا تو امکان بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک ہم ان اپنے ہی بھائیوں کے انداز فکر کو اس حد تک نہ بدل دیں کہ یہ فریق مخالف بنے رہنے کے عوض ہمارے ساتھی بن جائیں، اور پھر ہم ایک معتدبہ جماعت کی شکل میں اقامتِ دین کی راہوں کے پہاڑ کاٹنے کا کارِ دشوار انجام دیں۔

آپ خدا جانے کس دنیا میں پہنچ کر میدانی جنگوں اور اکھاڑوں کی بات لے بیٹھے ہیں، اگر واقعتاً ایسا ہوتا کہ جماعت اسلامی کے اراکین قرطاس و قلم کو بالائے طاق رکھ کر کسی میدانی معرکے میں کود پڑے ہوتے تب تو آپ کے اس ارشاد کا کچھ مطلب ہو سکتا تھا کہ عامر عثمانی آج بھی بند کمرے میں بیٹھا فقط قلم چلا رہا ہے لیکن ایک ایسے مرحلے میں جبکہ زبان و قلم کی تمام صلاحیتوں سے کام لیکر ذہنوں کو ہموار کرنا اور مقابل نظریات کو توڑنا ہی خود جماعت اسلامی کے نزدیک بھی اولین اہمیت کا کام ہے، نہ جانے آپ فقط ضابطے کی رکنیت ہی کو کیوں سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں، رکن بننے کے بعد ہمیں اس

سے زیادہ کیا کرنا ہوتا کہ جماعت کے اجتماعات میں شرکت کیا کریں؟ اور جماعت اگر ہمارے لیے کوئی سفر یا کہیں تقریر طے کر دے تو اس کی تعمیل کر دیں، کیا بس اتنے ہی سے فرق کو آپ یہ معنی دے لیں گے کہ ہم "بدر و احد" کا مجاہد بن جاتے؟

مہربان! آدمی کو حقائق کی دنیا میں رہنا چاہیے، اس وقت نہ تو اپنے دیس میں ایسا کوئی معرکۂ قتال برپا ہے جس میں عامر عثمانی کود پڑے، نہ اور ہی کوئی ایسا پروگرام جماعت کے پاس ہے جس میں عامر عثمانی کا کاغذ قلم چھوڑ کر شرکت کرنا دین وملت کے حق میں انفع ہو، پھر یوں بھی سوچیے کہ معرکہ برپا ہو ہی جائے تو ہر شخص ہتھیار سجا کر صفِ اول میں لڑنے کا اہل تو نہیں ہوا کرتا، باورچی کا روٹی پکانا اور درزی کا کپڑے سینا بھی مجاہدین کی خدمت ہے، کسان اور صنعت کار سب فوجی وردی پہن لیں گے تو اگلے ہی دن سب کا بیڑا غرق ہو جائے گا، عامر عثمانی اپنی صلاحیتوں اور کمزوریوں کو خوب سمجھتا ہے، وہ دیانتداری کے ساتھ جانتا ہے کہ جماعت کی باضابطہ رکنیت اختیار کر کے وہ جماعت کو نقصان زیادہ اور فائدہ کم پہنچائے گا، وہ شاید اس کے لیے ایک مسئلہ بن جائے۔

الحاصل خواب وخیال اور تمناؤں کی سطح سے اتر کر حقیقت پسندی کے رخ سے غور کیجیے تو یہ "بدر واحد"، پیش قدمی اور میدان عمل کی باتیں ایک خوبصورت شعر سے زیادہ کچھ بھی ثابت نہیں ہوں گی، عمل سب سے بڑا اس وقت یہی ہے کہ جماعت کی دعوت کے لیے فکری میدان ہموار کیا جائے، اور یہی کام ہم حسبِ توفیق رکنِ جماعت بنے بغیر بھی کر رہے ہیں، رکن بننے کے بعد اس سے زیادہ کچھ کرنا ہمارے لیے پیش نظر ہو تو اس سے ضرور آگاہ فرمائیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی بات آپ نے کافی مزیدار فرمائی، وہ ہمارے چچا تھے ان کی توصیف سے ہمیں جتنی بھی خوشی ہو کم ہے لیکن یہ ہمیں آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ انھوں نے اپنے پسندیدہ نظریے، یعنی مسلم لیگی کاز کی حمایت میں کون سی مشکلات

کا سامنا کیا تھا؟ اور کس قسم کی عملی جدوجہد کے ہفت خواں طے کیے تھے؟ اگر آپ کا اشارہ ان ہنگامہ خیز تقریروں کی طرف ہے، جن کا پیہم صدور ان کی زبان سے جنرل الیکشن سے کچھ مدت قبل ہوا، یا ان بحثوں کی طرف ہے جو انھیں علمائے جمعیۃ سے کرنی پڑیں تو ان کا علم آپ سے بھی زیادہ خود ہمیں ہے، مگر آپ تو زبان اور قلم چلانے کو عملی کام مانتے ہی نہیں، پھر کیسے علامہ مرحوم کی فقط تقریروں کا نام عملی جدوجہد رکھ رہے ہیں، متعدد کانفرنسوں میں تقریریں کرنا اور ضرورت پڑنے پر ایک دوبار علمائے جمعیۃ سے علمی و منطقی ٹکر لینا، یہ تھا عم محترم کا کام، اس کے بعد پاکستان بن گیا تو وہ مع اہل و عیال پاکستان تشریف لے گئے، اور ان کا تمام مال و اسباب حتیٰ کہ ذاتی کتب خانہ بھی سرکاری تحویل میں وہیں پہنچ گیا، فرمایا جائے کہ ان کے عمل میں اور ہماری قلمی جدوجہد میں جوہری و اصولی اعتبار سے کیا فرق ہے؟ وہ لیگ کے ساتھ ایک ایسے ہنگامہ خیز دور میں شریک ہوئے تھے جب سیاست کی فضا میں بھونچال آیا ہوا تھا، کانفرنسوں کی گرماگرمی تھی اور علمائے جمعیۃ کے مقابلے پر مسلم لیگ کو کسی ٹکر ہی کے عالم کی ضرورت بھی تھی، ممدوح لیگ کی حمایت پر مائل ہوئے تو انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ان کے ملکۂ تقریر نے دھوم مچادی۔

ہمارے حالات اس سے بالکل مختلف ہیں، حالات وہ چیز ہیں کہ سازگار ہوں تو آدمی ایک دن میں ہیرو بن جاتا ہے، اور ناسازگار ہوں تو زندگی بھر گھس گھس کر کے بھی گمنامی ہی کی موت مرتا ہے، حالات ہی تھے جن میں علامہ مرحوم کے ایک ایک لفظ کی قیمت ہیرے اور موتیوں سے لگی، اور حالات ہی ہیں جن میں ہمارے گاڑھے لہو کو پسینے کی بہا بھی نصیب نہیں!

مقصود گڑے مردے اکھاڑنا نہیں، بتانا ہم یہ چاہتے ہیں کہ بندوق یا تلوار نہ مرحوم نے اٹھائی نہ ہم اٹھا رہے ہیں، جس نظریہ کو انھوں نے درست سمجھا اس کے لیے فقط زبان استعمال کی، اور اس کی بھی پروا نہیں کی کہ اس نظریے کی حامل جماعت

میں باضابطہ شریک ہوں، اسی طرح ہم جس نظریہ کو درست سمجھتے ہیں اس کے لیے قلم گھس رہے ہیں، اور اس کی پروا نہیں کرتے کہ باضابطہ رکن جماعت بھی بنیں۔ نتائج اور اثرات اور ظاہری تفصیلات کا فرق یہ معنی نہیں رکھتا کہ ان کی جدوجہد تو عملی تھی اور ہماری فقط ہوائی ہے، ضرورت اور حالات متقاضی ہوں تو ہم بھی قلم کاغذ رکھ کر کانفرنسوں کو خطاب کر سکتے ہیں مگر حالات ہی دگرگوں ہوں تو سوائے قلم چلانے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

برنارڈ شا کی مثال آپ نے بڑی بے دردی سے دی ہے۔۔۔۔ عامر عثمانی کے لیے ایک نصرانی کی تمثیل پیش کرتے ہوئے آپ نے اس منطقی تضاد اور سخن سازی کو محسوس نہیں فرمایا جو اس نصرانی کے منقولہ ارشاد میں صریحاً پائی جاتی ہے۔۔۔۔ وہ جب کہتا ہے کہ قرآن وحدیث والے اسلام کو برداشت کرنے کی سکت میں اپنے اندر نہیں پاتا تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جائے کہ وہ اسلامی احکام کی عملی پابندی کو اپنے بس سے باہر خیال کرتا ہے۔۔۔۔ چلیے مان لیا، لیکن کیا نظریاتی اور اعتقادی اعتبار سے بھی اسلام کو قبول کر لینا اس کے بس سے باہر تھا؟ کیا خود اسی اسلام میں جس کے مطالعے کا اسے دعویٰ تھا یہ بات صریح طور پر موجود نہیں تھی کہ نجات کے لیے فقط ایمان لے آنے سے نجات کی راہ تو ہموار ہو ہی جائیگی، مگر نظری اور اعتقادی سطح پر بھی اسلام کو قبول نہ کرنا اور اپنے دینِ سابق پر جمے رہنا آخر اس کے سوا کیا معنی رکھتا ہے کہ منقولہ ارشاد میں معنوی تضاد ہے اور قرآن وحدیث والے اسلام کی بے حد تعریف کا جو پیرایہ اس شخص نے اختیار کیا ہے وہ سخن سازی سے زیادہ کوئی شعوری گہرائی نہیں رکھتا۔

تمثیل اس وقت درست ہو سکتی تھی جب برنارڈ شا نے اسلام تو قبول کر لیا ہوتا بس عمل میں کوتاہ رہتا، ہم پر آپ عملی کوتاہی کا ہی الزام تو عائد کر رہے ہیں مگر یہ الزام عائد نہیں کر رہے اور نہیں کر سکتے کہ جماعت اسلامی کی دعوت کو ہم نے فطری

اعتبار سے بھی قبول نہیں کیا، قبول کرنا چہ معنی دارد ہم تو اس کی حمایت و تبلیغ میں سرگرم ہیں اور آپ کو اس کا اعتراف بھی ہے، پھر بھلا ہمارے اور برنارڈ شا کے ذہنی پس منظر میں مطابقت کے کیا معنی؟

دراصل آپ جماعت اسلامی کے بارے میں خواب و خیال کی بڑی اونچی فضا میں اڑ رہے ہیں، آپ نہ جانے کیوں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ جماعت اسلامی کا باقاعدہ رکن بن جانا کوئی ایسی ہی کٹھن منزل ہے جیسی فوج میں بھرتی ہو کر سنگلاخ پہاڑیوں اور برفانی علاقوں میں لڑنے جانا، اسی لیے عامر عثمانی اس سے کنی کاٹتا ہے۔

تفنن بالکل نہیں، ہم واقعۃً نہیں سمجھ سکے کہ جماعت اسلامی کا رکن بن جانا ہی بجائے خود ایسا کونسا کٹھن مرحلہ ہو گا جس کے مقابلہ میں آپ کو ہماری موجودہ زندگی تن آسانی اور فرار کی زندگی محسوس ہو رہی ہے، اگر مستقبل کے خطرات پیش نظر ہیں تو بے فکر رہیئے اوپر والوں کی نظر میں ہم جماعت سے الگ نہیں، اور اگر کچھ اور مقصود ہے تو اس سے آگاہ فرمائیں۔ (تجلی، دیوبند، نومبر، دسمبر ۱۹۶۳ء)

خلافت اور جماعت اسلامی

سوال : از۔ قاسم سجاد کاشمیری۔ "اسلام آباد"

ہمارے یہاں کے ایک قاضی صاحب بڑے شدومد سے کہتے ہیں کہ "جماعت اسلامی والے بالکل غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ "خلافت" یا "حکومت الہیہ" آج بھی قائم ہوسکتی ہے، یہ جماعت اسلامی والے خفیہ خفیہ لوگوں کو بہکاتے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم ہونے والی ہے اور اس طرح یہ لوگوں کو حقیقی اسلام سے منحرف کرنے کے مجرم ہیں"۔

خود سائل کے نزدیک تو خلافت کے قیام کا امکان ہر زمانے میں موجود ہے اس لیے جماعت اسلامی والے اگر خلافت کا ذکر کرتے ہیں تو کوئی عجیب بات نہیں کرتے، لیکن ان قاضی صاحب اور بعض لوگوں کے کہنے سننے سے عام ذہنوں میں "جماعت اسلامی" کے خلاف یہ تاثر پیدا ہوگیا ہے کہ یہ لوگ ہوائی باتیں کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں گمراہی پھیلتی ہے۔

جواب :

جب کسی کو کسی فرد یا گروہ پر اعتراض ہی کرنا ہو تو کون اس کی زبان پکڑ سکتا ہے؟ جماعت اسلامی پر اعتراض کرنا بعض حلقوں میں فیشن بن گیا ہے، اور بعض حلقوں میں اسے کار ثواب سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے، اب ہم کہاں تک لغو و لایعنی اعتراضات کا جواب دیتے رہیں۔

"جماعت اسلامی" نے "حکومت الہیہ" کے موضوع پر جو کچھ کہا ہے وہ چھپا ہوا موجود ہے، کوئی بات اس میں اگر واقعی قابل اعتراض ہو تو اسے پورے حوالے کے

ساتھ نقل کر کے اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے، لیکن اس معقول روش کو ترک کر کے فضول اعتراض گھڑنا اور الزامات تراشنا غیر ذمہ دار لوگوں کا کام ہے جنھیں نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ چوں کہ جماعت اسلامی "حکومت الٰہیہ" کا پروپیگنڈہ کرتی ہے اس لیے لوگ حقیقی اسلام سے منحرف ہو رہے ہیں۔۔۔ مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ، ایسے ہی مواقع پر موزوں ہوتا ہے۔

ان قاضی صاحب سے پوچھا جائے کہ حقیقی اسلام آپ کسے کہتے ہیں اور جماعت اسلامی نے "حکومت الٰہیہ" کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ کس طرح اس حقیقی اسلام سے منحرف کرتا ہے۔ (تجلی دیوبند، اگست ۱۹۶۲ء)

داعیان حق اور اللہ کی سنت

اگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ "دین حق" کی دعوت دینے والے مخلص داعی اور اصلاح و تطہیر کا مشن چلانے والے بے لوث مصلحین شرق سے لیکر غرب تک ہر جگہ باطل کے نرغے میں ہیں، اور طاغوتی قوتوں نے انھیں اس طرح گھیر لیا ہے کہ "اقامت دین" اور "اصلاح معاشرہ" کی مہم چار قدم بھی کامیابی کے ساتھ چلتی نظر نہیں آتی۔

پھر یہ دیکھ کر تعجب میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کہ "داعیان حق" کے خلاف محاذ بنانے والے صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو کھلم کھلا "دین حق" کے حریف اور مذاہب باطلہ میں سے کسی مذہب کے پیرو ہیں، بلکہ بیشمار لوگ ایسے بھی شدومد سے مخالفت پر آمادہ ہیں جو خود کو "دین حق" کا پیرو کہتے ہیں اور ان کا شمار اسی مذہب کے ماننے والوں میں ہوتا ہے جس کی دعوت یہ داعیان حق دے رہے ہیں، ان اپنوں کا عالم یہ ہے کہ دعوت حق کے خلاف ان کا بغض و عناد غیروں سے بھی بڑھ کر جوش مارتا نظر آتا ہے اور دشمنی کا کوئی بد سے بدتر حربہ ایسا نہیں جو یہ "داعیان حق" کے خلاف استعمال نہ کر گذرتے ہوں، مصر ہو یا شام، بھارت ہو یا پاکستان ہر ملک میں یہی منظر نظر آرہا ہے کہ قرآن و سنت کی طرف بلانے والے، قرآن و سنت ہی پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں کے ہاتھوں مجروح و مضروب ہیں، اسلام ہی کا وظیفہ رٹنے والے ان علماء و مصلحین کے دشمن جانی بنے ہوئے ہیں، جن کا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اسلام کو ایک کار فرما اور "غالب دین" کی حیثیت سے معاشرے میں پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کی تمام تر جدوجہد کا منشاء فقط یہ ہے کہ باطل قدریں پامال ہو جائیں اور اللہ کے پاکیزہ دین کو بالادستی حاصل ہو، یہی قصور اتنا بڑا جرم تصور کر لیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں، چوروں اور قاتلوں تک کے خلاف وہ بے رحمی، سخت گیری اور شقاوت نہیں برتی جاتی

جو ان داعیان حق کے خلاف برتی جاتی ہے اور برتنے والے خیر سے کافر نہیں ہوتے مومن ہی ہوتے ہیں۔

اور پھر یہ تعجب مایوسی اور دل برداشتگی میں تبدیل ہو جاتا ہے جب تاریخ کے اوراق پکار پکار کر کہتے ہیں کہ یہ المناک صورت حال فقط آج ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہر دور اور ہر قرن میں برابر۔۔۔ بلا انقطاع ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے، یہاں تک کہ وہ معظم ترین ہستیاں بھی جنھیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے اسی رنجدہ صورت حال کا شکار رہی ہیں اور خدا کی نصرت خاص کے زیر سایہ رہتے ہوئے بھی ان کے سینے مخالفت کے تیروں سے چھلنی کر دیے گئے ہیں۔

لیکن گہرے فکر و تدبر سے کام لیجیے اور مستقیم زاویۂ نظر سے قرآن کا مطالعہ کیجیے تو آپ دیکھیں گے کہ تحیر کی وجہ ہماری کم علمی اور کم فہمی کے سوا کچھ نہیں، قرآن نے تو اب سے ہزار سال پہلے بڑی وضاحت اور تفصیل سے اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوینی کا وہ پہلو آپ کے سامنے رکھ دیا تھا جسے اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد کوئی الجھن ہی اس نتیجے تک پہنچنے میں نہیں رہ جاتی کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے، جہاں بے شمار ٹیڑھی ترچھی راہوں کے درمیان راہ مستقیم پر چلنا لازماً دشوار تر رہے گا اور کامیابی کی منزل مشکلات و مصائب کی گھاٹیوں سے گذرے بغیر ہرگز نہیں آئے گی، امتحان امتحان نہیں ہو سکتا اگر اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کسی مشقت کا لزوم نہ ہو، آزمائش آزمائش نہیں ہو سکتی اگر اس میں پورا اترنا کاوٹوں اور دشواریوں سے دوچار ہوئے بغیر ہی ممکن ہو اور ایمان ایمان نہیں ہو سکتا اگر وہ کھرے اور کھوٹے کا امتیاز کرنے والی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے۔

ولنبلونکم بشیئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصبرین۔ (بقرہ رکوع ۱۹)

اور ہم تمھیں آزمائیں گے کبھی خوف و خطر اور فاقہ کشی میں مبتلا کر کے، کبھی

آمدنیوں تیں گھاٹے اور جان، مال میں نقصانات کے ذریعہ اور خوش خبری دیدو صبر کرنے والوں کو۔

آگے سورۂ بقرہ ہی کی آیت ملاحظہ ہو:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلومن قبلکم ومستهم الباساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معه متی نصرالله۔ (رکوع ۲۶)

کیا تم لوگوں نے یہ تصور کر رکھا ہے کہ بس یونہی تمھیں جنت کا داخلہ مل جائیگا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ کہاں گذرا ہے جو تم سے قبل ایمان لانیوالوں پر گذر چکا ہے، ان پر سختیاں آئیں، مصیبتیں نازل ہوئیں، ہلا کے رکھ دیے گئے، یہاں تک کہ وقت کا رسول اور اسکے اہل ایمان ساتھی چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی۔

کچھ اور آگے "آلِ عمران" کا چودھواں رکوع دیکھیے:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم الله الذین جهدوامنکم ویعلم الصبرین۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ یونہی (خراماں خراماں) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اسکی خاطر صبر کرنیوالے ہیں۔

ان آیات سے کامل صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ جو لوگ جنت جیسی انمول نعمت حاصل کرنے کے لیے دنیا کی امتحان گاہ میں اللہ کے دین کی خدمت اور کلمۂ حق کو بلند و غالب کرنے کی جدوجہد کریں گے، انھیں لازماً آفات و نوائب کے خارزاروں سے گذرنا ہو گا، انھیں اپنوں اور بیگانوں کے جور و ستم کا ہدف بننا ہو گا، انھیں طرح طرح کی جسمانی، روحانی اور ذہنی اذیتیں سہنی ہوں گی، ان پر شدائد کے پہاڑ ٹوٹیں گے اور اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ ان مصیبتوں اور تکلیفوں پر انھوں نے صبر کیا، یا راہِ

حق کو چھوڑ کر بھاگ نکلے، اللہ اس کا محتاج نہیں ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں، بندے خود اس کے محتاج ہیں کہ صراطِ مستقیم پر چل کر خود کو عذاب سے بچائیں اور بہشت کے مستحق قرار پائیں، آیئے وہ آیات بھی دیکھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کارگاہِ عالم کے لیے اپنی مستقل اور غیر متبدل تکوینی سنت کو شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، دنیاوی حکومتیں جس طرح اپنی مستقل پالیسیاں بناتی ہیں اسی طرح حق وباطل کی آویزش کے رخ پر اللہ کی ایک مستقل پالیسی ہے جو قیامت تک کے لیے طے کردی گئی ہے اور اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔

"سورۂ اعراف" کھولیے، دوسرے رکوع سے اللہ تعالےٰ ایک قصہ بیان فرماتا ہے جو ایک طرف آغازِ آفرینش کے سر نہاں سے پردہ اٹھاتا ہے تو دوسری طرف اسی حکمت تکوینی سے آگاہ کرتا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔

قصے کا بیان کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے، وہ کہتا ہے: اے لوگو! ہم نے ابتداءً تمھاری تخلیق کی، پھر تمھیں شکل وصورت بخشی، پھر تمام فرشتوں کو ہم نے حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، اس حکم پر سارے ہی فرشتے سربسجدہ ہوگئے مگر ایک ابلیس تھا کہ جس نے تعمیل حکم نہ کی، اللہ نے پوچھا کہ اے ابلیس! میرا حکم صادر ہو جانے کے باوجود تجھے کس چیز نے سجدے سے روکا؟ ابلیس نے جواب دیا کہ اے خدا میں اس آدم سے بہتر ہوں جس کے آگے تو مجھے سربسجدہ ہونے کا حکم دے رہا ہے، مجھے تو تو نے "آگ" سے پیدا کیا ہے اور اسے "مٹی" سے، یہ گستاخانہ جواب سنکر اللہ نے فرمایا کہ اچھا تو یہاں سے نیچے اتر، تجھے ہرگز حق نہیں کہ یہاں اپنی بڑائی جتائے، نکل جا کہ فی الحقیقت تو ان بد نصیبوں میں ہے جو خود ہی اپنی ذلت پسند کرتے ہیں۔

اب بجائے تائب اور شرمسار ہونے کے ابلیس بولا آپ مجھے قیامت تک کے لیے مہلت دیجیے، اللہ نے فرمایا کہ جا تیری درخواست منظور، تجھے حشر تک کے لیے مہلت دی گئی، اللہ کی اس فیاضانہ عطا نے بھی ابلیس کے گھمنڈ کا طلسم نہیں توڑا بلکہ وہ

بد بخت کہنے لگا، تو سن لیجیے، جس طرح آپ نے مجھے گمراہوں کے زمرے میں شامل کر دیا ہے، اس کا بدلہ میں اس طرح لوں گا کہ آپ کی صراط مستقیم پر آپ کے بندوں کی گھات میں بیٹھوں گا، آگے، پیچھے، داہنے، بائیں ہر طرف سے انھیں گھیرونگا، گمراہ کروں گا اور آپ دیکھ لیں گے کہ زیادہ تعداد ان کی ناشکروں ہی پر مشتمل ہوگی۔

اللہ نے کہا نکل یہاں سے ذلیل اور ٹھکرایا ہوا، جو بھی تیرے بہکائے سکھائے میں آئیں گے ان سب کو بھی تیرے ہی ہمراہ دوزخ میں جھونک دوں گا۔

یہ قصہ خدا کا بیان فرمودہ ہے اس لیے کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ یونہی تفریحاً بیان کر دیا گیا ہوگا، اس میں ہمارے لیے اللہ نے اپنی اس تکوینی حکمت کو آشکارا کیا ہے کہ دنیا کی امتحان گاہ میں وہ شیطان کو بلاشبہ یہ موقع قیامت تک دیے رکھے گا کہ وہ اپنی ذریات کے ذریعے لوگوں کو راہِ حق سے منحرف کرے، ورغلائے، بہکائے اور پھر جو لوگ اس کے بہکائے میں آکر راہِ حق سے منحرف ہو جائیں یا کامل انحراف نہ سہی مگر عملاً فسق و فجور کو اختیار کرلیں انھیں عذاب نار کا مزا چکھایا جائے، کیونکہ وہ امتحان میں فیل ہو گئے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی قدرت اور اختیار رکھنے کے باوجود انھوں نے گمراہی پسند کی۔

شیطان کتنا ہی قوی اور کثیر الوسائل اور مکار سہی لیکن اسے گمراہ کرنے کی چھوٹ مل جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس کی ریشہ دوانیوں کے آگے ابن آدم کا وہ اختیار ختم ہو گیا جو اسے برائی اور بھلائی میں سے جسے چاہے پسند کر لینے کے سلسلے میں اللہ نے عطا کیا ہے، اگر انسان شیطان کے بھرے میں آتا ہے تو یہ کوئی معذوری نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ارادے اور اختیار ہی سے گمراہی کا طوق اپنے گلے میں ڈالتا ہے۔

اس نکتے کی توضیح خود باری تعالیٰ نے دوسرے مقام پر کر دی ہے، "سورۂ بنی اسرائیل" کا ساتواں رکوع ملاحظہ ہو، وہاں بھی یہی مذکورہ قصہ الفاظ بدل کر بیان ہوا ہے، اس میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "اے ابلیس، جا تو جسے اپنے دام فریب میں

لا سکتا ہے لا، ان پر اپنے سوار اور پیادے لے کر چڑھ دوڑ، ان کے مال اور اولاد میں اپنا سا جھا لگا لے اور انھیں وعدوں کے سبز باغ دکھا اور ظاہر ہے کہ شیطانی وعدے دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتے، یقیناً میرے بندوں پر تجھے اختیار اور اقتدار ہرگز حاصل نہ ہوگا"۔

آخری فقرے نے واضح کر دیا کہ اللہ کے بندے شیطان کی قوت کے آگے بے بس نہیں ہیں، ان کا وہ اختیار سلب نہیں ہوا ہے جس سے کام لیں۔ وہ شیطان کی پیروی سے انکار و احتراز کرنے پر بھی اتنے ہی قادر ہیں جتنے پیروی کرنے پر، لہذا قدرت و اختیار کے باوجود انھوں نے اپنے آپ کو شیطانی دسیسہ کاری کے دھارے میں بہا دیا تو اس کی سزا انھیں ضرور دی جائیگی۔

اس آیت سے یہ بھی پتا چلا کہ شیطان اکیلا نہیں ہے بلکہ لاؤ لشکر اس کے ساتھ ہیں، انسانوں اور جنوں میں جو اس کے پیرو بن جاتے ہیں وہ سب اس کے لشکر کے سپاہی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور جس طرح لشکر میں چھوٹے بڑے عہدیدار ہوا کرتے ہیں اسی طرح شیطانی لشکر بھی سولجروں، بریگیڈیروں، کرنلوں، لفٹیننٹوں اور جرنلوں پر مشتمل ہوتا ہے، جسے پکا اخبث اور مکار دیکھا اسے ایک یونٹ کی سرداری سپرد کر دی، جو اس سے بھی بڑا اخبث اور عیار ہوا اسے کئی یونٹوں پر سالار بنا دیا، یہاں تک کہ جن اہل ایمان کو دنیا کے کسی ملک کی سربراہی ملی ہوئی ہے انھیں بہکانے سکھانے پر شیطان بڑا زور لگاتا ہے اور جب اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے تو انھیں بہت سے یونٹوں کا کمانڈر بنا دیتا ہے کیونکہ یہ اقتدار و قوت کے ذریعے باطل اقدار کو فروغ دینے اور حق و صداقت کا راستہ روکنے کی زیادہ استعداد رکھتے ہیں۔

یہی وہ لاؤ لشکر ہے جسے ذریاتِ شیطانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ داعیانِ حق اور مصلحین کے لیے شدید آزمائشیں اور تکلیفیں تو اللہ تعالیٰ کی طے شدہ حکمتِ تکوینی کا ایک قدرتی جز ہیں جس

سے مفر ہی نہیں اور ایسا کبھی ہوا ہی نہیں کہ دین کی دعوت لیکر اٹھنے والوں کی راہ میں شیطان اپنے لاؤلشکر لے کر رکاوٹوں اور مصیبتوں کے پہاڑ نہ کھڑے کر دیتا ہو۔

اگر بات صرف اتنی ہی ہوتی کہ داعیانِ حق کی مخالفت تنہا کافروں کی طرف سے کی جاتی تب تو شیطان کا شکست یاب ہو جانا یقینی تھا، کیونکہ باطل اور حق کے تصادم میں باطل کا پسپا ہو جانا نوشتۂ تقدیر ہے، جس کی خبر اللہ نے ان الفاظ میں دی ہے بل نقذف بالحق علے الباطل فیدمغه فاذا ھو زاھق (بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں بس وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے اور باطل دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے)

علاوہ اس کے کھلے کافروں کی مخالفت و مخاصمت خواہ کتنی ہی قوی ہو لیکن اہل حق کا باہمی اتحاد اس کا بھرپور جواب بن سکتا ہے، لہذا شیطان کی سب سے بڑھ کر اور سب سے مقدم کوشش یہی ہوتی ہے کہ علماء و صلحاء کے مقابلے پر مسلمانوں ہی میں سے اشرار و اشقیا جمع کر کے لائے اور دعوتِ حق کے خلاف اہل اسلام ہی میں ایسی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلائے کہ کتنے ہی علماء و فضلاء اور اخیار و اتقیاء بھی بجائے تعاون دینے کے اس دعوت کو شبہہ کی نظروں سے دیکھیں اور اس کے برپا کرنے والوں کو غلط کار و غلط فکر سمجھ کر مخالفت و مخاصمت پر آمادہ ہوں۔

ماضی بعید سے لیکر آج تک کی تاریخ دعوت دیکھ جایئے، ہر عہد اور ہر ملک میں یہی ملے گا کہ "داعیانِ حق" کے بالمقابل ابلیس مسلمانوں ہی میں سے شریروں اور آوارہ گردوں کے علاوہ اچھے خاصے اربابِ علم و فضل، اہل جبہ و دستار اور اصحاب تسبیح و مصلی کو گھیر لایا ہے، وہ سب ملکر دعوت حق کے خلاف ایسی جارحانہ کارروائیاں کر رہے ہیں جن سے داعیانِ حق کے لیے قدم قدم پر مشکلات کھڑی ہو رہی ہیں اور شیطان انھیں اس ناپاک اور سفیہانہ کام میں مصروف کر کے دوسرے محاذوں پر اپنی دسیسہ کاریوں کے لیے فارغ ہو گیا ہے۔

یہ بات کون نہیں جانتا کہ علماء و صلحاء انبیاء علیھم السلام کے جانشین ہیں،

خود انبیاء کے لیے اللہ تعالیٰ نے جس مخالفت کو مقسوم و مقدور فرما دیا ہے اسے بھی قرآن ہی میں دیکھ لیجیے:

وكذالك جعلنا لكل نبى عدوا شيطين الانس والجن يوحى بعضهم الى بعض زخرف القول غروراً۔ (الانعام۔ رکوع ۱۴)

اور ہم نے اسی طرح ہمیشہ انسانوں اور جنوں کے شیاطین کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پر بطور مکر و فریب کے ظاہر فریب باتیں القاء کرتے رہتے ہیں۔

جب اپنے ایلچیوں اور پیغام بروں ہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوینی یہ قرار پائی کہ شیطانوں کی ریشہ دوانیوں سے وہ فارغ نہ رہیں اور دعوتِ حق کا کام شیطانی رکاوٹوں کے بغیر انجام نہ پائے، تو ان ایلچیوں اور پیغامبروں کے جانشینوں کا مقدر تو بدرجۂ اولیٰ ہونا ہی یہی چاہیے کہ شیطان انھیں گھیرے، ستائے، آفتوں میں ڈالے، کیسے ممکن تھا کہ پیغمبروں کے لیے تو مشیتِ ایزدی شیاطین کی مخالفت و مخاصمت لازم قرار دیتی اور پیغمبروں کے جانشین اس لزوم سے مستثناء قرار پا جاتے، بلا ریب و شک واضح ہو گیا کہ ہر دور کے داعیانِ حق اور مصلحین کا آفات و نوائب سے دوچار ہونا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ایک قانونِ تکوینی ہے، سنتِ الہیہ ہے، نوشتۂ تقدیر ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس پر حیرت کی جائے، مایوس ہوا جائے۔

ہمارے اپنے ملک میں ابھی کچھ ہی روز ہوئے سلسلۂ دعوت کے ایک ہنگامی انقطاع کے بعد "ابوالاعلیٰ" نامی ایک شخص نے اس انقطاع کے خلا کو پر کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا تھا اور پھر یہ کوشش "جماعت اسلامی" نامی ایک جماعت کی شکل میں ڈھل گئیں تھیں، ابتداءً شیطان کو کچھ زیادہ توجہ نہ ہوئی کیونکہ وہ اپنا زیادہ وقت اور زور ان افراد اور جماعتوں پر صرف کرتا ہے جو اصلاح و تطہیر کے معاملے میں ممتاز ہوں، پیش پیش ہوں، قوی اور موثر ہوں، جماعت اسلامی اپنے آغاز میں بہت ہی قلیل الافراد تھی اور اجنبی بھی ــــــ مگر جب اس نے میدانِ دعوت میں آگے قدم

بڑھایا اور اس کے مفید اثرات کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو شیطان کے بھی کان کھڑے ہوئے اور وہ اپنی دیرینہ عادت کے مطابق اہل اسلام ہی میں سے زیادہ سے زیادہ افراد کو بہکا سکھا کر اس جماعت کے بالمقابل لانے کی جدوجہد پر کمربستہ ہو گیا، اس کی چالاکیاں خدا کی پناہ، کم علم و فہم تو اس سے بچ کر کہاں جاتے، اچھے اچھے اہلِ علم و فہم بھی (الاماشاء اللہ) اس کے بھرے میں آتے گئے اور پھر ملک کے کونے کونے میں جہاں جماعت اسلامی کے موافقین و موئدین پیدا ہوتے چلے گئے، وہیں مخالفین و معاندین کی ٹولیاں بھی بنتی گئیں، ان ٹولیوں میں اگر ٹٹ پونجیوں اور آوارہ گردوں کی بہتات تھی تو ایسے بھی بہتیرے حضرات ان میں شامل تھے جنھیں عالم اور متقی اور پرہیزگار خیال کیا جاتا تھا۔

(تجلی، دیوبند، ستمبر ۱۹۶۷ء)

جماعت اسلامی اور جماعتِ تبلیغی

سوال : از عماد الدین۔ "بارہ بنکی"

محترم مدیر "تجلی" کی خدمت میں ایک اہم مسئلہ پیش کر رہا ہوں جو عرصے سے موجبِ الجھن بنا ہوا ہے اور لوگ غلط فہمیوں میں بھی مبتلا ہوتے رہتے ہیں، امید ہے کہ اسے معہ تفصیلی جواب کے "تجلی" میں شائع کر دیا جائے گا، آج کل تبلیغی جماعت بھی کافی ترقی کر گئی ہے اور "جماعت اسلامی" کا جہاں بھی اجتماع ہوتا ہے بالعموم دونوں جماعتوں کے بارے میں سوالات ضرور کیے جاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ "تبلیغی" اور "جماعت اسلامی" میں کیا فرق ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "ہندوستان" کے لیے "تبلیغی جماعت" زیادہ موزوں ہے، اور "پاکستان" کے لئے "جماعت اسلامی" اس کے لیے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ "پاکستان" میں جماعت اسلامی زیادہ ترقی کر گئی ہے، حالانکہ مزاحمت اور کشمکش وہاں شدید ہے، مگر "ہندوستان" کی جماعت بہت سست رفتاری سے چل رہی ہے، حالانکہ ویسے سخت حالات یہاں نہیں ہیں، پھر اقامتِ دین کے لیے یہاں کی فضا ہموار کرنے میں بہت عرصہ لگے گا کیونکہ یہاں کی اکثریت اسلام سے حد درجہ نامانوس اور گریزاں ہے، بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ "تبلیغی جماعت" اور "جماعت اسلامی" میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، اور آگے چل کر دونوں مل جائیں گی۔

جواب :

دونوں جماعتوں کا فرق کوئی سمجھدار آدمی دونوں کے لٹریچر اور سرگرمیوں کا مطالعہ کر کے بخوبی سمجھ سکتا ہے، "محور دونوں کا حقیقتاً ایک ہی ہے، خدا کی رضا اور آخرت کی فلاح"، لیکن طریق کار، انداز فکر اور مراحل و منازل دونوں کے جدا جدا ہیں،

یہ غلط ہے کہ فلاں ملک کے لئے ایک جماعت موزوں ہے اور فلاں ملک کے لیے دوسری، جماعتیں دونوں ہی ہر ملک کے لیے موزوں ہیں بشرطیکہ وہ ایک دوسرے کی حریف نہ بنیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ دعوتِ حق کی گاڑی ہر ملک اور ہر ماحول میں یکساں رفتار سے نہیں چل سکتی، جہاں رکاوٹیں زیادہ ہوں گی وہاں رفتار بھی سست ہی پڑ جائے گی، لیکن فریضہ بہر حال فریضہ ہے، حق کی دعوت جاری رکھنا اور خدا کے دین کی خدمت کرتے رہنا امتِ مسلمہ کا فرض ہے، اپنی اپنی فہم، استطاعت اور صوابدید کے مطابق ہر ملک اور ہر ماحول میں یہ دعوت جاری رہنی چاہیئے۔

اگر جماعت اسلامی اور جماعت تبلیغی آگے چل کر شیر و شکر ہو جائیں تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے، مقصد تو ہے خدمت دین و ملت، یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو خیر ہی خیر ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اخوتِ اسلامی کے سانچے میں ڈھل جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (تجلی، دیوبند، اکتوبر ۱۹۶۷ء)

جماعت اسلامی اور سیاست

سوال :

"جماعت اسلامی" کے بارے میں میرا بہت اچھا خیال ہے کہ "ہندوستان" میں یہ واحد جماعت ہے جو خالص اللہ کے دین کی اقامت چاہتی ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر جماعت اسلامی ملک کے اندر صالح انقلاب لاکر اسلامی نظام کیسے قائم کرسکتی ہے جب کہ ہندوستان میں اکثر مسلمان اس کے مخالف ہیں اور اس پر تکفیر اور تفسیق کے فتوے جڑے جاتے ہیں، میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں مذہبی پلیٹ فارم سے وہ کامیاب نہیں ہوسکتی، بلکہ اگر وہ ہندوستان میں سیاسی پلیٹ فارم اختیار کرے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ملک کے اندر صالح انقلاب لاکر "اسلامی نظام" قائم کرسکتی ہے۔

جواب :

جب کسی بڑی عمارت یا پل یا بند کی تعمیر پیش نظر ہوتی ہے تو پہلے اس کے لیے سامان تعمیر جمع کیا جاتا ہے، مزدور اور راج تلاش کیے جاتے ہیں، پیمائش اور نقشہ کشی کے مراحل سے گذارا جاتا ہے، "جماعت اسلامی" کے پیش نظر جو صالح انقلاب ہے وہ کوئی منھ کا لقمہ نہیں، وہ ایک عظیم الشان اور دشوار ترین کام ہے جس کے لئے ابتدائی تیاریاں ہی بڑی محنت اور وقت کی طالب ہیں، وہ فی الحال اسی پوزیشن میں ہے کہ جس رفیع الشان عمارت کی تعمیر اس کے پیش نظر ہے اس کا ساز و سامان مہیا کرنے کی کوششوں میں لگی رہے۔

آپ نے سیاسی اور مذہبی پلیٹ فارموں کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ جماعت اسلامی کے طرز فکر سے مطابقت نہیں رکھتا، اسلام نے "دین و سیاست" کو دو مستقل بالذات حلقوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ وہ ایک دوسرے میں داخل ہیں، لہذا

جماعت اسلامی کا طریق کار بھی ایسا ہی ہے کہ اس پر مذہبی اور سیاسی دونوں کا اطلاق ہو سکتا ہے، آپ کا منشاء اگر یہ ہے کہ "جماعت اسلامی ہند" الیکشنی سطح پر سیاست میں حصہ لے تو اگرچہ وہ ایسا کرنے کو اصولاً غلط نہیں سمجھتی، اور آپ نے دیکھ ہی لیا کہ "جماعت اسلامی پاکستان" نے الیکشن میں حصہ لیا، مگر یہ بھی آپ نے دیکھ لیا کہ وہاں اسے کوئی سیاسی کامیابی نہیں ہوئی لہذا "ہندوستان" میں الیکشنی سیاست سے اسے کیا فائدہ پہنچے گا جب کہ یہاں اسے کامیابی کے وہ امکانات بھی میسر نہیں جو پاکستان میں ہیں، ایسی صورت میں صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ الیکشن گردی اور سیاسی چپقلشوں سے دامن بچاتے ہوئے اینٹ گارے اور راج مزدوروں کے انتظام میں لگی رہے کہ اس کے بغیر کسی عمارت کی تعمیر ہی متصور نہیں۔

جہاں تک امکانات کا تعلق ہے آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ تن تنہا دعوت حق لے کر اٹھے تھے، سارا ملک کفر و شرک سے معمور تھا، توحید کا نغمہ اس فضا میں یکسر نامانوس تھا، پھر بھی اس دعوت کو کامیابی حاصل ہوئی، لہذا نا ممکن تو کہیں بھی کچھ نہیں، لیکن اگر ہندوستان میں سو سال تک بھی وہ صالح انقلاب نہ آسکے جو جماعت اسلامی کے پیش نظر ہے تو آخر اس میں غم و تشویش کی کیا بات ہے؟ دنیا، دنیا بنانے والے کی ملکیت ہے، وہ مختار ہے اسے جس طرح چاہے چلائے، جماعت اسلامی یا کسی بھی مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد نہیں کی گئی ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو "حکومت الہیہ" قائم کر ہی دے، جماعت اسلامی کا فریضہ صرف یہ ہے کہ موجود الوقت حالات میں دائرۂ شریعت میں رہ کر بغیر فتنہ برپا کیے جو کچھ "اعلائے کلمۃ الحق" اور "اقامت دین" کے لیے کیا جا سکتا ہے کرتی جائے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دے، اب اگر آنجناب کے خیال میں ایسا کوئی لائحہ عمل ہو جو تحریک "اقامت دین" کے حق میں جماعت اسلامی کی موجودہ روش اور طرز عمل سے زیادہ مفید ہو تو اسے ضرور ارکان جماعت کے آگے رکھیے تاکہ وہ اس کے حسن و قبح پر غور کر سکیں، صرف یہ کہہ دینا کہ جماعت کو سیاسی پلیٹ فارم پر آجانا چاہیے ایک مجمل اور وضاحت طلب بات ہے جس سے عملی فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ (تجلی، دیوبند سالنامہ ۱۹۷۱ء)

علماء اور جماعت اسلامی

سوال : (نام نہ معلوم) از جھنجھانہ۔

موجودہ دور میں اسلام جن حالات سے گذر رہا ہے کیا اس کی خبر ہمارے علمائے دین کو نہیں؟ اسلام کو غالب کرنے کی نہ وہ خود کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی اور کو کرنے دیتے ہیں، جیسا کہ جماعت اسلامی کی مخالفت ہو رہی ہے، اگر یہ جماعت گمراہ جماعت ہے تو وہ اس کی ڈٹ کر مخالفت کیوں نہیں کرتے، اور اگر یہ جماعت حق پر ہے تو پورے ملک میں اس چیز کا اعلان کیوں نہیں کرتے کہ اس جماعت کا ساتھ دو۔

جواب :

یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ علماء "جماعت اسلامی" کی مخالفت ڈٹ کر نہیں کرتے، جن علماء کو اس جماعت سے سوء ظن ہے وہ برابر مخالفت میں لگے ہوئے ہیں، اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے اس کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جہاں تک اسلام کو غالب کرنے کے تصور کا سوال ہے، آج کل اکثر و بیشتر علماء یہ عقیدہ ہی نہیں رکھتے کہ ایسی کوئی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، انھوں نے ایک مثال تلاش کرلی ہے کہ زکوٰۃ مسلمان پر اسی وقت فرض ہے جب کوئی "نصاب" اس کے پاس موجود ہو، لیکن یہ اس پر فرض نہیں ہے کہ "نصاب" نہ ہو تو اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کرے، اسی طرح قرآن وحدیث میں جو احکام حکومت وسیاست سے متعلق ہیں ان کی تعمیل اسی صورت میں ضروری ہے جب مسلمان کو اقتدار حاصل ہو، لیکن اقتدار نہ ہو تو اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد ان پر لازم نہیں۔

یہ ایک خوشنما ظاہر فریب مثال ہے جو اس بات پر مطمئن کر دیتی ہے کہ

اسلام کی مغلوبیت کا کچھ بھی حال ہو ہم پر اسکے سلسلے میں کوئی ذمہ داری نہیں، پھر وہ غلبۂ اسلام کی جدوجہد کیسے کریں۔

ویسے بے شمار علماء جماعت اسلامی میں شامل ہیں اور ان کا موقف یہی ہے کہ ہمیں اپنی استطاعت اور وسائل کی حد تک غلبۂ اسلام کی کوشش ضرور کرنی چاہیئے لیکن غلبۂ اسلام کی منزل تو دور کی منزل ہے، فی الحال ہمیں اپنے ملک میں سب سے بڑا مسئلہ یہی درپیش ہے کہ جتنا کچھ اسلام افراد ملت میں باقی ہے وہی محفوظ رہ جائے اور جس حد تک اسلامی قوانین پر عمل کی آزادی موجود ہے وہی موجود رہ جائے، لہذا یہاں جماعت اسلامی تمام تر کوشش اسی سطح پر کر رہی ہے اور یہی مناسب بھی ہے۔

(تجلی دیوبند جون ۱۹۷۲ء)

جماعتِ اسلامی کا نام

سوال : از۔ عبدالرحیم۔ "آندھرا پردیش"

ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں ان کے سامنے جماعت اسلامی کی دعوت پیش کی گئی وہ فرماتے ہیں کہ کیا ہم مسلمان نہیں ؟ کیا جماعت اسلامی میں کام کرنے والے ہی مسلمان ہیں ؟ ہم نے انھیں بتایا کہ آپ اور ہم سب مسلمان تو ہیں لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں مل کر دین کا حق ادا کرنا چاہیئے جو قرآن پیش کرتا ہے، انھیں "سورۃ آل عمران آیت ۱۴"، سنائی، (تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیئے جو نیکیوں کی طرف دعوت دے اور برائیوں سے روکے) اس کے باوجود بھی وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں قرآن پڑھتا ہوں اور حدیث بھی پڑھتا ہوں اور خود عمل کرلوں گا، پھر انھیں اس حدیث کا حوالہ بھی دیا گیا علیکم بالجماعۃ وایاکم والفرقۃ (ترمذی) جماعت کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور انتشار سے بچو، اس حوالے کے باوجود بھی وہ صاحب فرماتے ہیں کہ "جماعت اسلامی" نام کی کیا ضرورت ہے ؟ کیا "جماعت اسلامی" کا نام غلط ہے ؟ براہِ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں ماہ مئی کے "تجلی" میں جواب عنایت فرمائیں۔

جواب :

آپ کا کام دعوت پیش کرنا ہے، جو مانے مان لے نہ مانے نہ مانے، ہر شخص سے اگر آپ بحثوں میں الجھتے رہے تو وقت کی بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

حیرت آپ پر ہے کہ آپ بھی ہم سے یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ کیا "جماعت اسلامی" کا نام غلط ہے ؟ ۔۔۔ اگر آپ آج تک اس سیدھے سادے سوال کا

جواب بھی نہ جان سکے تو پھر دوسروں تک دعوت پہنچانے کی زحمت اٹھانے کے بجائے خود اپنے فکر و خیال کی درستی کی طرف توجہ دیجیے۔

ایک چیز کو دوسری چیز سے ممتاز کرنے اور پہچاننے کے لئے نام رکھے جاتے ہیں، "جماعت اسلامی" ایک ایسی جماعت کا نام ہے جو ایک خاص طرز پر خدمتِ اسلام کا ارادہ رکھتی ہے، نام کا مقصد تعارف کے سوا کچھ نہیں، رہے اوندھے سیدھے اعتراض، ان میں جاہلوں کو سر کھپانے دیجیے، کسی شخص کا نام اگر "خدا بخش" رکھا گیا تو دنیا میں کون اس کا یہ مطلب سمجھے گا کہ بس یہی شخص خدا کا بخشا ہوا ہے اور باقی سب انسان کسی اور کے بخشے ہوئے ہیں، ظاہر ہے ایسا مطلب کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا، اسی طرح "جماعت اسلامی" سے یہ مطلب نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس جماعت سے باہر جو لوگ ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں، ایسا مطلب جو لوگ نکالتے ہیں وہ یا تو سچ مچ بہت بڑے احمق ہیں یا پھر جان بوجھ کر وہ لوگوں کو جماعتِ اسلامی سے بدگمان کرنا چاہتے ہیں۔

بہر حال آپ ایسی لغوبحثوں میں نہ پڑیے، کوئی شخص اگر آپ کی دعوت سے حسن ظن نہیں رکھتا تو محبت اور نرمی اور حکمت کے ساتھ کوشش کیجیے کہ اس کے اندر حسن ظن پیدا ہو جائے، اسے اچھی کتابیں پڑھنے کو دیجیے اور جو کوشش ہو کیجیے پھر بھی کامیابی نہ ہو تو اپنے حال پر چھوڑ دیجیے۔ (تجلی دیوبند۔ جولائی، اگست ۱۹۷۲ء)

جماعت اسلامی کا نصب العین

سوال : از۔ محمد اسماعیل خاں فاروقی۔ "حیدر آباد" نمبر ۲

ایک مولوی صاحب جو صالح العقیدہ بھی ہیں "جماعت اسلامی" کے نصب العین "اقامت دین" سے سخت اختلاف رکھتے ہیں اور اس کے خلاف اپنے حلقۂ اثر میں تبلیغ بھی فرماتے رہتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک مسلمان کا نصب العین اور مقصد زندگی اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ صرف "آخرت یعنی جنت" ہو سکتا ہے چونکہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں، مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لینے کی خوش خبری سنا رہے ہیں، انبیاء کرام بھی اس دنیا میں انسانوں کو آخرت کی طرف دعوت دینے کے لیے تشریف لائے تھے، وہ جنت کی بشارت اور عذاب نار ہی سے لوگوں کو ڈراتے تھے، انھوں نے "اقامت دین" کے عنوان سے اسلامی حکومت کے قیام کی کبھی بھی کوشش نہیں کی خصوصاً حضور ﷺ کے سامنے پہلے سے "اسلامی ریاست" کے قیام کا باضابطہ کوئی پروگرام نہیں تھا اگر ایسا ہوتا تو حضور ﷺ اپنے ارشادات میں اس کو صاف صاف بیان فرمائے ہوتے۔

امید کہ آپ مندرجہ بالا خیالات پر سیر حاصل گفتگو فرمائیں گے۔

جواب :

بے شمار مسلمان بھائی ایسے ہیں جنھوں نے "جماعت اسلامی" کے بنیادی لٹریچر، اس کی تاریخ، اس کے نصب العین اور اس کی دعوت کا بغور مطالعہ نہیں کیا، مگر سنی سنائی بے تحقیق باتوں کی بنا پر وہ "جماعت اسلامی" سے بد ظن ہو گئے، ان لوگوں میں بعض تو وہ ہیں جو فطرتاً نیک ہیں، مخلص ہیں، دین دار ہیں، مگر ذہانت و فراست سے محروم اور معاملہ فہمی کی صلاحیت سے عاری ہیں اور بعض وہ ہیں جن کی طینت ہی میں کجی ہے، جن کا ذہنی سانچہ اتنا بگڑا ہوا ہے کہ اس میں کوئی سیدھی بات ترچھی اور ٹیڑھی

ہوئے بغیر داخل ہی نہیں ہوتی۔

ہم نہیں جانتے کہ مولوی صاحب مذکوران میں سے کس گروہ کے فرد ہیں، لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ انھیں غلط فہمی ہوئی ہے، ان میں فہم ودرایت کی کمی ہے، انھوں نے "جماعت اسلامی" کا لٹریچر بھی ضروری حد تک نہیں دیکھا ہے، اگر یہ تحقیق حق کا عزم لیکراس کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے تو دواور دو چار کی طرح ان پر واضح ہو جاتا کہ "جماعت اسلامی" کا نصب العین بھی فلاح آخرت ہی ہے، وہ بھی رضائے الٰہی کے سوا کسی بنیاد پر قائم نہیں کی گئی۔

ایک موٹی سی بات یہ سمجھ لینے کی ہے کہ دین الٰہی کو پھیلانا اور غالب کرنا ہی تمام انبیاء کا مقصد بعثت رہا ہے، چنانچہ جس نبی کو بھی حالات نے یہ موقع دیا ہے کہ مسندِ اقتدار سنبھال کر اللہ کے قانون کو بندوں پر نافذ کردے، اس نے لمحے بھر کو بھی امارت وامامت کی مسند سنبھالنے میں تامل نہیں کیا ہے، سب سے نمایاں اور ہم لوگوں کے لیے معیار ومستدل اسوہ سرور کائنات ﷺ کا ہے، جب آپ کی دعوت پھیلی اور اتنے افراد اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے کہ ان کی مدد سے معاشرے میں اسلامی قانون نافذ کرنا ممکن ہو گیا تو آپ نے بلا تاخیر اس قانون کو نافذ کر دیا اور کسی کی مجال نہ رہی کہ آپ کے اختیار واقتدار کو چیلنج کر سکے، اسی کا نام ہے "اقامت دین"۔

"جماعت اسلامی" کا اساسی موقف یہ ہے کہ قرآن نے جس "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ڈالی ہے اس کی ذمہ داریوں کو پورا کیا جائے اور جس طرح اللہ کے آخری رسول ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے اسلام اس پوزیشن میں آگیا تھا کہ معاشرے میں وہی غالب ونافذ ہو، اسی طرح ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اسلامی قانون پھر غالب ونافذ ہو۔

یہی سیدھی سچی بات ہے جسے غلو اور تعصب آمیز انداز نظر کی سان پر چڑھا کر "ہوا" بنا دیا جاتا ہے اور عجیب عجیب اعتراضات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔

کیا قرآن میں بار بار یہ بات نہیں کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں دیتے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں، فاسق ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قانونِ الٰہی یعنی "شریعت اسلامیہ" کے قوانین کا معاشرے میں جاری و نافذ ہونا ہی اللہ کو مطلوب ہے، اور جب یہ مطلوب ہے تو اسی مطلوب کو "نصب العین" بنا کر ایک جماعت کا اٹھ کھڑا ہونا آخر بجائے لائق تحسین ہونے کے، سزا اور اعتراض کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟

الفاظ و اصطلاحات کی بات الگ ہے، ان میں تو ہر زمانے میں تغیر ہوتا ہی رہتا ہے، دیکھنا اصل مقصد اور روح کا ہے، "اقامت دین" کی اصطلاح اگرچہ نئی نہیں بلکہ قرآن و حدیث میں بکثرت استعمال ہوئی ہے لیکن اگر "جماعت اسلامی" یا کوئی اور جماعت ایک نئی اصطلاح بھی اختیار کر لیتی ہے تو اس میں طعن کی کیا بات ہے؟

رہا یہ بچکانہ اعتراض کہ حضور ﷺ نے تو کوئی باضابطہ پروگرام "اسلامی ریاست" کے قیام کا نہیں بنایا تھا' تو یہ ایسا ہی ہے جیسے "زید" ایک بہت بڑے دینی مدرسے کی تعمیر و تاسیس کا پروگرام لے کر قوم سے مدد کی اپیل کرے اور "بکر" اس پر یہ اعتراض شروع کر دے کہ حضور ﷺ نے تو کبھی ایسے کسی پروگرام کا اعلان نہیں کیا، انھوں نے تو بس ضمنی انداز میں چھوٹے پیمانے پر لوگوں کی تعلیم کا تھوڑا سا انتظام کیا ـــــ کیا اس اعتراض میں کچھ معقولیت ہو گی؟

اللہ تعالیٰ دل و دماغ کو شیطان کی دسیسہ کاریوں سے بچائے، "جماعت اسلامی" کے مقصد و موقف میں کوئی پیچیدگی اور ٹیڑھ نہیں ہے، لیکن دنیا میں کون سی سچائی اور کونسا حق ایسا ہے جسے طعن و اعتراض کا ہدف نہ بنایا گیا ہو؟ اللہ کے کلام اور آخری پیغمبرؐ کی رسالت تک میں "فی" نکالنے والے پہلے بھی موجود رہے ہیں، اور آج بھی موجود ہیں، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

(تجلی دیوبند، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۲ء)

جماعتِ اسلامی کس سلوک کی مستحق ہے؟

سوال : از محمد عبدالرحیم۔ "ورنگل" (اے۔پی)

"جماعت اسلامی" کے مرتبہ دستور کے مطابق اس کی غرض و غایت، "اقامتِ دین" اور "حکومت الٰہیہ" کا قیام ہے۔

چنانچہ جماعت اپنے قیام کے بعد سے آج تک اس خصوص میں مخلصانہ خاموش طور پر اپنے کثیر لٹریچر اور مطبوعات واجتماعات اور مخصوص درس گاہوں میں نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کے ذریعہ جو کوشش کرتی آرہی ہے، وہ سب پر ظاہر ہی ہے، لہذا جماعت کی اس اخلاص پر مبنی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ بالکلیہ نہیں تو کچھ نہ کچھ "مسلمانانِ ہند" میں جہاں اسلامی عملی ذہنی بیداری پیدا ہوئی ہے وہیں اس نے متاثرین و متقین بھی پیدا کیے ہیں، لیکن جماعت اس خصوص میں ایک طویل تاریخ کے باوجود عملی طور پر وہ انقلاب یا وہ کام آجتک انجام نہ دے سکی ہے جس کی وہ مدعی ہے، بات یہاں تک ہی ختم نہیں بلکہ مورخہ ۸، ۹، ۱۰ نومبر ۷۴ء کو "دہلی" میں منعقدہ کل ہند پانچواں "جماعت اسلامی ہند" کے اجتماع میں جماعت کے صدر کا خطبۂ صدارت اور دیگر بیرونی مندوبین کے حالات اور جلسہ کی کارروائی و قراردادیں وغیرہ یہاں کے اخبارات "رہنمائے دکن" و "سیاست" میں جو شائع ہوئی ہیں، ان کے پڑھنے کے بعد جماعت کے تعلق سے ہر ایک کو مایوسی اور تذبذب سا پیدا ہو گیا ہے، اور ہر ایک یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ جماعت خالصتہً للہ عظیم کام کو چھوڑ کر خواہ مخواہ نظریاتی سیاست کا شکار ہو گئی ہے، چنانچہ میرا خود بھی یہ خیال ہے کہ "جماعتِ اسلامی" ملک کی موجودہ سیاست سے بالکل علیحدہ رہ کر بھی اپنے کام کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے عملی طور پر نہایت سرگرمی سے انجام دیتی تو ابنائے وطن جماعت سے روشناس ہو کر خود بخود پاکیزہ سماج کی تشکیل اور انسانی حکمرانوں سے بالاتر مقتدرِ اعلیٰ "حکومتِ

الہیہ" کے مطالبہ پر مجبور ہو جاتے۔

جواب:

عزیز گرامی! تخیلات و خواہشات کی دنیا اور عمل کی دنیا میں بڑا فرق ہے، جو لوگ کچھ زیادہ خیال پرست اور رومان پسند واقع ہوئے ہیں یہ صرف ان کی ہی ترجمانی آپ کے ارشادات سے ہو رہی ہے، اور برا نہ مانیں تو ہم کہیں کہ آپ ایک ہشت پہلو مسئلے کو ایسی عینک سے دیکھ رہے ہیں جو بس ایک ہی دو پہلو دکھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

سب سے پہلے یہ نوٹ کر لیجئے کہ جماعت اسلامی کسی بھی شے کی مدعی نہیں ہے بلکہ صرف داعی ہے یعنی دعوت دینے والی، دعوے اور دعوت کا فرق آپ جانتے ہی ہونگے، "حکومت الہیہ" کے الفاظ سے چونکہ کم فہموں یا کج فہموں ہی کو نہیں اچھے خاصے فہیم حضرات کو غلط فہمیاں پیدا ہوئی تھیں، اس لیے جماعت اس اصطلاح کو ترک کر چکی ہے، لہذا اس کے تعلق سے بحث فضول ہو گی، ہاں اقامتِ دین بلاشبہ اس کا "نصب العین" ہے اور ہونا ہی چاہئیے، اس "نصب العین" کے لیے جتنے دنوں سے وہ کام کر رہی ہے اتنے دنوں میں جو نتائج بر آمد ہو چکے ہیں وہ ہمارے نزدیک تو بہت شاندار اور امید افزا ہیں، آپ اس کام کو شاید کسی اینٹ پتھر والی عمارت کی تعمیر جیسا کام خیال فرما رہے ہیں، دس بیس سال گذر جائیں تو گویا بہت زیادہ مدت گذر گئی، لیکن فی الحقیقت یہ جس نوعیت کا کام ہے اس کے اعتبار سے یہ مدت کچھ بھی نہیں، آپ انبیاء علیھم السلام کی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں، آپ کو اندازہ ہو گا کہ یہ کام کتنا سخت، کتنا وقت طلب، کتنا پیچیدہ اور کس درجہ صبر آزما ہے، اگر آپ ان حالات، وسائل، موسم اور رکاوٹوں کو نظر میں رکھیں جن کے ہجوم میں جماعت اسلامی کام کر رہی ہے، تو ہمارے نزدیک آپ کو اس نتیجے پر پہنچنا چاہیے کہ "جماعت اسلامی" نے اللہ کی رحمت سے بہت کم وقت میں بہت سارا کام انجام دے ڈالا ہے، اور جو ثمرات ابھی تک حاصل ہوئے

ہیں وہ نہایت حوصلہ افزا اور قابلِ شکر ہیں۔

ذرا یوں سوچیے کہ کمزور اور بے وسیلہ افراد کا ایک چھوٹا سا گروہ کسی سنگلاخ زمین پر ایک عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے، لیکن ایک طرف تو اس کے پاس سازوسامان اور سرمایہ بہت قلیل ہے، دوسری طرف بے شمار لوگ اس کی مخالفت پر آمادہ ہیں، یہ لوگ صاحبِ اقتدار بھی ہیں اور صاحبِ رسوخ بھی، یہ نہیں چاہتے کہ عمارت بنے، ان کی مخالفانہ اور معاندانہ سرگرمیاں برابر جاری ہیں، مزید یہ کہ ہوائیں شدومد سے چل رہی ہیں اور طوفان امنڈ امنڈ کر آ رہے ہیں، موسم انتہائی ناسازگار ہے، پتھریلی زمین معماروں کی کدالیں توڑے دے رہی ہے، اور کہیں سے پتھر اکھڑتا ہے تو دلدل نمودار ہو جاتی ہے، چار اینٹوں کا جمنا مشکل۔

ان حالات میں حیرت ناک یہ نہیں کہ مذکورہ گروہ عمارت تعمیر نہ کر سکا بلکہ حیرت ناک اور قابلِ تعریف یہ ہے کہ اتنی زیادہ دشواریوں کے باوجود یہ گروہ ہمت نہیں ہارا ہے، ارادے سے باز نہیں آیا ہے، اور کچھ نہ کچھ ستون اور دیواریں اس نے اٹھا ہی دی ہیں، بیس تیس سالوں کی مدت کو اگر آپ اس طرح کے کام کے لیے زیادہ تصور کرتے ہیں تو اس سے بھی ”جماعت اسلامی“ کی تحسین ہی کا پہلو نکلتا ہے نہ کہ اعتراض اور تحقیر کا، اس لیے کہ جو لوگ جتنے زیادہ دنوں تک ثبات و استقلال کا مظاہرہ کریں، جتنی زیادہ جراحتیں اور سختیاں جھیل جائیں اور جتنی دیر تک مایوسی ان پر غالب نہ آنے پائے، اتنا ہی زیادہ انھیں قابلِ تعریف سمجھنا چاہیے۔

”جماعت اسلامی“ کے حالیہ پانچویں اجتماع میں ہم بھی تھے، ہم نے بھی سب کچھ سنا اور دیکھا ہے، ہماری فہم ناقص میں تو یہ بات آئی نہیں کہ اس اجتماع کی کارروائیوں اور قراردادوں میں کیا چیز ایسی تھی جس نے ”ہر ایک“ کو مایوس و مذبذب کر دیا، ”ہر ایک“ کو ہم یہاں شاعری کہیں گے، اپنی اور اپنے محدود حلقے کی رائے اور تاثر کو آپ ساری مخلوق تک محیط نہ کر دیجیے، ہم بلامبالغہ ایسے ہزاروں آدمیوں سے ملے ہیں جن کا تاثر آپ سے مختلف ہے۔

یہ فیصلہ کہ جماعت خالصتہ للہ عظیم کام کو چھوڑ کر خواہ مخواہ نظریاتی سیاست کا شکار ہو گئی ہے، ایک ایسا فیصلہ ہے جس میں الفاظ تو ہیں معانی و مصداق نہیں، کتنی آسانی سے لوگ دوسروں کی نیت کے بارے میں فیصلے کر ڈالتے ہیں، ہمارے بھائی! نیت کا معاملہ تو اللہ اور بندے کے مابین ہے، کیا غضب ڈھادیا ہے "جماعت اسلامی" نے جس کی بنا پر یہ فیصلہ صادر کیا جا رہا ہے، کونسا قبلہ ہے جس کی طرف جماعت مڑ گئی ہے، ہمارے نزدیک تو جماعت نے اپنے "نصب العین" سے مطلق انحراف نہیں کیا نہ وہ کسی بے نتیجہ یا ضرر رساں نظریاتی سیاست کا شکار ہوئی۔

آپ نے اپنے جس خیال کا اظہار فرمایا ہے وہ رومانٹک ضرور ہے، کتنی خوبصورت بات کہ ابنائے وطن "جماعت اسلامی" سے روشناس ہوئے، جس کے نتیجے میں پاکیزہ سماج تشکیل ہو گیا، اور اب سارے عوام اٹھ کھڑے ہوئے کہ اے تخت نشینو! "حکومت الٰہیہ" قائم کرو، مگر پیارے بھائی! یہ خواب کی باتیں ہیں، بلندی خیال سے اینٹ پتھر کی دنیا میں آیئے تو بات اتنی خوبصورت نہیں رہتی، اپنے رسول ﷺ کی حیات طیبہ پر نگاہ ڈالئے، نظریاتی اور حربی اور اقتصادی کونسی سیاست ایسی ہے جس کی وادیوں سے آپ ﷺ نہیں گذرے، اور کب حکومتِ الٰہیہ اتنے رومانوی انداز میں قائم ہو گئی، ساحل پر کھڑے ہو کر طوفانوں سے لڑنے والوں کو مشورے عطا کرنا بہت آسان ہے، لیکن نظریات کے تخیلاتی حسن اور حقائق کی تلخ کامیوں کا فرق اسی وقت محسوس ہوتا ہے جب آدمی خود طوفانوں میں گھر جائے۔

سچائی اس کے سوا کچھ نہیں کہ "جماعت اسلامی ہند" یا "جماعت اسلامی پاکستان"، دونوں جگہ کچھ غیر معصوم انسان ہی اپنی سی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، یہ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق فلاح دین و ملت کے پروگرام بناتے رہتے ہیں اور بدلتے ہوئے حالات میں اپنی اسکیموں کو نئے رخ دیتے رہتے ہیں، ان سے یقیناً فکر و فہم کی خطائیں بھی ہوں گی، لیکن ہم ان کی کسی خطا پر دفعتاً انتہا پسندانہ ریمارک کرنے لگیں تو یہ کھلی زیادتی ہوگی، پھٹ سے یہ کہدینا کہ "جماعت للّٰہیت کو ترک کر بیٹھی"، ظلم بھی ہے اور

نادانی کا مظاہرہ بھی۔

آپ یا کچھ اور لوگ اگر دیانتاً یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں میدان میں جماعت کا کوئی قدم غلط رخ پر اٹھا ہے تو آپ کی اپنی للّٰہیت اور خلوص کا تقاضا یہ ہونا چاہئیے کہ جماعت کے ذمہ داروں تک اپنی بات مناسب انداز میں پہنچائیں، یہ نہ ہونا چاہئیے کہ دفعتاً بڑے بڑے فیصلے صادر کرنے لگیں۔

ہمیں خود "جماعت اسلامی ہند" سے بعض جزئیات میں اختلاف ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اختلاف میں ہم ہی برحق ہوں، نہ یہ ضروری ہے کہ ہماری نظر مصالح اور مضرات کے ان تمام گوشوں تک پہنچ ہی جائے جن تک جماعت کے اہل الرائے کی پہنچی ہے، کتنے ہی گوشے اور زاویے وہ ہوتے ہیں جن کا ادراک محاذ پر کام کرنے والے ہی کر سکتے ہیں دور افتادہ نہیں کر سکتے، لہٰذا اپنے حق اختلاف کو محفوظ رکھتے ہوئے ہم اپنا فریضہ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ خدا کے یہ نحیف بندے جو جماعت اسلامی کے نام سے میدان جہدو عمل میں اترے ہوئے ہیں ہماری محبت، دعا، خیر خواہی اور حوصلہ افزائی ہی کے مستحق ہیں، نہ کہ ہدفِ ملامت اور مورد طعن اور نشانۂ اعتراض بنانے کے ـــــ ان میں سے جو شخص نادانستہ طور پر غلطی کرتا ہے وہ بھی ان شاء اللہ ایک ثواب کا ضرور مستحق ہوگا، کیونکہ اللہ قلوب واذہان کا حال دیکھتا ہے، لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔

اور یہ بھی نظر میں رہے کہ بعض کمزوریوں کا تعلق افراد کی ذاتی سرشت اور مزاج وطبیعت سے بھی ہوا کرتا ہے، انھیں جماعتی کمزوریوں کی فہرست میں نہ رکھنا چاہئیے مثلاً موجودہ امیر جماعت یا قیم جماعت یا مدیر دعوت کسی معاملے میں غلط رویہ اختیار کرتے ہیں تو ان کی ذاتی اور جماعتی حیثیات کا لطیف فرق ملحوظ رکھتے ہوئے ہی اس رویہ پر گرفت کرنی چاہئیے۔

اللہ ہم سب کو دینی اخوت اور ملی بھائی چارے کے اخلاقی تقاضوں کو سمجھنے کی توفیق اور ان پر عمل کا سلیقہ عطا فرمائے۔ آمین۔ (تجلی دیوبند جنوری ۱۹۷۵ء)

جماعت اسلامی اور دیوبندی مسلک

سوال : از نثار احمد۔ مالیر کوٹلہ۔

"دیوبندی مسلک" کا لفظ اکثر سننے میں آتا رہتا ہے، یہاں مالیر کوٹلہ کے رہنے والے اکثر لوگ اپنے آپ کو "دیوبندی مسلک" کا بتلاتے ہیں، ہمارے یہاں کے موجودہ مفتی صاحب بھی "دیوبند" کے رہنے والے ہیں اور "دیوبندی مسلک" کے ہیں، جامع مسجد میں ہر ہفتے انکی تقریر ہوتی ہے، "مسلک دیوبند" کے بارے میں ایک بار انھوں نے تقریر کی تھی جس کا حاصل میری یادداشت اور فہم کے مطابق کچھ اس طرح تھا کہ۔۔۔۔ "مسلک دیوبند" کا مطلب قرآن اور سنت پر ٹھیک ٹھیک عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہے، "دیوبند" کے علماء نے قرآن اور حدیث کے احکامات کو اپنے قول و عمل سے نکھار کر پیش کیا، "اہلِ بدعت" نے ان پر "وہابی" ہونے کے طعنے کسے، اور "دیوبند" کو ایک مستقل مسلک کی حیثیت سے پیش کرنے لگے، اور ایسا دکھانے لگے کہ یہ قرآن و سنت کے طریقے کے سوا کوئی اور طریقہ ہے، ورنہ مسلکِ دیوبند قرآن و سنت سے علیحدہ اور کوئی نئی چیز نہیں ہے، علماء دیوبند کا طریقہ یہ رہا ہے کہ انھوں نے اسلاف کے اقوال کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھا اور جانچا، قرآن و حدیث کے سمجھنے کے سلسلے میں اسلاف کی کاوشوں سے مدد ضرور لی، اور کہیں ہٹا ہوا محسوس ہوا تو اس کی مناسب توجیہ کرتے رہے، میں دیوبندی ہوں یعنی قرآن و حدیث میرے ایمان کا محور اور اس معنی میں ہر شخص دیوبندی ہے، اور اسکو دیوبندی ہونا چاہئیے"، اس وضاحت کے باوجود تبلیغی جماعت سے متعلق چند لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مفتی صاحب دیوبندی نہیں ہیں، بلکہ ان کا میلان جماعت اسلامی کی طرف ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انھوں نے کبھی کسی جماعت کا نام لے کر مخالفت نہیں کی اور اس میں جماعت اسلامی بھی شامل ہے، اور غالباً یہ بات یہاں کے تبلیغی بھائیوں کی امنگوں کے

خلاف ہے، آپ سے بھی یہ وضاحت مطلوب ہے کہ دیوبندی اور مودودی میں کیا ایسا نمایاں فرق ہے؟ اس کے ساتھ علماء دیوبند کا جماعت اسلامی کے ساتھ اختلاف بھی ایک الجھن پیدا کرتا ہے، اور لوگ فرق کے لیے اختلاف کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔

جواب :

بنیادی اعتبار سے مفتی مذکور کی بات درست ہے، تمام اہل حق کا جو طریقہ چلا آرہا ہے وہی "اکابر دیوبند" کا بھی رہا ہے، البتہ "مسلک دیوبند" کا عنوان کوئی ایسا عنوان نہیں جو دوسروں کا گھڑا ہوا ہو، اور طنزاً بولا جاتا ہو، بلکہ خود علمائے دیوبند اس عنوان کو اپنے لیے استعمال کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں، اس سے ان کی مراد انداز فکر کی وہ "مخصوص ہیئت" ہوتی ہے جو خاندانِ ولی اللہی سے منسوب ہے، اور جس میں طریقت و تصوف کا ایک خاص رنگ اور ایک خاص تناسب پایا جاتا ہے۔

مثال سے شاید بات زیادہ واضح ہو۔

"تصوف" اصلاً نام ہے "دین میں گہرا خلوص" پیدا کرنے کا، شرعی اصطلاح میں جس چیز کو "احسان" کہا جاتا ہے وہی تصوف کی منزل ہے، اور صحیح تصوف اسی طرح قرآن و حدیث کو حجت اور حرف آخر مانتا ہے جس طرح مفسرین، محدثین اور مجتہدین مانتے آئے ہیں، اس کے باوجود آپ دیکھ رہے ہیں کہ اہلِ تصوف کا ایک منفرد طرز فکر اور رنگ ڈھنگ ہوتا ہے جو انھیں غیر صوفی علماء و صلحاء سے الگ کرتا ہے، پھر خود تصوف میں مختلف سلسلے ہیں، نقشبندی، چشتیہ، سہروردیہ، وغیر ذالک، یہ سب بھی بنیاداً قرآن و سنت کی حجیت پر متفق اور شریعت کی قطعیت پر متحد الخیال ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بعض امتیازات اور فروق سے الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

اسی طرح مختلف مکاتب فکر اور علماء کے مختلف حلقوں کا حال ہے، جو خصوصیت مفتی صاحب نے علماء دیوبند کی بیان کی ان میں کم و بیش یہ سب ہی شریک

ہیں، تعبیرات، نہج استدلال، مزاج و مذاق اور توجیہات کے فرق نے انھیں باہم دگر ممتاز کر دیا ہے، علماء دیوبند، علمائے ندوہ، علماء فرنگی محل، علمائے ازہر، علمائے حرمین شریفین ان سب کے اہل حق اور حامل دین ہونے میں کوئی کلام نہیں، یہ سب اپنی اپنی دانست میں قرآن و سنت ہی پر عمل کرتے ہیں، اور اپنے اپنے انداز میں "اسلاف" کی کاوشوں سے مدد لیتے ہیں، لیکن ان میں ہر ایک کی اپنی اپنی کچھ جزوی خصوصیات بھی ہیں، جیسے مختلف انسانوں میں اعضاء کی یکسانی کے باوجود شکل و ہیئت کے کچھ امتیازات ہوتے ہیں اور ان کی بناء پر زید، عمرو، بکر ہر ایک کو الگ الگ پہچان لیا جاتا ہے۔

مزید ایک مثال ہمارے منشاء کو اور واضح کرے گی۔

آپ سو آدمیوں سے یوں کہیں کہ تم میں سے ہر ایک کو دس ہزار گز مربع زمین پر ایک مکان بنانا ہے جس میں چار کمرے ہوں، غسل خانہ اور بیت الخلاء ہو، باورچی خانہ ہو، دالان اور صحن ہو، باغ بھی ہو، چھتوں کے نیچے خوبصورت ستون ہوں اور محرابیں کمان جیسی ہوں، یہ لوگ اپنی اپنی صوابدید سے الگ الگ اپنے مکان بناتے ہیں تو اگرچہ آپ کی عائد کردہ تمام شرائط یہ پوری کریں گے لیکن ہر ایک کا مجموعی نقشہ اور شکل و ہیئت الگ الگ ہوگی، ممکن نہیں کہ دو مکان بھی پوری طرح ایک جیسے ہوں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ایک ہی جیسے احکام اور شرائط و ضوابط کی عملی تشکیل میں انسانوں کے ذوق و رجحان اور فکر و نظر کے فرق سے مختلف ہیئتیں اور صورتیں ظہور میں آتی ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام ہی وہ افعال جن کا واضح سانچا اور نقشہ شریعت نے دیدیا ہے، ان تک میں طرز فکر کا فرق امتیازات پیدا کر دیتا ہے، جیسے ایک عالم دین بہت لمبی نماز پڑھتا ہے کہ نماز ہی دین کی اہم ترین عبادت ہے، اور اس کے طول سے وہ بہت زیادہ ثواب کی توقع رکھتا ہے، لیکن دوسرا عالم دین اتنا طول نہیں دیتا بلکہ متوسط انداز میں نماز ادا کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت تعلیم و تصنیف میں لگاتا ہے تاکہ خلق خدا کو دین کا علم پہنچائے، دونوں عالم اہل حق میں ہیں، مگر دیکھنے والے ان

میں ایک ایسا فرق ضرور محسوس کریں گے جس سے ان دونوں کے انداز فکر کا تفاوت ابھر کر سامنے آئے گا، اسی تفاوت اور فرق پر مشتمل جزئیات کے مجموعے کو "مسلک" کے عنوان سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

یہ بات جب سمجھ میں آگئی تو اب سنئے کہ "دیوبندی ہوں، جماعت اسلامی والے ہوں، جماعتِ تبلیغی والے ہوں یہ سب اصلاً ارباب حق ہیں"، ان میں کوئی نہیں جو شریعت کے چار معروف بنیادی ماخذ قرآن، سنت، قیاس اور اجماع کا قائل نہ ہو، کوئی نہیں جو سلفِ صالحین کے فرمودات کو مشعل راہ نہ مانتا ہو، کوئی نہیں جس کی نیت فاسد اور بنیادی عقیدہ غیر اسلامی ہو، لیکن تعبیر و توجیہ اور طریق استنباط اور مزاج و مذاق اور نہج واستدلال کا فرق ان میں یقیناً پایا جاتا ہے، اور یہی چیز انھیں ایک دوسرے سے متمیز کرتی ہے، ان کے الگ الگ حلقے بناتی ہے اور انھیں مختلف القابات دینے کا جواز دیتی ہے۔

یہیں یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ "جماعت اسلامی" بجائے خود کسی مسلک کا نام نہیں، وہ ایک ایسی جماعت ہے جس میں "فضلائے دار العلوم" بھی ہیں، "فضلائے ندوہ" بھی، "شوافع" بھی ہیں، "حنابلہ" بھی، احناف تو کثرت سے ہیں، اہلِ حدیث بھی ہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ اس کا کوئی اپنا فقہی مسلک نہیں، بلکہ وہ ان مختلف مسالک کے حاملین کو اعلائے کلمۃ الحق اور غلبۂ دین کے متفقہ اور مشترکہ نصب العین کی طرف دوش بدوش گام زن کرنا چاہتی ہے، فروعات و جزئیات کی غیر ضروری جنگ اور مخالفت بازی سے بچا کر اہل اسلام کی توانائیوں کو اسلام کے بلند ترین مشن اور اعلیٰ ترین کاز کے لیے صرف ہوتے دیکھنا چاہتی ہے۔

لہٰذا کوئی مفتی یا عالم یا عامی دیوبندی مسلک پر قائم رہتے ہوئے بھی جماعت اسلامی کی طرف میلان رکھ سکتا ہے اور اس میلان سے اس کی دیوبندیت میں کوئی فرق نہیں آتا، ہمارے اکثر برادران اسلام اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں کہ جماعت اسلامی ناپسندیدہ جماعت ہے اور بعض حلقے تو اسے گمراہ تک سمجھ بیٹھے ہیں، یہ

یقیناً غلط فہمی ہے، اور اس کی پشت پر شیطان کا مکر کام کر رہا ہے۔

جو لوگ مفتی صاحب موصوف کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ ان کا حقیقی اعتراض کیا ہے؟ اور اس کی صحت کے لیے ان کے پاس کیا دلائل ہیں؟ خواہ مخواہ کسی مفتی یا عالم کے خلاف بدگمانیاں پھیلانا بڑے گناہ کی بات ہے، اور اگر خدانخواستہ جماعت تبلیغی والوں کی خواہش یہ ہو کہ جماعت اسلامی کو منبروں پر برا بھلا کہا جائے تو اس ناپاک خواہش سے دل کو پاک کر لینا چاہیے۔

علمائے دیوبند کا جماعت اسلامی سے اختلاف ایک مستقل موضوع ہے، ہم بلا مبالغہ ہزاروں صفحات یہ ثابت کرنے میں صرف کر چکے ہیں کہ جماعت اسلامی یا مولانا مودودی پر عائد کئے جانے والے الزامات، اعتراضات زیادہ تر غلط فہمیوں اور کج فکریوں پر مبنی ہیں، بعض مسائل میں اگر علماء دیوبند اور مولانا مودودی کے درمیان واقعتاً اختلاف پایا جاتا ہے، تو اس کی نوعیت سنگین نہیں، ایسی نہیں کہ اس کی بنیاد پر مستقل مخالفت کا محاذ بنا لیا جائے، کون سے دو مفکر اور مجتہد ہیں جن کے مابین کتنے ہی مسائل میں اختلاف نہ پایا جاتا ہو، خود علمائے دیوبند کے مابین کتنی ہی جزئیات میں اختلاف موجود ہے، احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ، ان سب کے اختلافات ہزاروں تک پہنچے ہوئے ہیں، مگر کیا سب ہی اہل حق نہیں؟ اسی طرح اگر فکر و تحقیق کے نتیجے میں مولانا مودودی کے بعض افکار علمائے دیوبند کے خیالات سے مطابقت نہیں رکھتے تو اس کی بناء پر منافرت اور مخالفت بہت ہی بری بات ہے جس سے شیطان تو خوش ہوتا ہے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش نہیں ہوتے۔

پھر مولانا مودودی کی بعض فقہی آراء کو جماعت اسلامی کی مخالفت کا بہانہ بنا لینا معقولیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، حقیقت یہ بھی ہے کہ مولانا مودودی کے "تفردات" کا شمار مبالغے سے کرایا جاتا ہے، ان کی بعض آراء تو ایسی ہیں کہ ان میں وہ "متفرد" ہیں ہی نہیں بلکہ "سلف" میں کتنے ہی علماء وہی رائے رکھتے رہے ہیں مگر غلط طور پر انھیں "تفرد" کا عنوان دے دیا گیا، معدودے چند "تفردات" ہوں بھی تو

آخر ابو حنیفہ، شافعیؒ، امام بخاریؒ، امام مالکؒ، ابن تیمیہؒ اور اسی طرح کے بے شمار علماء میں سے کون ہے جو تفردات کا سرمایہ دار نہیں، پھر کیا انھیں ان تفردات کی بنا پر بدراہ و گمراہ مان لیا گیا۔

ہم خلاصتاً کہہ سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف جو فضا پیدا کردی گئی ہے اس میں شیطانی دسیسہ کاریوں کا بڑا ہاتھ ہے، شیطان کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ مسلمان آپس کی مخالفتوں میں وقت اور انرجی برباد کرنے کے عوض مشترکہ مقاصد کے لیے بھائی بھائی بن جائیں، اور شیطنت کے فروغ میں روڑے اٹکائیں، بھاری بھر کم ناموں پر نہ جائیے شیطان تو وہ ہستی ہے کہ انبیاء علیہم السلام تک کو فریب دینے کی فکر کرتا رہا مگر انبیاء کی عصمت اللہ تعالیٰ کو محفوظ رکھنی تھی، اس لیے شیطان ناکام رہا، لیکن "انبیاء" کے بعد کوئی معصوم نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو ہوا دے کر ابلیس نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت علیؓ) کو لڑوایا، دونوں ہی طرف کیسے کیسے جلیل صحابہ تھے، پھر علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی منازعت تو ایک طویل ٹریجڈی ہے، کیا یہ اس بات کا اٹل ثبوت نہیں کہ شیطان کی دسیسہ کاری کہاں سے کہاں تک ہے، بعد کے علماء و مشائخ صحابہؓ سے برتر تو نہیں ہوسکتے، انھیں اگر بعض امور میں شیطان غلط فہمیوں کا ہدف بنادے تو آخر کیا بعید از قیاس ہے؟ آپ تاریخ دیکھیں، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، عزالدین بن عبدالسلامؒ، ابن تیمیہؒ، امام بخاریؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور اسمٰعیل شہیدؒ جیسے بزرگوں کو ابتلاء میں گرفتار کرانے والے حضرات کے کیمپ میں کتنے ہی علمائے وقت اور مشائخ عصر کے نام ملیں گے، یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، یہ آگے بھی ہوتا رہے گا، مذکورہ تمام اکابر آیات من آیات اللہ تھے، مولانا مودودی بھی اللہ کی ایک آیت ہیں یعنی نوع انسانی کا ایک ایسا فرد جسکی خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے، اللہ اکبر زبان سے نکلتا ہے۔

(تجلی دیوبند مارچ ۱۹۷۵ء)

حرف آخر

"تجلی" میں "جماعت اسلامی" اور "علمائے دیوبند" کی آویزش کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ لکھا گیا اس سے کچھ لوگوں کا ناراض ہونا اور کچھ کا خوش ہونا فطری امر ہے، خوشی اور ناراضگی سے ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا، اس بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم اسوقت اپنے خوش ہونے والے دوستوں سے کچھ عرض کریں گے، آپ اگر خوش ہیں تو کیا آپ نے کبھی اس خوشی کا تجزیہ بھی کیا ہے کہ اسکی بنیاد کس تخیل پر ہے؟ اور کیا رجحانات اس خوشی کے پیچھے کار فرما ہیں؟ ایمانداری سے غور کیجیے کیا آپ کی خوشی اسلیے تو نہیں کہ آپ "جماعت اسلامی" کے ایک فرد کی حیثیت میں جماعت کے ہر حریف سے ناخوش ہیں، اور حریف کی تردید و تخفیف آپ کے جذبات تقابل کیلیے پیغام مسرت بن گئی ہے؟ کیا آپ کی خوشی کے پیچھے انتقامی جذبات تو کام نہیں کرتے؟ کیا آپ کی خوشی میں احساس فتح کا سرور تو کروٹیں نہیں لے رہا؟ کیا آپ اسلیے تو خوش نہیں ہیں کہ جس دیوبند کے علماء جماعت اسلامی کو "ذبحہ" قرار دینے کے درپے ہیں اسی "دیوبند" کے ایک ناچیز ایڈیٹر نے جماعت اسلامی کی حمایت اور دیوبندی علماء کے طرز عمل کی تغلیط کر کے حریفوں کو خوب نیچا دکھایا ہے؟؟ اگر اس طرح کی خوشی آپ کو حاصل ہوئی ہے تو یقین کیجیے کہ یہ خوشی ایمان و خلوص کی آئینہ دار نہیں، اس خوشی میں گناہ کا زہر ہے، اسکے دامن پر قلم نفس کی گلکاریاں ہیں ـــــ ہم نے جو کچھ بھی مخالفت و موافقت کی اس کے بارے میں خدا گواہ ہے کہ ہمارا جذبہ، جنگ و جدل اور فتح و شکست کے بجائے طرفداری حق اور تعمیر و اصلاح تھا، ہم نے ایک لمحہ کو بھی حریفانہ ذہنیت اختیار نہیں کی، ہم نے کسی کو حریف نہیں سمجھا، بلکہ ہمیں سخت صدمہ اور دکھ تھا کہ اپنے ہی عزیز اور اپنے ہی بزرگ بعض فتنہ پرداز لوگوں کی سیاست فاسدہ کا شکار ہو کر غلط طور پر غضب آلودہ ہو گئے ہیں، اور ان کی یہ غلط فہمی قوم و ملت کیلیے زبردست خطرے کی گھنٹی ہے، اس احساس کیساتھ ہم نے فریاد میں ہونٹ کھولے، اور

شور و شیون کیا، اگر اس فریاد کا کوئی فائدہ ہوا ہے اور "تجلّی" کے ذریعہ کوئی خدمت انجام پائی ہے تو اس پر ہمیں اور آپ کو صرف اس لیے خوش ہونا چاہیئے کہ ہم جیسے گناہگاروں سے دین و ملت کی ادنیٰ سی خدمت ہوگئی، اور یہ خیال کہ "دیوبند" کا ہر عالم ایک ہی ڈگر پر آنکھیں بند کر کے چلے گا، غلط ثابت ہو گیا، اگر ہماری خوشی میں ادنیٰ حریفانہ جذبات شامل ہوئے تو ہم سے زیادہ احمق کوئی نہیں کہ جس تگ و تاز میں اللہ کی خوشنودی کے سوا کوئی دنیاوی منفعت نہیں تھی اسے بھی ہم نے نفس کے فریب میں آکر ادنیٰ جذبات کے قدموں میں ڈال دیا۔

اور اگر آپ کی خوشی واقعی صالح ہے تو اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خوش ہونا ہی کافی ہے یا اس سے زیادہ بھی کچھ ہونا چاہیئے؟ صاف و سادہ جواب یہ ہے کہ محض خوشی کسی حال میں کافی نہیں، بلکہ بنیادی اہم سوال عملی جدوجہد اور ٹھوس تعمیر کا ہے جس کی خاطر یہ بحث مباحثے اور جوڑ توڑ جاری ہیں، محض لفظی تائید و تردید سے کیا ہوتا ہے؟ اگر عملی دنیا میں ہم صفر رہے، مقصود اصلی اسلام کی سربلندی، تبلیغ، اشاعت اور تجدید ہے، قوم کی اصلاح ہے، کردار سازی ہے، گریبانوں میں جھانک کر دیکھئے کہ ہم نے اپنے اعمال کو کس حد تک سنوارا ہے، یا صرف خیالی اور قلمی گھوڑے دوڑانے میں وقت ضائع کرتے رہے ہیں، ہم نے کوئی قدم اجتماعی اصلاح کی طرف بھی بڑھایا ہے یا یوں ہی خیالی پلاؤ پکار ہے ہیں، علماء کفر کے فتوے دیں یا تائید کریں دونوں برابر ہیں، اگر ہم تبلیغ دین کی صبر آزما راہوں سے جی چرا کر لفظی جنگ کے چکر میں پھنسے رہے، ہماری جنگ اور صلح، تندی و تیزی، فریاد و شیون سب کچھ اسلام کی حیات نو کیلیے ہے، اور حیات نو کا سورج محض خوش ہونے اور بحثیں کرنے سے نہیں بلکہ صد ہزار انجم کے لہو سے پیدا ہوگا، ہمیں اپنے نفسوں سے فیصلہ کن جنگیں لڑ کر پہلے اپنے آپ کو دین کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا، پھر ہمیں ناپاک معاشرے اور مسخ شدہ علم اور باطل اعتقادات اور مفلوج قوائے عمل سے مقابلہ کرنا ہوگا، اگر اس کا حوصلہ ہے تو بیشک خوش ہونا آپ کا حق ہے، اور نہیں تو یہ بحثیں یہ تنقیدیں یہ دعوے اور دلیلیں سب ٹائیں ٹائیں فش سے زیادہ کچھ نہیں۔ (تجلّی، دیوبند، اپریل ۱۹۵۲ء)

قابل رشک حکمراں

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے روز و شب

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے چوبیس گھنٹوں کی مصروفیت یہ ظاہر کرنے کیلئے بہت کافی ہے کہ وہ آگہی اور باخبری کی کس منزل پر سرفراز تھے اور سلطنت ان کی نگاہ میں راحت و آرام کا ذریعہ تھی' یا ایک انتہائی عظیم الشان اور جان لیوا فریضے کی مسلسل ادائیگی۔ یہ تفصیلات "عالمگیر نامہ" سے ماخوذ ہیں یہ کتاب عہد جہانگیری میں لکھی گئی تھی اور اس دور کی مستند تاریخ ہے۔

طلوع صبح سے پہلے شہنشاہ بیدار ہو کر غسل کرتے' یا وضو سے فراغت پاکر دیوان خاص سے ملی ہوئی مسجد میں جاکر قبلہ رخ بیٹھ جاتے' اور نماز فجر کے وقت تک بیٹھے رہتے' پھر قلعے کے عام ملازمون کے شانہ بشانہ نماز ادا کر کے حرم میں تشریف لاتے' اور کتب خانے میں جاکر تلاوت قرآن کیا کرتے تھے' اس کے بعد احادیث اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ساڑھے سات بجے تک جاری رہتا تھا' ساڑھے سات بجے جلوہ گر ہوتے' جہاں صرف چند قابل اعتماد امراء اور ذاتی ملازموں کو باریابی کی اجازت تھی' یہاں داد خواہی کا کام انجام پاتا اور میر عدل ہر فریادی کو باری باری پیش کرتا' ہر فریاد اور شکایت پر شہنشاہ ذاتی تحقیق سے فیصلہ صادر کرتے تھے' اسی موقع پر مفلس اور ضرورت مند افراد کو شاہی خزانے سے عطیات دیئے جاتے تھے۔

ساڑھے آٹھ بجے لال "قلعہ کی مغربی فصیل" پر "جمنا" کے سامنے "درشن جھروکہ" پر تشریف لے جاتے تھے' "جمنا" کے کنارے ریت پر' یا تو عوام کا اژدھام ہوتا اور وہ اپنی شکایات کی درخواستیں پیش کرتے تھے' یا کبھی

فوج جمع ہوتی' جنگی کرتب اور فوجی مشق کی جاتی یا ہاتھی لڑائے جاتے اور تیر اندازی ہوتی تھی۔

"درشن جھروکہ" میں بیٹھنے کا طریقہ شاہ جہاں علیہ الرحمۃ نے جاری کیا تھا اور عالمگیر علیہ الرحمۃ نے بھی جاری رکھا' یہ شاہی لشکر کی تربیت کیلئے ضروری تھا۔ جھروکہ کے نیچے وہ اپنے اپنے خدم و حشم کے ساتھ حاضر رہتے تھے جو جمعہ کی نماز باجماعت جامع شاہجہانی میں ادا کرتے وقت شاہجہاں کے ہمرکاب ہوتے تھے۔

پھر شہنشاہ سوا نو بجے دیوان عام میں تشریف لاتے' جہاں چالیس ستونوں کے شہ نشین میں مرمر کے تخت پر بیٹھ کر کاروبار سلطنت کا سب سے بڑا حصہ انجام دیتے تھے۔ ۲۰۱ فٹ لمبا اور ۲۷ فٹ چوڑا دیوان عام' درباریوں سے بھرا ہوتا تھا' بڑے بڑے امرا' قریب ہی دست بستہ کھڑے رہتے' سب سے پہلے میر بخشی (وزیر خزانہ) فوجی سپہ سالاروں اور امیروں کی درخواستیں پیش کرکے ہتھیار' خوراک' قلعوں کی مرمت' اور سپاہیوں کی تنخواہوں کے حسابات ہر صوبے کے الگ الگ سنا کر منظوری لیتا' اور بہادر سپاہیوں اور افسروں کو ترقی انعام اور ہمت افزائی کیلئے خلعت دینے کے حکم بھی حاصل کرتا' جو عہدیداران شاہی مختلف صوبوں سے حاضر ہوتے تھے' ان کو پیش کیا جاتا' پھر میر آتش (توپ خانے کا سربراہ) اور میر احدی (محفوظ فوج کا سربراہ) اپنے اپنے محکمے کی معروضات پیش کرکے منظوری حاصل کرتے تھے' ان کے اہل اور لائق ماتحتوں کو خلعت' زیور' گھوڑے یا ہتھیار بطور انعام دیئے جانے کا حکم صادر ہوتا' ان کے بعد شہنشاہ کی بھی زمین و جائیداد کے نگران میر سامان اور قلعہ حرم' شاہی قلعوں اور محلوں کے نگران میر بیوتات کی باری آتی تھی' وہ شہنشاہ کے متعلقین' شاہی خاندان' ان کے ملازموں اور

متوسلوں کے بارے میں احکام حاصل کرتے تھے' اور میر سامان روزانہ کی آمدنی اور میر بیوتات روزانہ کے خرچ کی منظوری لیتا تھا' اب خاص اور معتمد سربراہ آگے بڑھ کر مہر بند خریطے توڑتے' اور صوبے کے گورنروں' سپہ سالاروں' شہزادوں اور محکمہ مال کے سربراہوں کی وہ عرضداشتیں پیش کرتے' جس کو گزشتہ رات سے لے کر صبح تک ہرکارے لے کر آئے ہوتے' شہنشاہ خود ان کا مطالعہ نہیں کرتے تھے' بلکہ ان کا خلاصہ سن کر جواب ارشاد کرتے' پھر صدر کی باری آتی جو تمام "ہندوستان" کے قاضیوں مفتیوں اور صوفیوں کے سربراہ کا عہدہ تھا' وہ ہر صوبے کے میر صدر کی رپورٹ پیش کرتے' اور جن علماء' شیوخ و مشائخ' سادات' زہاد' کی پرورش منظور کرانی ہوتی' ان کی فہرست حاضر کرتے تھے' اسی کے ساتھ جاگیر و مناصب دینے کے احکام پھر تصدیق کیلئے پیش ہوتے' اور ان ہی کے ساتھ علماء و مشائخ کو مدد معاش (مالگزاری معافی' زمین) دینے کے احکام صادر ہوتے۔ داروغہ عرض مکرر کا فرض تھا کہ وہ داد و دہش اور خیر خیرات کے معاملوں پر شہنشاہ کو بار بار متوجہ کرتا ہے' دیوان عام میں اجلاس کے خاتمہ سے پہلے "فیل خانہ" سے جنگی ہاتھی' گھوڑے اور شاہی ہرکاروں کی سانڈنیوں کے راتب کا حساب پیش ہوتا تھا اور کبھی شہنشاہ کے سامنے یہ حیوان معائنہ کیلئے لائے جاتے تھے' گیارہ بجے "دیوان عام" سے "دیوان خاص" میں تشریف لے جاتے' جہاں محرمان راز کے سوا کسی کو پر مارنے کی مجال نہ تھی' سب سے پہلے سلطنت کے مختلف شعبوں اور حاکموں کی بابت پرچہ نویسوں کی خفیہ رپورٹیں پیش ہوتیں۔ پھر گورنروں کے نام فرمان شاہی کے مضمون ارشاد ہوتے تھے' ان کا مسودہ تیار ہوتا اور ملاحظہ عالی میں پیش کیا جاتا' شہنشاہ خود اس میں ترمیم اور صحت فرماکر امیر

الامراء کے حوالے کرتے' اب ان کو خطاط مرصع زبان میں قرطاس پر لکھ کر مہر شاہی کی لئے پیش کرتے تھے' اکثر و بیشتر مہر شاہی کے سوا فرمانوں پر شہنشاہ اپنے دست خاص سے چند سطریں تحریر کرتے تھے' دوپہر کے وقت شہنشاہ "دیوان خاص" برخاست کر کے "حرم" میں جاتے کھانا کھاتے اور پھر تھکے ہوئے جسم کو گھنٹہ بھر کے لئے آرام سے لیٹنے یا سونے کا موقع دیتے' پھر "نماز ظہر" ادا کر کے اپنی خلوت گاہ میں تشریف لے جاتے' بعدہ زیادہ وقت قرآن مجید کی کتابت میں گزرتا تھا' کچھ وقت فقہ کی کتابوں اور بزرگان دین کے ملفوظات و رسائل کا مطالعہ کرتے۔ اس عرصہ میں درباری امراء کے توسل سے خاص شکایات کی سماعت کر کے ان پر خیرات و عطیات کا حکم دیتے' اور پھر عصر کی نماز کا وقت آجاتا' عصر سے مغرب تک شاہی قلعے کے محافظوں کا معائنہ ہوتا' اور سرکاری کاغذات کا مطالعہ جاری رہتا تھا' مغرب کی اذان سن کر اٹھتے اور ملازموں کے شانہ بشانہ مسجد میں فرض ادا کرتے' سنت اور نفل کے بعد چند خاص وظائف کا ورد کرتے تھے' مغرب ہوتے ہی دیوان خاص میں کافوری شمعیں جل جاتیں' اور شہنشاہ عالمگیر علیہ الرحمۃ مسجد سے سیدھے ادھر آتے تھے' ہاتھ میں تسبیح لئے ہوئے وہ عشاء کے وقت تک محکمہ مال' عدل اور فوج کے بارے میں عرضداشتوں کی سماعت کرتے رہتے تھے۔

عشاء کی اذان پر دیوانِ خاص کا یہ اجلاس برخاست ہو جاتا تھا اور نماز کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ عالمگیر حرم میں طعام شب اور استراحت کے لئے چلے جاتے تھے' جہاں درمیان شب کو وہ تہجد کے لئے اٹھ کر خود ہی وضو کرتے تھے اور خواب گاہ خاص میں چپ چاپ اپنے معبود حقیقی کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے۔

"تجلی دیوبند" مئی ۱۹۶۵ء

انسانی و علمی اوصاف و محاسن میں امروہہ کی ایک گمنام باکمال شخصیت قاری علی تجمل نقوی امروہوی

راقم کو یہ بات راقم کے بھائی قاری علی تجمل نقوی نے سنائی تھی' صدق گوئی اور استغناء و جرات جن کے خصوصی اوصاف تھے' وہ قبل پاکستان کئی سال لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے بحیثیت قاری منسلک رہے' قارئین کو امام اہلسنت سے ان کے والہانہ تعلق کا اندازہ' اس طویل قصیدے سے ہو گیا ہو گا جو فارسی میں 162 اشعار پر مشتمل ہے اور راقم کی شائع کردہ' اہل علم میں مقبول ترین کتاب "محمود احمد عباسی" میں چند سال قبل چھپ چکا ہے' جس کو بھائی نے اپنے آغاز شباب میں اپنے وطن عزیز "امروہہ" میں رقم کیا تھا' اور اسی وقت مدیر "النجم لکھنؤ" نے اس کو "النجم" کے تاریخی "خلافت نمبر" کی زینت بناتے ہوئے' آخری سطور یہ تحریر فرمائیں تھیں۔

" ہمارے نوجوان شاعر اپنے سینہ میں ایک دردمند اور پر جوش دل رکھتے ہیں' چنانچہ اس قصیدہ کے زور اور معنوی بلندی سے فارسی سے ذوق رکھنے والے حضرات اس امر کا بخوبی اندازہ کرلیں گے" (مدیر)

بھائی سے امام اہلسنت ﷺ کو بھی اس درجہ دلی تعلق تھا' کہ "پاکستان" میں راقم کو مولانا سے دو مرتبہ نیاز حاصل ہوا' دونوں مرتبہ نہایت محبت بھرے انداز میں سلام و جواب کے بعد مولانا کا راقم سے پہلا سوال یہ تھا کہ: **تجمل کا کیا حال ہے۔**

بھائی کا تین زینت تاریخ شخصیتوں سے بحد عشق تعلق تھا' امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی و مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' اور علامہ اقبال' جگر مرادآبادی بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ [1]

النجم کا عنوان

قصیدہ در مدح قاطع رفض حضرت امام اہلسنت نوراللہ برہانہ۔

رشحہ قلم مولوی سید علی تجمل خاں صاحب تجمل حسینی حنفی امروہوی۔

امروہہ کے شیعہ اہل علم و ادب نے اس قصیدہ کے جواب کا فیصلہ کیا' بھائی کے بیان کے مطابق شیعہ اہل علم کی خواہش و اصرار پر رئیس امروہوی صاحب نے جواب لکھا' اور شیعہ اہل علم و ادب کی ایک نشست میں سنایا' مگر اسکو شیعہ اہل علم نے یہ کہتے ہوئے بالاتفاق رد کر دیا' کہ یہ فارسی زبان میں اس قصیدہ کا مقابلہ نہیں کرتا۔

بھائی ایک مرتبہ پشاور سے آئے تو راقم سے کہا کہ ماہرالقادری صاحب کے یہاں چلنا ہے

---

[1] ذریعہ معلومات' صفحہ آخر میں۔

انہوں نے "فاران" میں میری نظم جس کا مصرعہ ہے۔

ہمسر سید ابوالاعلیٰ نہ دید

کو ایک ایرانی شاعر کی طرف منسوب کر دیا ہے' حالانکہ وہ میری پرانی نظم ہے چنانچہ ماہر صاحب سے راقم کے ہمراہ انکے دفتر میں ملاقات کی اور شکایت کی' انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے "ڈار" صاحب (اقبال اکیڈمی کے سابق ڈائریکٹر) نے کہا تھا' غالباً اسکے بعد میں ڈار صاحب سے بھی ملا تو انہوں نے بھی کچھ ایسا ہی چلتا ہوا جواب دیا۔

برطانیہ کے آخری دور اقتدار میں جب "روس" سے علامہ موسیٰ جار اللہ کو ملک بدر کیا گیا تو وہ چند سال پشاور میں برطانیہ کے زیر حراست رہے برطانیہ کی طرف سے ایک ہوٹل میں انکے قیام و طعام کا انتظام تھا' بھائی نے ہوٹل کی انتظامیہ سے مل کر موصوف سے روزانہ ملنے کی راہ نکال لی' الحمد اللہ علماء اور خصوصاً اسلام پسند ارباب کمال سے بھائی کو ملنے کا منجانب اللہ قدرتی خاص سلیقہ تھا اور لگن' چنانچہ روزانہ دفتر سے آکر رات کو دو گھنٹہ علامہ کے پاس گزارتے تھے' علامہ اردو پڑھ اور سمجھ تو لیتے تھے مگر اردو بولنے کی قدرت سے محروم تھے' اس لئے جب علامہ سے ملنے دوسرے لوگ آتے تو بھائی فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں متکلم ہوتے تھے۔

پاکستان بننے کے بعد علامہ کو جب رہائی ملی' تو "پاکستان" سے "ترکی" کے دار الخلافہ "استنبول" تشریف لے گئے اور وہاں سے شکریہ کا خط بھائی کو لکھا' کاش وہ خط ہوتا تو اس وقت ہدیہ قائین کرتا' وہ خط بھائی کے خصوصی دوست حکیم کلب علی صاحب امروہوی سے آج تک واپس نہ مل سکا جس میں شکریہ کے علاوہ بھائی کے اوصاف و اخلاق اور خصوصیات کا تذکرہ تھا' بھائی نے راقم کو ایک مرتبہ سنایا' کہ ایک روز شام کو جب میں حسب معمول علامہ کے پاس پہنچا' علامہ کو کسی نے غلام احمد پرویز کی کوئی کتاب لاکر دے دی تھی' جس کو پڑھ کر علامہ بے حد مغموم و مشتعل تھے' اور پرویز صاحب نے حدیث کو جس قدر نشانہ تنقید و ملامت بنایا تھا اس کا جواب لکھنے کا ارادہ کر چکے تھے' بھائی نے دوسرے دن تفہیمات مولفہ مولانا مودودی لاکر دی' اس کو پڑھ کر بے انتہا خوش ہوئے اور کہا کہ حمایت حدیث میں استاد مودودی نے اس قدر لکھ دیا ہے کہ اب مجھے لکھنے کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی' اس کے بعد بھائی نے مولانا مودودی کی "الجہاد فی الاسلام" لاکر دی' اس کا نہایت شوق سے ایک ایک لفظ پڑھا' کتاب نہایت تیز پڑھتے تھے' دو یا تین جگہ مولانا مودودی سے اختلاف کیا اور فوراً مودودی صاحب کو خط لکھا' اور اپنے اختلاف سے مطلع کیا' مولانا مودودی نے ایک جگہ علامہ کے اختلاف کو صحیح تسلیم کیا' علامہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کبھی کبھی آبدیدہ ہو جاتے تھے' کہتے تھے کہ جب میں ان کے پاس پہنچتا تو بے حد خوش ہوتے اور خود اٹھ کر میرے لئے دودھ گرم کرتے اور گلاس میں بھر کر مجھے پلاتے تھے' یہ تقریباً روزانہ کا معمول تھا' میں بہت شرمندہ ہوتا تھا مگر کیا کرتا۔

تجلیات صحابہؓ' عامر عثمانی' مرتبہ: سید علی مطہر نقوی امروہوی۔ ناشر: مکتبہ الحجاز' اے ۲۱۹' بلاک سی' شمالی ناظم آباد' حیدری' کراچی۔ صفحات: ۶۶۱۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

صحابہ کرامؓ کی حیات مقدسہ پر لکھنا ایک سعادت ہے۔ تاہم' سیرت صحابہؓ پر لکھنے کے لیے ایمان و ایقان کی نعمت کے ساتھ ساتھ علمی دیانت کی دولت بھی ضروری ہے۔ مزید برآں فکر و نظر کا وہ زاویہ بھی جو حقائق اور حکایات و قصص میں تفریق کر سکے۔ گذشتہ چودہ سو برس کے دوران بہت سے اہل ایمان اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر انھیں بارہا سوقیانہ حملوں' حتیٰ کہ کفر کے فتووں کا سامنا کرنا پڑا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایسی فتوے بازیوں میں مگن حضرات' جیسی تحقیقات پر اپنے قبیلے کے لوگوں کو معاف کرتے رہے ہیں' ویسی تحقیقات پر دوسروں کو زندیق قرار دے کر ان پر سب و شتم کے تیر چلاتے رہے۔ اس ضمن میں نشانہ ستم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو بھی بنایا گیا۔

زیرنظر کتاب مولانا محمد میاں کی تصنیف شواہد تقدس کا ایک بے لاگ جائزہ ہے۔ یاد رہے کہ شواہد تقدس مولانا مودودی کی خلافت و ملوکیت کے رد میں لکھی گئی تھی۔ مولانا عامر عثمانی مرحوم' علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حقیقی بھتیجے' مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید اور فاضل دیوبند تھے۔ عامر عثمانی مرحوم نے' مولانا محمد میاں کی مذکورہ بالا کتاب (اور آخر میں تجدید سبائیت از مولانا محمد اسحاق سندیلوی) کو علمی سطح پر جانچتے ہوئے اپنے رسالے ماہ نامہ تجلی دیوبند کے دو خصوصی شمارے شائع کیے تھے۔ یہ معرکہ خیز تحریر تجلی میں دب کر رہ گئی تھی' جس کی بازیافت کر کے سید علی مطہر نقوی نے اسے تجلیات صحابۃ کے نام سے کتابی شکل دی ہے اور استفادہ عام کا ذریعہ بنایا ہے۔

تجلیات صحابۃ کا مطالعہ بعض علما کی' مخالفت برائے مخالفت اور حقائق کو مسخ کرنے کی پے در پے کوششوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اونچی مسندوں پر جلوہ افروز بعض سکّہ بند لوگ کس طرح غصے اور نفرت سے مغلوب ہو کر عدل و انصاف کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ دوسری جانب مولانا مودودیؒ کے متوازن اسلوب کی پرتیں کھلتی ہیں اور مقصدیت کی کرنیں روشنی بکھیرتی دکھائی دیتی ہیں۔

اس موضوع پر مطالعہ کرتے ہوئے اگر تجلیات صحابۃ کے ساتھ دو اور کتابیں بھی پڑھ لی جائیں تو مسئلے کی تفہیم کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے: پہلی خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا علمی جائزہ از

جسٹس ملک غلام علی اور دوسری عادلانہ دفاع اور علمائے اہل سنت از جمیل احمد رانا --- مولانا عامر عثمانی بڑے تاسف سے سوال اٹھاتے ہیں: ''آخر چاروں طرف سے [مولانا] مودودیؒ پر یلغار کیوں؟ کیوں ایک امر قطعی میں کیڑے ڈالے جارہے ہیں' کیوں قلم انگارے اُگل رہے ہیں' اور زبانیں گولیاں برسا رہی ہیں؟ اس کی وجہ پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اس کے سوا کوئی بات تہہ سے نہیں نکلے گی کہ اصل محرک اس شوروغل کا' حسد وتعصب ہے''۔ (ص ۱۹۵-۱۹۶)

تجلیات صحابہ میں حقائق کی کھوج کاری کے دوران' عامر عثمانی مرحوم نے سنگ بدست کرم فرماؤں کی طرزِ ادا کا جواب دیتے وقت بعض مقامات پر مناظرانہ رنگ بھی اختیار کیا ہے مگر اس رنگ نے ان کے تفقہ فی الدین اور تحقیقی اسلوب کو متاثر نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے سیرت' تاریخ اور تفسیر کے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کیا اور غیر جذباتی انداز سے تجلیات صحابہؓ کے مضامین سپردقلم کیے۔ (سلیم منصور خالد'

ماہنامہ ترجمان القرآن' مارچ ۲۰۰۱ء

کتاب نما

٭ تفہیم القرآن پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں

عامر عثمانی (مصنف)، سید علی مطہر نقوی امروہوی (مرتب)/ مکتبہ الحجاز پاکستان، اے-۲۱۹، بلاک-سی، شمالی ناظم آباد، حیدری-کراچی/صفحات ۲۳۵/مئی ۲۰۰۱ء/ ۱۲۵روپے

۱۹۵۰ء کی دہائی میں بعض دیوبندی اہلِ قلم، اور بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے نئے نئے جاری شدہ ترجمان ماہنامہ ''دارالعلوم'' کے مضمون نگاروں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر رکھا تھا۔ جماعت اسلامی سے وابستہ اہلِ دانش نے اعتراضات کا جواب دیا، اور اپنی پوزیشن واضح کرنے کی کوشش کی، مگر جس شخص کے قلم نے دیوبندی علما کی پسند کردہ بساط پر انھیں آڑے ہاتھوں لیا، وہ مولانا عامر عثمانی (م ۱۹۷۵ء) تھے۔ مولانا مرحوم نہ صرف دیوبند کے معروف عثمانی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، بلکہ خود ''فاضل دیوبند'' تھے، اور اُن کا ماہنامہ ''تجلی'' اسی شہر سے شائع ہوتا تھا جس سے دارالعلوم کو نسبت ہے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ہندوستان کے دیوبندی اہلِ قلم اور ماہنامہ ''دارالعلوم'' (دیوبند) کا محاذ اس وقت کمزور پڑ گیا، جب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مدیر ماہنامہ ''برہان'' (دہلی)، مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی اور مولانا شاہ معین الدین ندوی مدیر ''معارف'' (اعظم گڑھ) جیسے بزرگوں نے دیوبندی اہلِ قلم کو بے سود اور ناخوشگوار بحث ختم کر دینے کا مشورہ دیا تھا، تاہم اس کے بعد بھی سیاسی حالات کی مجبوری یا بزرگوں سے عقیدت و محبت بعض لوگوں کو سید مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف لکھنے پر اکساتی رہی، اور اس کی صدائے بازگشت گاہے گاہے اب بھی سنائی دیتی ہے۔

جناب سید علی مطہر نقوی امروہوی کو مولانا عامر عثمانی کے افادات سے خاص دلچسپی ہے۔ قبل ازیں اُن کی جانب سے مولانا عثمانی کی تحریروں کے دو مجموعے ــــ ''جماعت اسلامی کا جائزہ'' اور ''تجلیاتِ صحابہؓ'' ــــ سامنے آ چکے ہیں۔ زیرِ نظر تیسرے مجموعے میں انھوں نے مولانا عثمانی کی چند مزید تحریریں یکجا کی ہیں جن میں سید مودودی اور اُن کی تفسیر قرآن پر اعتراضات و اشکالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چار ابواب میں سے ایک

باب، اور بحیثیت مجموعی کتاب کا تیسرا حصہ مولانا سید احمد رضا بجنوری کے اعتراضات کے جائزے پر مشتمل ہے۔ مولانا بجنوری نے ''صحیح بخاری'' پر علامہ سید انور شاہ کاشمیری کے درسی افادات ''انوار الباری'' کے نام سے مرتب کیے ہیں۔ ضمناً اُنہوں نے سید مودودی اور بیسویں صدی کے بعض دوسرے مسلم مفکرین (جو بیسویں صدی کے تقاضوں سے واقف تھے اور اُنہوں نے جدید تعلیم یافتہ مسلمان طبقے کی ذہنی الجھنیں صاف کرنے کی شعوری کوششیں کی تھیں) پر قدامت پرستانہ نقطہ نظر سے تنقید کی ہے۔

مولانا سید احمد رضا بجنوری کا پہلا اعتراض سورہ نور کی آیت ۳۱ کے ترجمہ تفہیم القرآن پر ہے جس میں مومن خواتین کو اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں، اور اُن افراد کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اُنہیں پردے کی ضرورت نہیں۔ آیت کے لفظ ''نسائهن'' کا ترجمہ سید مودودی نے ''اپنے میل جول کی عورتیں'' سے کیا ہے۔ مولانا بجنوری اسے ''علامہ مودودی کا تفرد'' قرار دیتے ہیں، اور ان کے نزدیک یہ تفرد افسوس ناک اور لائق ملامت ہے، نیز یہ عملاً صحیح نہیں، اور فہم قرآن سے بعید ہے (ملخص)۔ ان کی رائے میں ''نسائهن'' سے صرف مسلمان عورتیں مراد ہیں، اور غیر مسلم عورتوں سے مسلم خواتین کو پردہ کرنا چاہیے۔

مولانا عامر عثمانی نے اولاً یہ واضح کیا ہے کہ اس ترجمے میں سید مودودی ہرگز متفرد نہیں، بلکہ اُن سے پہلے مولانا شبیر احمد عثمانی (جن کے حوالے مولانا بجنوری ''انوار الباری'' میں بہ فخر و انبساط نقل کرتے ہیں) یہی ترجمہ کر چکے ہیں، اسلاف میں سے بھی بعض اہلِ علم نے یہی زاویہ نظر اختیار کیا تھا جو سید مودودی کا ہے، نیز معاشرتی اعتبار سے سید مودودی کا نقطہ نظر قرینِ صواب ہے، اور عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے بھی ترجمہ موزوں تر ہے۔

مولانا بجنوری کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں: ''(۱) سید [بجنوری] صاحب کا اعتراض سراسر دھاندلی پر مبنی ہے۔ (۲) اُنہوں نے علمی خیانت کا بھی ارتکاب کیا ہے۔ (۳) نقل اور عقل دونوں اعتبار سے ان کا اعتراض بچگانہ اور غیر ہوش مندانہ ہے کہ کسی صاحب علم و فہم سے اس کا صدور حیرت ناک ہے (ص ۵۹)۔''

سید احمد رضا بجنوری نے علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد اور سید مودودی کو ایک صف میں کھڑا کرتے ہوئے اُنہیں ''مساواتِ مرد و زن'' کا قائل اور داعی قرار دیا ہے۔ ان بزرگوں کا قصور صرف اتنا ہے کہ اُنہوں نے صنفِ نازک کے بارے میں بعض اُن افکار کی تردید کی ہے جو بائبل اور اسرائیلیات کے راستے مسلمانوں میں بوجوہ مروج ہو گئے ہیں۔ مولانا عامر عثمانی نے اولاً بتایا ہے کہ ''نظریۂ مساواتِ مرد و زن'' کا

اصطلاحی مفہوم کیا ہے، اور ان بزرگوں کو کسی طرح اس نظریے کا قائل یا ترجمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ضمناً بعض احادیث اور ان کے سلسلۂ روایت اور مفہوم پر گفتگو کی گئی ہے۔

کتاب کا دوسرا باب بھی ایک لحاظ سے خواتین کے بارے میں زاویۂ نظر ہی سے ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ حضرت حوا کیسے پیدا ہوئی تھیں؟ معروف بیان یہی ہے کہ حضرت حوا، حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں، مگر سید مودودی کی رائے یہ ہے:

''آیت قرآن (اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا) --- اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہلِ تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے کہ آدم کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا، لیکن کتاب اللہ اس کے بارے میں خاموش ہے، اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے، اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بات کو اسی طرح رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے، اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ (تفہیم القرآن، جلد ا، صفحات ۳۱۹-۳۲۰)

مولانا عامر عثمانی کے بقول سید مودودی کی رائے جمہور مفسرین سے مختلف ہے، مگر وہ اپنی سوچ میں تنہا نہیں۔ علامہ رشید رضا، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مؤلف ''قصص القرآن''، جیسے بزرگ انہی جیسی رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔ ضمناً اسلام میں خواتین کے مقام کے حوالے سے چند احادیث کا مفہوم بیان کیا گیا ہے، اور ان کی روایتی و درایتی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے۔

ایک مختصر سی تحریر میں اس اعتراض، بلکہ اتہام پر بھی گرفت کی گئی ہے کہ سید مودودی منکرِ حدیث ہیں (صفحات ۱۴۲-۱۴۷)۔

کتاب کا تیسرا باب ان اشکالات کے مختصر جوابات پر مشتمل ہے جو مولانا عامر عثمانی کو ''تفہیم القرآن'' کے حوالے سے مختلف مستفسرین کی جانب سے موصول ہوتے رہے۔ چوتھے باب میں ''مسئلہ ظہور مہدی'' پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ باب ''تفہیم القرآن'' پر اعتراضات سے متعلق نہیں، البتہ سید مودودی کے کرم فرماؤں نے ان کی تجزیاتی تحریر ''تجدید و احیائے دین'' سے یہ نکتہ کشید کر لیا تھا کہ وہ خود ''کامل مجدد'' یا ''مہدی'' ہونے کا دعویٰ کرنے جا رہے ہیں۔ سید مودودی کا عمل اس پر شاہد ہے کہ زود حس بزرگوں کی رائے غلط محض تھی، اور سید مودودی نے مہدی اور تصورِ مہدی پر لکھ کر ان بزرگوں کے سامنے حقیقتِ حال رکھ دی تھی۔ مولانا عامر عثمانی نے معترضین کے اندازِ تحریر پر گرفت کے ساتھ فی نفسہٖ زیر بحث مسئلے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

مولانا عامر عثمانی سید مودودی کا دفاع کیوں کرتے تھے؟ مولانا سید احمد رضا بجنوری کی تحریر کے حوالے سے انہوں نے لکھا ہے:

مولانا مودودی کے علاوہ دیگر افراد پر اُنہوں نے کیا نقد کیا ہے، اس سے ہمیں بحث نہیں، سردست صرف مولانا مودودی کا دفاع ہم اپنے ذمے لیں گے، اس کی وجوہ ہیں، ایک یہ کہ مولانا آزاد ہوں یا سید سلیمان ندوی یا علامہ شبلی اُن کی طرف سے دفاع کرنے والے تو ''ہندوستان'' میں بہت ہیں۔۔۔۔مگر بے چارے مودودی کے لیے سینہ سپر ہونے والا کوئی نہیں (ص ۱۹)۔

مگر سید مودودی کو اُنہوں نے تنقید سے کبھی بالاتر نہیں سمجھا، اور وہ اہلِ علم کو پورا حق دیتے تھے کہ سید مودودی سے اختلاف کر سکیں، تاہم اُن کی خواہش تھی کہ اختلاف عالمانہ انداز میں کیا جائے جس میں مخالف کی تضحیک نہ ہو: ''خطا کی نشان دہی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ طنز و تحقیر اور تنقیص و تخفیف کا رویہ بھی اختیار کیا جائے، علمائے سلف کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ برملا ایک دوسرے کی آراء پر تنقید کرتے ہیں، لیکن نقد و نظر اور دلیل و جرح کے سوا اُن کا یہ وطیرہ ہرگز نہیں ہوتا کہ تحمیق و تضلیل اور اہانت و استہزاء کو بھی ضروری سمجھیں، اور اینٹ اور پتھر بھی ضرور ماریں (ص ۲۱)''۔

مولانا عامر عثمانی کی زیرِ نظر کتاب سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ سید مودودی کے اکثر معترضین نے اپنی تحریروں میں عالمانہ اور محققانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے مناظرانہ اندازِ نظر پسند کیا ہے۔ اُنہوں نے مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر مخالفانہ و موافقانہ دلائل دیکھنے کے بجائے اپنی تائید میں دلائل جمع کیے ہیں، اور سید مودودی کے مبلغ علم پر جرح و تنقید کی ہے۔ اگر دونوں پہلوؤں کے دلائل پیشِ نظر رہیں تو اختلافی مسائل میں وہ تشدد باقی نہیں رہتا جو بالعموم مناظرین کے ہاں نظر آتا ہے۔

جناب مرتب نے بطور ''مقدمہ'' تفہیم القرآن اور سید مودودی کے بارے میں بعض اہلِ علم و فضل کی آراء نقل کی ہیں۔ ''تفہیم القرآن'' پر اعتراضات کے جائزے کے حوالے سے زیرِ نظر کتاب کو جامع تو قرار نہیں دیا جا سکتا، تاہم یہ مجموعۂ مضامین فکر انگیز ہے، اور بعض علماء کے زاویۂ نظر کی کوتاہیوں کی خوب نشاندہی کرتا ہے۔

تبصرہ کتب

تفہیم القرآن پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں

تالیف:- مولانا عامر عثمانی

مرتب:- سید علی مطہر نقوی امروہوی

صفحات:- ۲۳۵

قیمت:- ۱۲۵ روپے

ناشر:- مکتبہ الحجاز، اے ۲۱۹۔ بلاک سی،
حیدری، شمالی ناظم آباد کراچی

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے دین کی ہزاروں صفحات پر مشتمل جو تشریح و تعبیر پیش کی ہے اس میں عقل اور نقل دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا ہے، انہوں نے اگر کسی ایسے مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے جس پر امت کے تمام علماء کا مکمل طور پر اتفاق نہیں تھا تو مولانا نے دلائل و براہین کی روشنی میں اپنا موقف پیش کیا ہے اور ان مذکورہ گروہوں میں سے جس گروہ کو قرین صواب پایا ہے اس کا برملا اظہار کیا ہے، اگر کہیں اختلاف کیا ہے تو اس کو بھی دلائل و حجج کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ سید مودودیؒ کی ایک نہیں بیسیوں تالیفات ایسی ہیں جن میں "یار لوگوں" نے کیڑے نکالنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اگر یہ کوششیں مبنی بر خلوص و اصلاح ہوتیں تو شاید تاریخ کے ایک حق شناس طالب علم کے لیے تشفی کا باعث بنتیں مگر بد قسمتی سے ان کوششوں کا اکثر و بیشتر حصہ سطحی اور بے دلائل بنیادوں پر استوار کیا گیا جس میں تعصب، عناد اور حسد نے اپنا رنگ و اثر دکھایا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے کسی بھی موقف پر شاید اتنی گرفت اور لے دے نہ ہوتی اگر وہ اقامت دین کی ایک تحریک کی ضرورت کی فکر پیش نہ کرتے۔ کیونکہ یہ کام دراصل دین کے ان علمی و دعوتی پہلو کو متحرک کرنے کا کام تھا جو [illegible] ت سے تالاب کے پانی کی مانند ساکت و جامد کھڑا تھا۔ سید مودودیؒ نے اپنی تعبیر و فکر پر اٹھنے والے معقول اعتراضات کا جواب بھی دیا اور بہتوں کی تشفی بھی ہوئی لیکن یہ محاذ بجھا اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ ہر معترض کا جواب دینا ممکن تھا نہ ہی معقول، لہٰذا سیدؒ نے اپنے کام سے واسطہ رکھا اور ادھر ادھر کی بے وزن باتوں اور علماء کے معروف و مرغوب مشغلہ مناظرہ بازی سے اجتناب کیے رکھا۔

سید مودودیؒ کی فکر پر اعتراضات کا جواب دینے اور شافی جواب دینے والوں میں مولانا عامر عثمانی فاضل دیوبند کا نام تاریخ کے صفحات میں علمی میدان کے مرد جری کے طور پر یادگار رہے گا۔ انہوں نے تن تنہا دلائل و براہین کی ایسی بارش کے ساتھ معترضین کا جواب دیا ہے کہ پڑھنے والا ان کے قلم کی تیز رفتاری، علم کی فراوانی، دلائل کی صحت اور انداز کی کاٹ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا عثمانی نے سید مودودیؒ کی فکر کے دفاع میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے، کراچی سے ایک اہل دل بزرگ سید علی مطہر نقوی نے ان نوادرات عثمانی کو ماہنامہ تجلی دیوبند کی فائلوں سے نکال کر کتابی صورت میں محفوظ کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس سے قبل وہ "جماعت اسلامی کا جائزہ" اور "تجلیات صحابہ" پر مولانا عامر عثمانی کی گراں قدر تحریریں پیش کر چکے ہیں، زیر نظر کتاب تفہیم القرآن پر اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ مرتب نے کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے، اصل کتاب

سے پہلے سید مودودیؒ کے ہم عصر ارباب علم و دانش کی نظر میں سید کا مقام و مرتبہ مختصر ابیان کیا گیا ہے جن میں الشیخ محمد البشیر الابراہیمی الجزائری، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا محمد منظور نعمانی، محمد یعقوب طاہر، رزمی امروہوی، رشدی القادری اور مولانا ماہرالقادری شامل ہیں۔

پہلے باب میں معروف اہل علم مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگرد رشید مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے تفہیم القرآن پر اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ موصوف نے یہ اعتراضات اپنی تالیف انوار الباری شرح بخاری میں اٹھائے تھے۔ مولانا عامر عثمانی کو کسی ایسے صاحب نے خط لکھا جنہوں نے اس تالیف کی جلد ۱۰ (قسط دوازدہم) میں یہ اعتراضات پڑھے تھے۔ یہ صاحب اس تالیف کی تعریف کرنے والوں میں سے تھے لیکن تنقید کو تنقیص اور توہین کے رنگ میں دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور مولانا کو خط لکھ دیا۔ مولانا نے یہ قسط منگوا کر مطالعہ کرنے کے بعد اس پر اپنے خیالات کا اظہار تجلی سن 1973ء میں کیا۔ یہ مواد موجودہ کتاب کے تقریباً اسی صفحات پر محیط ہے جس میں مولانا عثمانی نے دلائل کے ساتھ اپنا موقف بڑے زوردار اور جارحانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں بھی اسی مکتبہ فکر کے ترجمان اور نقیب ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند شمارہ نومبر میں دو افراد ابوالقاسم صاحب دراوری اور مولانا ازہر شاہ صاحب کے ناموں سے مسئلہ پیدائش حوا پر شائع ہونے والی تنقیدات کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ اس محاصرے میں ازہر شاہ صاحب ہی گرفت میں رہے ہیں، مولانا عثمانی نے حسب سابق اور حسب معمول اس جائزے میں بھی علم کے دریا بہائے ہیں، اور ثابت کیا ہے کہ تنقید کیا ہوتی ہے اور کس طرح کی جاتی ہے اور اس کی قیمت چکائی جاتی ہے یا وصول کی جاتی ہے۔ یہ تحریر چالیس صفحات پر محیط ہے۔ اس باب کا دوسرا حصہ بھی ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کی ''مہربانی'' کی نظر ہے جس میں معروف اہلحدیث عالم دین مولانا عبدالرؤف رحمانی نے ایک مضمون کا جائزہ لیا گیا ہے جو انہوں نے پاکستان سے شائع ہونے والے اہلحدیث آرگن الاعتصام میں شائع شدہ مولانا مودودیؒ کی کسی تقریر کے ایک اقتباس کو بنیاد بنا کر سپرد قلم کیا تھا۔ یہ تحریر بہت مختصر ہے لیکن بات مکمل ہے۔

تیسرا باب تفہیم القرآن پر بعض متفرق اعتراضات کے جوابات ہیں تقریباً نوے صفحات کا یہ لوازمہ اعتراضات مختلف افراد کی طرف سے ہونے کے باعث دلچسپ بھی ہے اور علمی خزانہ بھی۔ کتاب کے چوتھے باب میں بھی حسب سابق ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کی کرم فرمائی باعث تحریک قلم بنی ہے دارالعلوم شمارہ مارچ ۵۶ء میں مولانا انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے اور مدرس دارالعلوم دیوبند جناب انظر شاہ صاحب نے ''مسئلہ ظہور مہدی، حدیث کی روشنی'' میں لکھا جس میں انہوں نے مولانا مودودیؒ کی ذات اور تحریر کے بارے میں کچھ سطحی و گھٹیا الفاظ استعمال کیے۔ مولانا عامر عثمانی نے اس تحریر میں بھی معترض کی تحریری خامیوں کا خوب جائزہ لیا ہے۔ یہ تحریر تقریباً پچاس صفحات پر محیط ہے، دیگر تحریروں کی طرح ایک علمی و قلمی نادریت کا رنگ کتاب ہذا میں عام آدمی کے لئے بھی اور علمائے دین کے لئے بھی مفید ہے۔ علماء کے لئے اس کا مطالعہ تو خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے قبل کی دیگر دو کتب بھی لائق مطالعہ ہیں، جناب سید علی مطہر نقوی جذبہ دینی کے تحت یہ کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اجر سے نوازے، تاہم ایک توجہ کی ضرورت ہے کہ کتاب کا خط اور سیٹنگ وغیرہ کو جاذب نظر بنایا جائے۔ مجموعی طور پر کتاب مناسب ہے لیکن جس طرح ہر کام میں حسن اس کی تشکیل کو بڑھا دیتا ہے اسی طرح طباعتی امور میں بھی یہ چیز اثر انداز ہوتی ہے۔ بہرحال قارئین آئندہ آنے والے ''نوادرات عثمانی'' کے منتظر رہیں گے۔ یقیناً یہ بھی حسب سابق مولانا عثمانی کی وقت نظری، عرق ریزی کا شاہکار ہوں گے۔

(ارشاد الرحمن)

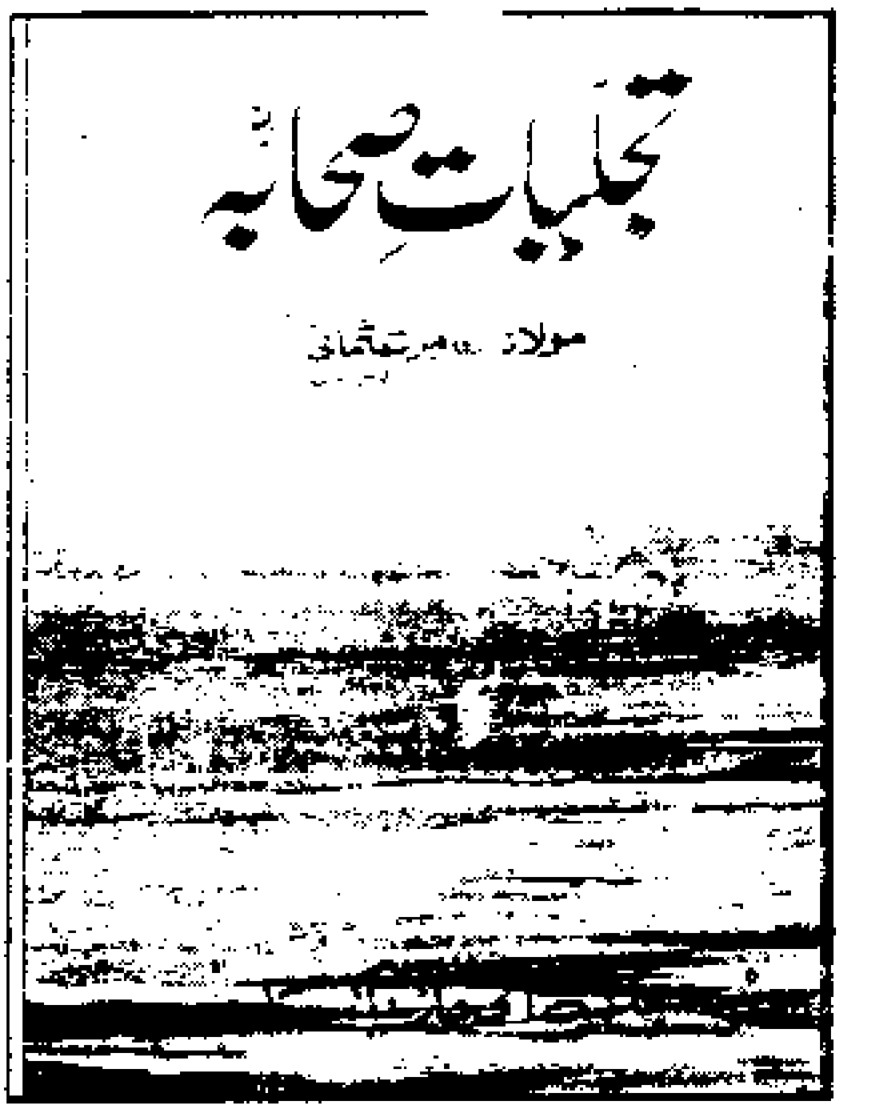

نام کتاب : تجلیات صحابہؓ

مصنف : مولانا عامر عثمانی فاضل دیوبند

مرتب : سید علی مطہر نقوی امروہوی

قیمت : 250 روپے، صفحات 664

ناشر : مکتبہ الحجاز پاکستان اے 219، بلاک سی حیدری شمالی ناظم آباد کراچی 74700 پاکستان

فون نمبر 6638413

مولانا عامر عثمانی مرحوم قابل ترین فضلائے دیوبند میں سے ایک تھے آپ کے خاندان نے دارالعلوم دیوبند کے زمانے میں ابتدائی دور میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ دور اول میں آپ کے تایا مولانا حبیب الرحمن صاحب اور مفتی عزیز الرحمن کے اسماء گرامی سے دیوبند کی تاریخ سے باخبر کون ہے جو واقف نہ ہو سکے۔ دنیا میں دیوبند کا موجودہ مقام آپ کے خاندان کی مساعی اور بانیوں کا خاص طور پر مرہون منت ہے۔ شارح صحیح مسلم، مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی آپ کے حقیقی چچا تھے۔ مولانا عامر عثمانی بھی غیر معمولی ذہانت اور اعلیٰ علمی و ادبی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ دیوبند سے ماہنامہ "تجلی" نکالتے تھے جو ایک علمی و دینی مجلہ تھا ایک زمانہ تھا پورے ہندوستان و پاکستان میں اس کا خوب چرچا تھا قارئین کا ایک حلقہ سا ماہنامہ تجلی سے تجلی کے انتظار میں رہتا۔ تمام کے ساتھ ہی انہوں نے ... کی حیثیت کی وجہ

تحریک اسلامی پر افتراق، تنقید اور تنقیص کا قرار واقعی جواب ہوتا تھا مولانا عامر عثمانی بے قلم مجاہد تھے حق بات کہنے کو ... سمجھتے تھے اس سلسلہ میں انہوں نے ہزاروں صفحات لکھے۔ رسالہ ان کی وفات کے بعد کچھ عرصے بعد بند ہو گیا۔ ان کو تحریر کا خاص ملکہ تھا نہایت عمدہ لکھتے تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ کو شعر و شاعری سے بھی شوق فرماتے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کتاب خلافت و ملوکیت تحریر فرمائی کتاب کا بازار میں آنا تھا کہ اس کی رد میں مضامین کتابوں کی بارش ہو گئی ان ہی میں سے ایک کتاب مولانا محمد میاں صاحب نے "شواہد تقدس" کے نام سے تصنیف فرمائی جس پر مفصل نقد دو حصوں میں مولانا عامر عثمانی صاحب نے تحریر فرمایا اور تجلی دیوبند کے دو خاص نمبروں کی شکل میں شائع کیا۔ زیر تبصرہ کتاب انہی دو حصوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ صفحہ 579 سے 661 تک دو مزید کتابوں پر تبصرہ ہے جن کے نام ہیں۔

ملک نواز احمد اعوان

1-) عدالت صحابہ بجواب خلافت و ملوکیت، مصنف مولانا علی احمد عباسی صاحب

2-) تجدید سبائیت از مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صاحب

حق بات یہ ہے کہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے مولانا عامر عثمانی نے خلافت "ملوکیت" کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ یہ کتاب بے نظیر علمی مناقشہ ہے یہ صحیح معنوں میں علمی تحقیقی تاریخی گوناگوں فوائد سے پر ہے۔ سید علی مطہر نقوی امروہوی صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت و مشقت سے تجلی کی فائلوں میں دفن یہ مباحث کتابی صورت میں زر کثیر صرف کر کے مرتب کر کے شائع کر دیئے ہیں۔ ... صالح اور نیک ... ہیں اس سے قبل موصوف "جماعت اسلامی کا جائزہ" نامی کتاب مرتب کر کے شائع کر چکے ہیں جو انہی مولانا عامر عثمانی کے قلم سے ہے۔ عنقریب آنے والے دنوں میں مولانا عامر عثمانی کی دو کتابیں آ رہی ہیں ایک "تفہیم القرآن پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں" دوسری "مودودی افکار پر اعتراضات کا تجزیہ"۔ تجلیات صحابہ ... کتاب کے متن کی غلطیاں شاذ و نادر ہیں۔ کتاب مجلد اور ... سے مزین ہے۔ OO